U1
Ar32 M

DATE LABEL

...راثی میر انیس مرحوم

جلد



در مطبع تیج کمار و آرٹ نول کشور پریس واقع لکھنؤ طبع گردید

تعداد طبع ۱۰۰۰ — باہتمام ایم - ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ — قیمت بلا جلد ۹ روپیہ



فہرست

مرثیہ و رباعیات وسلام میر انیس جلد اوّل

سوانح عمری میر انیسؔ

میر انیس

میر ببر علی انیس سنہ ۱۲۱۶ھ یا ۱۲۱۷ھ میں بمقام فیض آباد محلہ گلاب باڑی میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد رہتے تھے۔ اپنے والد کے ساتھ سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی۔ لکھنؤ میں اُس وقت آئے جب اُن کے بڑے صاحبزادے میر نفیس پیدا ہو چکے تھے چھوٹے بھائی اُنس ہمراہ تھے۔ ابتدا میں فیض آباد کے تعلقات بالکل منقطع نہیں ہوئے اس وجہ سے کہ باپ اور بھائی وہیں رہتے تھے مگر جب بعد کو پورا خاندان لکھنؤ چلا آیا تو یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب سے اور صدرا مفتی میر عباس صاحب سے پڑھی تھی۔ ورزش کے بہت شائق تھے اور فنون لطیفہ گری میر کاظم علی اور اُن کے بیٹے میر امیر علی سے حاصل کیے جو اس فن میں اس زمانہ کے استاد مانے جاتے تھے۔ فن شہسواری سے بھی واقف تھے۔ فن سپہ گری کی معلومات جنگ کے مناظر وغیرہ دکھانے میں بہت کار آمد ثابت ہوئے حُسن تناسب کے ایسے عاشق تھے کہ خواہ وہ انسان میں ہو یا کسی دوسری شے میں اس کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اُن کو اپنی عزت خاندانی پر بڑا فخر تھا اور خودداری اور عزت خاندانی کا ہمیشہ خیال رہتا تھا وضعدار بھی بہت بڑے تھے ملنے جلنے میں رکھ رکھاؤ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک وقت معینہ پر لوگوں سے ملاقات کرتے تھے کوئی شخص حتیٰ کہ ان کے گھر والے بھی بغیر اطلاع اُن کے پاس نہیں آسکتے تھے اُمرا سے بہت کھنچکر ملتے تھے یہانتک کہ بادشاہ وقت کے یہاں بھی اُسوقت تک نہیں گئے جبتک کہ ایک معتمد شاہی اُن کو لینے نہ آیا۔ وہ اپنی عزت خاندانی اور عزت پیشہ کو سب باتوں پر مقدم سمجھتے تھے۔ آئین وضعداری کے بہت سختی سے پابند تھے جسکو انھوں نے اپنے اور اپنے احباب اور ملنے والوں کے واسطے مقرر کرلیا تھا۔ وضع اور لباس بھی خاص تھا جسکو اُنھوں نے عمر بھر نباہا۔ لوگ جس طرح ان کے کلام کی عزت کرتے تھے اسی طرح اُن کی پابندی وضع کے بھی قدردان اور مداح تھے۔ کبھی کسی کی تعریف میں یا روپیہ کے لالچ میں ایک حرف زبان سے نہیں کہا البتہ امرائے لکھنؤ جو ہدایا و تحائف مداح آل رسول سمجھ کر پیش کرتے تھے اس کو قبول بھی کر لیتے تھے۔

میر انیس لکھنؤ سے تا انتزاع سلطنت کبھی باہر نہیں نکلے جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اس کلام کو اسی شہر کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اس قدر کیا کرے گا اور ہماری زبان کا لطف کیا اُٹھائے گا لیکن تباہی لکھنؤ کے بعد پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں اور پھر سنہ ۱۸۶۰ء میں نواب قاسم علی خاں کی طلب اور اصرار سے پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے اور واپسی میں بنارس میں بھی ایک مرتبہ ٹھہرے تھے اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں مولوی سید شریف حسین خاں کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے سخت

اصرار سے دکن حیدر آباد گئے اور لوٹتے ہوئے آلہ آباد میں قیام کیا۔ اور ان سب مقامات پر اپنے معرکۃ الآرا مرثیوں سے لوگوں کو مستفیض اور داخل حسنات کیا۔ جس مجلس میں پڑھتے لوگ اس کثرت سے جمع ہوجاتے تھے کہ باوجود سخت انتظام اور پہروں کے بھی چپہ بھر زمین سننے والوں سے خالی نہیں ہتی تھی جب دوسرے شہروں کا یہ حال تھا۔ تو پھر خاص لکھنؤ کا کیا پوچھنا ہے جو قدر دانی اور کمال کا سرچشمہ تھا۔ میر صاحب کا انتقال بعارضۂ بخار ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ اور اپنے باغ ہی میں دفن ہوئے۔

میر انیس بحیثیت شاعر

میر صاحب خلقی شاعر تھے اور شاعری ورثہ میں پائی تھی۔ کوئی خاندان اتنا زبردست سلسلہ مشہور اور قابل شعرا کا نہیں پیش کرسکتا۔ لہٰذا جو فخر میر صاحب کو اپنے خاندان پر تھا وہ بجا تھا۔ میر صاحب نے بچپن ہی میں جبکہ فیض آباد میں قیام تھا شعر کہنا شروع کردیا تھا پہلے حزیں تخلص کرتے تھے۔ جب لکھنؤ آئے تو اُن کے والد اُن کو ناسخ کے پاس لے گئے ناسخ نے کہا کہ تخلص کو بدل دو چنانچہ ایسا ہی کیا انیس تخلص اختیار کیا۔ انیس نے کم سنی سے مرثیہ کہنا شروع کردیا تھا اور تھوڑے ہی دنوں کی مشق میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے چنانچہ انکی شہرت ان کے والد کے زمانہ میں ہوچکی تھی جب خلیق اور ضمیر میدان مرثیہ گوئی سے ہٹ گئے تو دبیر و انیس کا زمانہ آیا انھوں نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچادیا۔

تصانیف

میر صاحب نے ہزارہا مرثیے، سلام، قطعات، رباعیاں لکھی ہیں افسوس ہے کہ اُن کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا مگر جس قدر چھپ چکا ہے پانچ جلدوں میں ہے۔ مابقی ان کے اعزہ کے پاس محفوظ ہے مشہور ہے کہ انھوں نے ڈھائی لاکھ شعر کہے تھے جنمیں کچھ غزلیں بھی تھیں۔ جس طرح ان کا کلام لاجواب ہے اسی طرح اُن کے پڑھنے کا طریقہ بھی لاجواب تھا اُن کی آواز قد و قامت، صورت، غرض ہر شے اس کام کے لیے موزوں واقع ہوئی تھی پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بڑا آئینہ سامنے رکھ کر تنہائی میں بیٹھتے اور پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ میر انیس کا کلام ہموار ہے اور دوسرے شاعروں کی طرح رطب و یابس کا مجموعہ نہیں ہے۔ ادب اردو میں میر انیس ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ بحیثیت شاعر کے اُن کی جگہ صف اولین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو زبان اُردو کے تمام شعراء سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور اُنکو ہندوستان کا شیکسپیر۔ اور خدائے سخن اور نظم اُردو کا ہومر اور ورجل اور بالمیک خیال کرتے ہیں۔

انیس کی خدمت زبان کے ساتھ

انیس نے زبان اُردو کی بڑی خدمت کی اسکو خوب صاف کیا اور مانجھا اور ان کا کلام اپنی فصاحت اور تازگی کے لیے مشہور عالم ہے۔ وہ صحت محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور اسی پر ان کو بڑا فخر و ناز تھا۔ لغات کی معلومات ان کی بہت وسیع تھی۔ اور الفاظ کی سجاوٹ میں ان کو کمال حاصل تھا بہت سے نئے نئے محاورے اُنکی وجہ سے داخل زبان ہوئے اور قدیم محاورات کا صحیح استعمال بھی اُنھوں نے بتایا۔ ابتدائی کلام میں کچھ قدیم محاورات پائے



شبیہ میر ببر علی انیس اعلی اللہ مقامہ

جاتے ہیں مگر جوں جوں مشق بڑھتی گئی اور تجربہ وسیع ہوتا گیا اُسی قدر کلام صاف ہوتا گیا میر صاحب کی زبان دلّی اور لکھنؤ دونوں جگہ مستند مانی جاتی ہے اُن کا خاندان صحت محاورہ کا محافظ سمجھا جاتا ہے میر حسن اور میر خلیق کے تعلقات بہو بیگم صاحبہ کے خاندان کے ساتھ مشہور تھے مشہور ہے کہ فیض آباد میں ان کے یہاں ایک باقاعدہ دفتر تھا جس میں ایسے محاورے اور مثلیں جو بہو بیگم صاحبہ کے گھر میں بولی جاتی تھیں باقاعدہ درج ہوتی رہتی تھیں اور اس دفتر کے افسر اعلیٰ میر حسن اور میر خلیق تھے ظاہر ہے کہ زبان کی صحت وصفائی کے واسطے ان سے زیادہ کون مستند ہو سکتا تھا۔ اردو باوجود اصناف نظم کی تنوع اور کثرت کے رزمیہ نظم سے ابتک تہیدست تھی اُس میں ہومر کی الیاڈ۔ ورجل کی اینیاڈ۔ ویاس کی مہابھارت۔ والمیک کی رامائن۔ یا فردوسی کے شاہنامہ کی طرح کی کوئی تصنیف موجود نہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ زبان اردو ایک نوخیز چیز ہے اور اس قسم کی تصانیف رزمیہ کے لیے ایک مدت مدید کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ کمی کسی طرح پوری ہو سکتی تھی تو وہ انیس کے مشہور مراثی سے ہوئی۔ ان کے مرثیوں کی تمہیدیں اور مناظر جنگ وغیرہ ایسی اُستادی اور کمال سے لکھے گئے ہیں کہ نظامی کے سکندر نامہ اور فردوسی کے شاہنامہ کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسیطرح مناظر قدرت اور جذبات انسانی جس زور کے ساتھ اُنھوں نے دکھائے ہیں اُس کا بھی جواب زبان اردو میں کہیں نہیں ملتا۔

مُرقع نگاری

انیس کو مناظر قدرت کی ہو بہو تصویر کھینچنے میں کمال حاصل تھا اس قسم کے بیانات مرثیہ سے غیر متعلق نہیں ہوتے بلکہ اصل مضمون کے تحت میں ہوتے ہیں مگر پھر بھی بالذات ایک مکمل چیز ہیں جو مرثیے سے بے تکلف علیحدہ کیے جا سکتے ہیں۔ پورا مرثیہ ایک ایسا مرقع معلوم ہوتا ہے جس میں صدہا خوبصورت خوبصورت مکمل تصویریں چسپاں ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں مگر پھر بھی مجموعی حیثیت سے اُسی کل کے تحت میں سب آتی ہیں۔ مثلاً صبح کا سماں طلوع آفتاب۔ نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے شام کا سہانا وقت، چاندنی کا لطف یا تاریکی کا بھیانک منظر باغ میں پھولوں کا کھلنا اور مہکنا سبزہ کی بہار وغیرہ وغیرہ الگ الگ چیزیں ہیں مگر سب مرثیہ کے جزو ضروری ہیں۔

اِظہار جذبات

مثل عالم ظاہر کے عالم باطن یعنی جذبات کے اظہار پر بھی میر صاحب کو بہت بڑی قدرت حاصل ہے۔ جذبات۔ خوشی وغم۔ غصہ۔ محبت رشک و حسد۔ بیم و رجا وغیرہ ایسی اُستادی سے بیان کرتے ہیں کہ دل وجد کرتا ہے ایک اور کمال یہ ہے کہ کہنے والے کی عمر جنس۔ حالت وغیرہ کا پوری طرح خیال رکھا جاتا ہے مثلاً اگر کسی بچہ کی زبان سے کچھ الفاظ کہے گئے ہیں تو خیالات اور زبان دونوں بچوں ہی کے ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ کبھی اس نازک فرق کو نظر انداز نہیں کرتے جس سے انکی اُصول ڈرامانویسی کی کما حقہ واقفیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے اسیطرح عورتوں کے مختلف رشتوں کے نازک فرق کو بھی بدرجہ اتم ملحوظ رکھتے ہیں معرکۂ جنگ میں مبارزوں کی رجز خوانی حریف کا جواب۔ حملہ آوروں کے حملے۔ پہلوانوں کی لڑائیاں سامان حرب و ضرب علی قدر مراتب اس خوبی سے دکھاتے ہیں کہ میدان کارزار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ تلوار اور گھوڑے کی تعریف صدہا بلکہ ہزار ہا جگہ کی گئی ہے مگر ہر دفعہ تشبیہ اور تخلیل نئی ہوتی ہے اور نیا لطف دیتی ہے۔

مرثیوں میں تسلسل بیان ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ میر انیس ایک مستند مورخ کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ جن واقعات کو اُنھوں نے نظم میں باندھا ہے وہ من وعن ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ ان کا وجود اگر ہے تو شاعر کے تخیل میں ہے مگر یہی تخیلی وجود مابعد کے شعرا اپنے ماقبل کے شعرا کے کلام سے اخذ کرتے چلے آتے ہیں۔ میر انیس کا کلام اغلاط سے بھی بالکل پاک نہیں۔ مولوی

عبد الغفور صاحب نساخ نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انھوں نے انیس اور دبیر کی عروضی اور دوسری قسم کی غلطیاں دکھائی ہیں ان دونوں بزرگوں کے طرفداروں نے بھی اس کے جواب میں رسالے لکھے اور اپنے اپنے استادوں کی جانبداری کا حق ادا کیا مگر سچ پوچھیے تو واقعیت یہی ہے کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیے اصلی حالت میں اور صحیح طور پر نہیں چھپے۔ اُن میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں اور کچھ ان لوگوں کی حسب موقع تحریفیں ہیں جنھوں نے مرثیے پڑھے۔ کہیں کہیں پرانے محاورات بھی ہیں جو اب متروک ہوگئے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام مرثیوں میں ہمواری نہیں ہے اور بعض اشعار تو انیس اور دبیر ایسے پختہ کار شاعروں کے درجہ سے گرے ہوئے ضرور ہیں۔ مگر تعجب کی کیا بات ہے کہ انھوں نے لاکھوں شعر کہے اگر کہیں کہیں غلطیاں بھی ہوگئیں تو اُس سے اُن کی اُستادی پر کیا حرف آتا ہے

میر انیس کا طرز

میر انیس تمثیلوں۔ استعاروں اور صنائع بدائع میں کمال رکھتے ہیں وہ فضول مبالغے اور بیجا اغراق کو ہرگز نہیں پسند نہیں کرتے جنکی ان زبانیں کثرت تھی صنائع بدائع کا استعمال اس خوبی سے کرتے ہیں کہ جس سے شعر پر کوئی بار نہیں پڑتا اور حسن بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح انکی تمثیلیں بھی نہایت حسین اور بہت ارفع اور نہایت آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہیں وہ اُن سے ایک عجیب دلکش اثر پیدا کرتے ہیں۔ بڑی چیز کی مثال ہمیشہ بڑی چیز سے دیتے ہیں اُنکی تشبیہات کبھی معمولی اور ادنیٰ قسم کی نہیں ہوتیں۔ کلام حسب موقع کہیں صاف وسلیس اور کہیں رنگین ہوتا ہے۔ مگر فصاحت اور زور کہیں ہاتھ سے نہیں جاتا بیان میں روانی غضب کی ہوتی ہے فصاحت نشست الفاظ۔ اور یہ سب اُن کے کلام میں ملے ہوئے ہیں اشعار بہت صاف اور سلیس اور جلد سمجھ میں آنے والے ہیں اور یہ آخری صفت بعض وقت دھوکا دیتی ہے اور عمق معنی کو اُس گہرے غار کے پانی کی طرح پوشیدہ کر دیتی ہے جسکو صفائی اور موجوں کی روانی نے چھپا دیا ہو۔ ان کے قادر الکلام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایک ہی بات اور ایک ہی مضمون کو اُسی سادگی اور دل آویزی کے ساتھ صدہا بار کہتے ہیں اور پھر ہر مرتبہ وہ نئی معلوم ہوتی ہے۔

انیس کا مرتبہ اُردو شعرا کی صف اولین میں نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔ اُنکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس زمانے میں جب تصنع اور تکلف اور مبالغے اور اغراق کا بازار گرم تھا اُن کی شاعری جذبات حقیقی کا آئینہ تھی اور جس نیچرل شاعری کا آغاز حالی اور آزاد کے زمانے سے ہوا اس کی داغ بیل انیس نے ڈالی تھی۔ انیس نے مرثیہ کو ایک کامل حربہ کی صورت میں چھوڑا جس کا استعمال حالی نے نہایت کامیابی سے کیا۔ اُن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انگریزی داں طبقہ میں بہت مقبول ہیں جس کا دماغ معمولی شعروشاعری کی عطر بیزی سے بعض وقت پریشان ہوکر حقیقی شاعری کی نکہت کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ اُنکی شہرت برابر ترقی کر رہی ہے اور ہماری رائے میں اُس وقت تک ترقی کرتی جائے گی جب تک زبان اردو ترقی کرے گی بلکہ اُسی وقت انیس کی واقعی قدر کیجائیگی جو جلد مرثیہ کی آپ کے پیش نظر ہے اس کو نہایت معتبر نسخوں سے نظر ثانی اور تصحیح کے بعد پیش کیا گیا ہے۔ اور چھپائی وغیرہ میں بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جو یقینی اس کمی کو پورا کردے گی جو اب تک اس باکمال شاعر کے کلام میں طباعت وغیرہ کی خرابی سے ہوتی رہی۔ فقط

مَن قالَ فینا بیتاً بنی اللہ لہٗ بیتاً فی الجنّۃ

ذریعۂ اشک ریزی مومنین و وسیلۂ حصول حسنات بعزاداران ائمۂ طاہرینؑ مجموعۂ نفیس

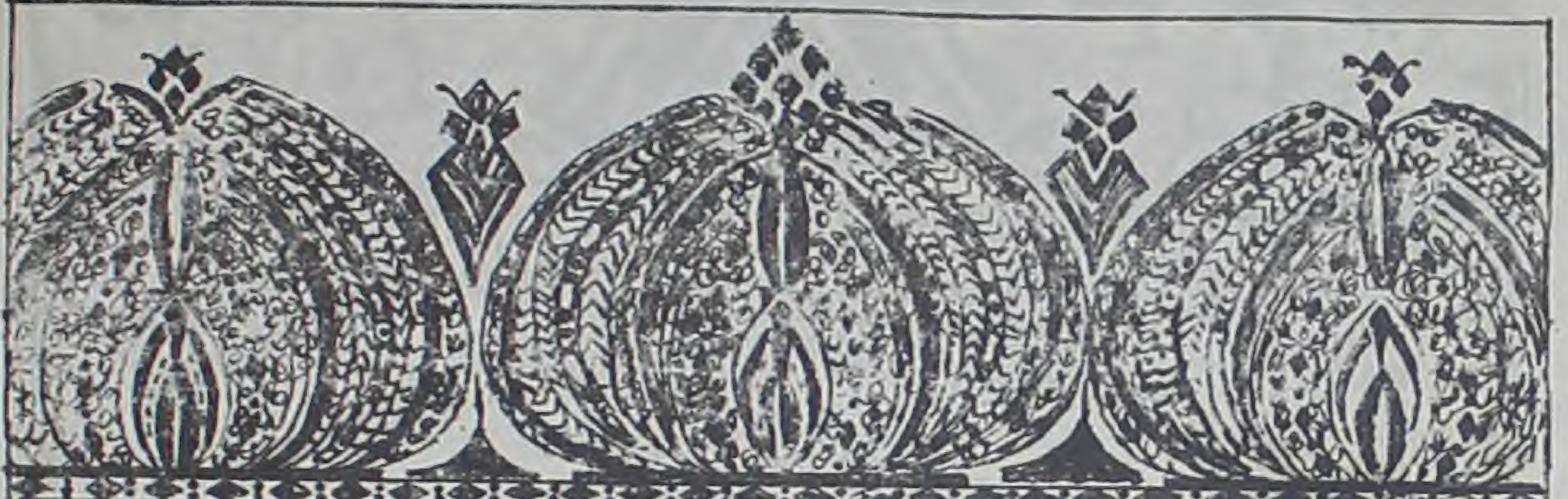
یعنی

مراثی میر انیس مرحوم

جلد اوّل

از کلام ندرت انضمام سرآمد مرثیہ گویان نامی و مداحان گرامی
میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

مطبع منشی تیج کمار وارث نولکشور پریس واقع لکھنؤ میں طبع ہوکر شائع ہوئے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

١
یارب چمن نظم کو گلزارِ ارام کر
توفیق کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر!
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نجائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نجائے

٢
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گزاری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا ہو جن پھولوں کی بو کو

٣
غواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
ہو جن کی جگہ تاج سرِ عرش پہ خالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی
سب ہوں دریکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں کہ جنھیں رشتہ ہے نبی سے

٤
بھر دے درمقصود سے اس درج دہان کو
آگاہ کر آغاز تکلم سے زبان کو
دریائے معانی سے بڑھا طبع روان کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیان کو
تحسین کا سمٰوات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

٥
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہر منور سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

٦
گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
دیکھے نہ کبھی صحبت انجم فلکِ پیر
کھنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
ہو جائے ہوا بزم سلیماں کی بھی توقیر
یوں تخت سینان معانی اُتر آئے
ہر بیت میں پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

۷
ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام
ہر مست فراموش کرے گردش ایام
جس میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام
صوفی کی زبان بھی تر ہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلد بریں سے

۸
آؤں طرف رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
قطع سر اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
دکھلائے یہیں سب کو زبان معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

۹
مصرع ہوں صف آرا صفت لشکر جرار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجر خونخوار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
ر آگے بڑھیں برچھیوں کو تولے کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۱۰
ہو ایک زبان ماہ سے تا مسکن ماہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی
عالم کو دکھا دے برش سیف الٰہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکہ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہے دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

۱۱
تائید کا ہنگام ہے یا حیدر صفدر
تو صاحب اکرام ہے یا حیدر صفدر
امداد ترا کام ہے یا حیدر صفدر
ترا بھی کرم عام ہے یا حیدر صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہوں میں ایک طرف ہوں

۱۲
نا قدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

۱۳
نیک و بد و عالم کا تامل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرف گل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
تعریف خوش الحانیٔ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

۱۴
الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
اندھیر یہ ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو
دُر تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے در نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعل بدخشاں و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

۱۵
ہے لعل و گہر سے یہ دہن کان جواہر
ہیں بند مرصع تو ورق خوان جواہر
ہنگام سخن کھلتی ہے دو کان جواہر
دیکھے اسے ہاں ہے کوئی خواہان جواہر
بینائے رقومات ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

۱۶
کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار
ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
اُس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

۱۷
خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
اے باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سرتاج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امید اسی گھر کی وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری یہی توشہ ہے سفر کا

۱۸
میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں
شرمندہ زمانے سے گئے وائلِ سحباں
حسان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

۱۹
لا یعلم و لا علم کی کیا سحر بیانی
نہ ذہن میں جودت نہ طبیعت میں روانی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
گویا ہوں فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاقت ہو تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہے

۲۰
تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
تقصیر بحل کیجئے بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

۲۱
مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ امرا کی نہیں میں نے
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبّت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت سے علیؑ کی

۲۲
ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
منظور ہے اک بات میں دو فصل کی تحریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیِ شبیرؑ
مولا کی مدد کا متمنّی ہے یہ دلگیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

۲۳
شعبان کی تاریخ سوم روزِ ولادت
اور ہم دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیلِ سعادت
وہ بھی عملِ خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے

۲۴
مقبول ہوئی عرض گنہ عفو ہوئے سب
شامل ہوا افضالِ محمد کرمِ رب
اُمید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
بستی پہ ہیں سب رکن رکینِ دینِ مبیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی چھرے کی سجائی سے قبا چست ہے تن کی اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے	۲۵	بخشی ہے رضا جائزۂ فوجِ سخن کی لو ہر طرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو اے ظلمتِ غم دیدۂ عالم سے نہاں ہو شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں	۲۶	اے ماہِ شبِ چاردہم نور فشاں ہو اے روشنیٔ صبحِ شبِ عید عیاں ہو خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں
اے شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جن کے	۲۷	نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا نو نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جن کے
اے کعبۂ ایماں تری راحت کے دن آئے اے بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے اے سنگِ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں	۲۸	اے رکن یمانی تری شوکت کے دن آئے اے چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے اے کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ میں
اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد یہ خانۂ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں	۲۹	اے رتبۂ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد کہتے ہیں چمن ماہِ جلالی کی ہے آمد یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں
اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے	۳۰	رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر صدقے گلِ تر ہے تری پھولوں کی مہک پر جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے
یا ختمِ رسل گوہرِ مقصود مبارک یا شاہِ نجف شادیٔ مولود مبارک رونق ہو سدا نور دو بالا رہے گھر میں	۳۱	یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک یا خیر النسا اخترِ مسعود مبارک اس ماہِ دو ہفتہ کا اجالا رہے گھر میں
اے اصحبو ہے یہ دم شکر گزاری اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے	۳۲	ہر بار کرو سجدۂ شکر بہ باری فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری ناجی ہوئے صدقے میں حسین ابنِ علی کے
اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے اتری برکت فاطمہ کے لال کے صدقے قربان سحر عید اگر ہو تو بجا ہے	۳۳	شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے نو روز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

۳۴
قربان شب جمعہ شعبان خوشش انجام
قائم ہوا دیں اور بڑھی رونق اسلام
پیدا ہوا جس شب کو محمد کا گل اندام
ہم پلہ صبح شب معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شب قدر سے پوچھو

۳۵
وہ نور قمر اور در افشانیٔ انجم
وہ چہچے رضواں کے وہ حوروں کا تبسم
تھے جس کے سبب روشنی دیدۂ مردم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکائیل شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولے نہ سماتے تھے خوشی سے

۳۶
روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
جو راہ تھی خوشبو جو محلہ تھا وہ گلزار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی

۳۷
کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
رخ رحمت معبود کا تھا جانب عالم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے ہر دم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

۳۸
تھیں فاطمہؑ بے چین ادھر درد شکم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
مضطر تھے علیؑ بنت پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

۳۹
کرتے تھے دعا بادشہ یثرب و بطحا
زہرا ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندا
راحم ہے تری ذات مقدس مرے مولا
آسان کر اے بار خدا مشکل زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لئے پاس نہیں ہے

۴۰
ناگاہ در حجرہ ہوا مطلع انوار
اسمائے نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار
دکھلانے لگے نور تجلی در و دیوار
فرزند مبارک تمہیں یا حیدرؑ کرار
اسپند کرو فاطمہ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

۴۱
دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویر رسول عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

۴۲
مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم
آئے طرف خانۂ زہراؑ خوش و خرم
بس شکر کے سجدے کو جھکے قبلۂ عالم
فرمایا مبارک پسر اے ثانیٔ مریم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نور نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

۴۳

کی عرض یہ اسمانے کہ اے خاصۂ داور
ارشاد کیا احمدؐ مختار نے ہنس کر
نہلاؤں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

۴۴

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو نہیں مابہ
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوویں گے ظاہر
یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجتِ باہر
بڑھ کر مددِ سیدِ لولاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

۴۵

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سنائی
لو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
اسما سے اک پارچۂ نرم پہ لائی
سینے لگے سرخی رخِ پرنور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولؐ عربی نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

۴۶

جاں آ گئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا
قرآں کی طرح رحل دو زانو پہ بٹھایا
بوسے لئے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

۴۷

جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
پُرنور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

۴۸

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیرِ تاباں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرؐ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

۴۹

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے
تا عرش پہونچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے
سرسبزی دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
کچھ اس میں ہے فرزند کا باعث نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

۵۰

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیدِ والا
بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

۵۱

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلؑ خوش انجام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علام
یا ختمِ رسلؐ ہم نے "حسینؑ" اس کا رکھا نام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے احسان سے تصغیرِ حسنؑ ہے

۵۲
ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیِ اُمّت
ی اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت
سمجھیں گے اسی سین کو سب سینِ سعادت
ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصّے زیادہ ہے حسنؑ سے

۵۳
دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
توقیر میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حُسن کا لڑکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

۵۴
فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا عزّت اسے دی ہے
دی ہے جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبّت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے معظم ہے مکرم ہے ولی ہے
ہادی ہے وفادار ہے زاہد ہے سخی ہے

۵۵
جب کر چکے ذکرِ کرمِ مالکِ تقدیر
کی صلّ علیٰ کہہ کے محمّد سے یہ تقریر
جبریل نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبیرؑ
یا شاہ یہ مہرو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

۵۶
ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

۵۷
ہے یہ سبب تہنیت و تعزیت اس دم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے اظلم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

۵۸
ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ
تاریخ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں ماہ
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا سر جب تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

۵۹
چلّائے محمد کہ میں بسمل ہوا بھائی
دل ہل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی
اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
یہ واقعہ سُن کر نہ جئے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیوں کر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

۶۰
جس وقت سنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیّدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہائے مرے شبیرؑ کی گردن

۶۱
ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اُسے پانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمن جانی
ہے ہے یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی
ہے ہے مرا محبوبؐ مرا یوسفِ ثانی
پیراہنِ صد چاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

۶۲
صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کے رُلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

۶۳
دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
شعلوں کی طرح آگ نکلتی ہے جگر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسین آج سے اس کو میں کہوں گی

۶۴
بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشورِ محرم
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
چلّے میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

۶۵
حیدر ہیں کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
زہرا کا بُرا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
ہے ہے مجھے فرزند کا پُرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

۶۶
پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
ماں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
اے میرے شہید اے مرے بیکس ترے واری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

۶۷
مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حسینا
ہو جائے گا ٹکڑے یہ جگر ہائے حسینا
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

۶۸
فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہراؑ
خالق نے دیا ہے اسے وہ رُتبۂ اعلیٰ
کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
جبریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ اُمت کا سبب ہے

۶۹
اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبرؐ
جب قید سے ہو دے گا رہا عابدِ مضطر
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
تربت میں اُسے دفن کرے گا وہی آکر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئے گی اس کو

۷۰
جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم
ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُرنور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
خورشید جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

۷۱
کیا اَوج ہے کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صلِّ علا کا
پانی میں بھی ہے یاں کی مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلّیٰ ہے ولی ابن ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابن علیؑ کا

مطلع دوم ۷۲
لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
وہ فصل خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

۷۳
اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
اے دردِ عطا لذتِ زخمِ جگری کر
اے نیّرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے خوفِ الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے میں حسینؑ ابن علیؑ کے

۷۴
قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسف یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مُفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

۷۵
مجلس کا نہ ہے نور خوشا محفلِ عالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
حیدرؑ کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

۷۶
ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبرؑ کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں
ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہے
پانچ انگلیوں کی طرح سے وہ پنجتنی ہے

۷۷
ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے
حضرتؑ کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غمخوار ہیں میرے
میں اُن کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

۷۸
غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

79

مردم کے لئے واجبِ عینی ہے یہ زاری
ہے وقتِ معین پہ اداطاعتِ باری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رولو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

80

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اُسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اُسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اُسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اُسے جانو
فاقے کئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لئے کیا ظلم سہے ہیں

81

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
کچھ گرمیٔ عاشورہ کا بھی حال سُنا ہے
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگام بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

82

یوں چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
پانی پہ دو دوام گرے پڑتے تھے ہر بار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

83

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
شاہد المِ فاقہ سے ہے زردیٔ رخسار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اختر و سیّار
بے آبی سے اودے تھے لبِ لعلِ گہربار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چوما تھا محمدؐ کی زباں کو

مطلع سوم

84

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں اس میں
وہ دوست ہے یہ دوستِ مروت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

85

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مُسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ میں تو تابوت میں دن کو

86

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم ہے کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

87

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلا فاطمہ زہراؑ کا گل اندام
گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کئے ہفتم سے دہم تک

۸۸
بستی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر　　شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر　　قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربار پیمبرؐ میں گئے ہیں　　رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں

۸۹
منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت　　پھرنے گئی ہے گھر میں سکینہؑ کی محبت
سجادؑ سے کچھ کہتے ہیں اسرارِ امامت　　بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب ہے یہ زیب بدن رخت کہن ہو　　تا بعد شہادت وہی ملبوس کفن ہو

۹۰
خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت　　اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا یہ جانا تھا قیامت　　تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں　　افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

۹۱
حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر　　امت کے لئے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر　　تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے اماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں　　ہے ہے تہِ خنجر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

۹۲
اس عمر میں تھوڑے غمِ جانکاہ اٹھائے　　اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے　　ٹکڑے دلِ شبرؑ کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی　　انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

۹۳
ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا　　دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا　　ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا　　اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

۹۴
ہے ہے تمہیں لے کے میں کہاں چھپ رہوں بھائی　　لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشت پُرآشوب میں قسمت مجھے لائی　　یارب کہیں مرجائے ید اللہ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقتِ جدائی مجھے روئے　　سب کو تو میں روئی ہوں یہ بھائی مجھے روئے

۹۵
زینبؑ کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا　　وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منھ اور وہ بندے کا چمکنا　　حضرت کا وہ بیٹی کی طرح پاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی　　پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

۹۶
وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگا دو　　فرماتے تھے شہ آؤ نہ جانِ پدر آؤ
ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ　　خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھا دو
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو　　ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

۹۷
بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

۹۸
کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں
کچھ ہم سے سُنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

۹۹
غش میں جو سُنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
سر ننگے اُٹھی چھوڑ گئے گھوارۂ بے شیر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیر
چلّائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہ دلگیر
جان تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ خادمہ رخصت کے لئے آتی ہے آقا

۱۰۰
یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہ خوش اقبال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جانکاہ جدائی کا الم ہے
اٹھو بہنیں روح علی اکبرؑ کی قسم ہے

۱۰۱
وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مرے سرتاج
سر پر جو نہ ہوگا پسر صاحب معراج
والی انھیں قدموں کی بدولت ہے مرا راج
چادر کے لئے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی تخت اُلٹ جائے گا میرا

۱۰۲
یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی تھی بہو ہو گئی زہراؑ و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

۱۰۳
چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
شب بھر رہے تکیۂ سر اقدس کا جو بازو
اب ہجر ہے تقدیر ہیں یا سید خوش خو
ہے ہے اُسے اب رسّی سے باندھیں گے جفاجو
سر پہ نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

۱۰۴
حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
دار محن اس دار کو داور نے کہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
ہر چشم سے خون جگر اس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

۱۰۵
سو سو برس اس گھر میں محبت سے رہے جو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خو
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے میں جفا کی نہیں صاحب
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

۱۰۶ لازم ہے خدا سے طلبِ خیر بشر کو
آنا ہے تمہیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
کھولے گا وہ رسی سے بندھے ہاتھ تمہارے
سجاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمہارے

۱۰۷ زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غم خوار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

۱۰۸ یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
غش ہوگئی زینبؑ یہ اُٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

۱۰۹ کچھ پڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کج کی طرف دوشِ یمیں گردنِ انور
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

۱۱۰ یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
ہیں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

۱۱۱ میرے نہیں بندے ہیں ترے اے مرے خالق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق
بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
نے دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علی کی

۱۱۲ میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اُٹھائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی ہیں قدم طوق ہیں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمت کا بھلا ہو

۱۱۳ یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک
میت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک
اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور پہ کچھ خاک
بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

۱۱۴ گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے
لختِ دلِ شبر کدھر اس وقت سدھارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا	۱۱۵	کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا		اونچا ہوا افلاک امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر		غل تھا کہ چلا قطب زماں عرش بریں پر
شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا	۱۱۶	ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسن خدا ساز دکھایا		فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرش بریں پر		غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر
اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر	۱۱۷	حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر		ہیں یوسف کنعان رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے		عالم کے مرقعے میں حسینؑ ایک ورق ہے
واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی	۱۱۸	محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافع محشر نہیں کوئی		یوں سب ہیں مگر سبط پیمبر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویٰ اعجاز کرے گا		کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا
ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا	۱۱۹	سرداری فردوس کا افسر ہمیں بخشا
اقبال علیؑ خلق پیمبرؐ ہمیں بخشا		قدرت ہمیں دی زور ہمیں زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طور تجلّا ہے ہمارا		تخت بن داؤد مصلّا ہے ہمارا
نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج	۱۲۰	قوسین مکاں ختم رسل صاحب معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج		باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدر صفدر نہ نکلتے		بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے
کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے	۱۲۱	کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے		تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایمان تہ صمصام نہ لایا		اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا
اصنام نہ کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے	۱۲۲	طاقت تھی کہ عزیٰ کو کوئی لات سے توڑے
بدکیشوں نے سجدے بھی کئے ہاتھ بھی جوڑے		بے توڑے وہ بت حیدر صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے		نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے
اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں	۱۲۳	جرار پسر حیدر کرار کے ہم ہیں
فرزند محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں		وارث شہ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں		تابوت سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۱۲۴

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ تیغِ علیؑ ہے یہ کمر بندِ حسنؑ ہے
یہ پیرہنِ یوسفؑ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربیؐ کی
یہ مہرِ سلیمانؑ ہے یہ خاتم ہے نبیؐ کی

۱۲۵

دیکھو تو یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرّار کی تلوار
بجلی کی تو یہ بجلی ہے تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

۱۲۶

دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب آگ ہے پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمنِ دیں ہے
تا بیں نہیں غصے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

۱۲۷

سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا وردِ ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا

۱۲۸

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بجز خاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

۱۲۹

محسن سے بدی ہے یہی احسان کا عوض آہ
گمراہ کئے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ
ٹل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا تم قہرِ خدا سے

۱۳۰

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

۱۳۱

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولؐ و دوسرا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے ادھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

۱۳۲

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
آیا غضبِ اللہ کا ہشیار صفوں سے
کب ہاتھی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
عزت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
لو بندۂ زر رہو تو مری ضرب کو دیکھو

۱۳۳

یاں گوشۂ عزلت خسم شمشیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
شہباز اجل صید کو پر تول کے نکلا

۱۳۴

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہ نو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تک و دو نے
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تا کا سپر دہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریلؑ نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

۱۳۵

بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
معلوم ہوا لُٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے

۱۳۶

بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

۱۳۷

افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
گہہ پڑ گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

۱۳۸

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
ندّی ادھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

۱۳۹

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
معشوق نئی سرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دُلہن پھولوں کا گہنا
سیب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

۱۴۰

سر ٹیکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہونچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہونچے
دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اس کی بری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی

۱۴۱

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا

۱۴۲
ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اس کا
ڈر جاتی تھی منھ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گہ صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی

۱۴۳
نیزوں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے
جا پہونچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
منھ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

۱۴۴
پہونچی جو سر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

۱۴۵
چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

۱۴۶
بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

۱۴۷
ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

۱۴۸
شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبر زہرا نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
یہ بحر غضب نام ہے قہر ہے صدا اس کی
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

۱۴۹
اس صف سے گئی بیچ میں اس غول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغ دو سر تول کے نکلے
جو فوج چڑھی منھ پہ اُسے رول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے
دنیا جو بچی روح محمدؐ کا سبب تھا
شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

۱۵۰
لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ اُمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منھ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۱۵۱
فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
دعوت یوں ہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں آ کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر پہ جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

۱۵۲
بھولے نہیں اکبرؑ کی ہیں ہم تشنہ دہانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
وہ چاند سا رُخ وہ قد و قامت وہ جوانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

۱۵۳
یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے
لڑتے ہوئے آ پہونچے ہیں دریا کے کنارے
الفت ہمیں لے آتی ہے پھر پاس تمھارے
عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
اس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

۱۵۴
لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منھ کو چھپائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے
اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

۱۵۵
کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

۱۵۶
کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

۱۵۷
جھک جاتے تھے گرنے پہ جو غش میں شہ ابرار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرؑ دل افگار
منھ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نے پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

۱۵۸
زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا
گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں اب نہیں یارا
آ پہونچا ہے منزل پہ ید اللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

۱۵۹
گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے
کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
حیوان کو بھی دُکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں تجھے درد ہے سب کا

۱۶۰
کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
میں نے تو کسی دن تجھے چمچی نہیں ماری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

۱۶۱
گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے
تلوار لیے گرد ہیں اعدا نہ اتریے
دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

۱۶۲
شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
وہ تو نے کیا ہوتا ہے جو حق رفاقت
نہ ہاتھوں میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

۱۶۳
ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گذرنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہے پدر کا

۱۶۴
اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

۱۶۵
منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحب معراج کے رہوار
زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

۱۶۶
یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا
اک تیر جبیں پر بن اشعب نے لگایا
پیکان سے پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ رہا صبر امام دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

۱۶۷
حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
جو سر پہ لگی تیغ بن مالک بے پیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبط نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجد کوفہ میں علیؑ کا

۱۶۸
بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لب اطہر
بہ آیا لہو تا بہ زنخدان مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

۱۶۹
نیزے کا بن وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بن کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبر خولی خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا

۱۷۰
تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہ ابرار
خوش ہو کے پکارا پسر سعد جفاکار
شور دہل فتح ہوا فوج میں اک بار
اے خولی و شبث و بن ذی الجوشن جرار
آخر ہے بس اب کام امام ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

۱۷۱
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
اک سیدہ نکلی در خیمہ سے کھلے سر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
برقع تھا نہ مقنع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
چلائے لعین خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے

۱۷۲
ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
فرماتی تھیں فضہ جو اڑھا دیتی تھی معجر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یوں ہی جاؤں گی روضہ پہ نبیؐ کے
پردہ تو گیا ساتھ حسین ابن علیؑ کے

۱۷۳
اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا ہے تہی کوتل کدھر اتری ہے سواری
اے سبط نبیؐ! ابن علیؑ! عاشق باری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۱۷۴
اس وقت شہ دیں نے سنی زاری خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمر ستمگر
جس وقت کہ تھا حلق مبارک تہ خنجر
زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دار محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

۱۷۵
منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

۱۷۶
دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچیں تو سناں پر سر شبیر کو دیکھا

۱۷۷
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آل رسول عربی کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

ہے ہے پسر صاحبِ معراج حُسینا گویا کہ علی آج ہوئے قتل حسینا	۱۷۸	پردیس میں بیووں کا لٹا راج حسینا ہے ہے کفن و گور کے محتاج حسینا
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی		لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی
قربان بہن اے مرے سرور مرے سیّد اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سیّد	۱۷۹	ذبح لوحِ قضا کشتۂ خنجر مرے سیّد پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سیّد
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو		کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو
بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیّدِ ذی جاہ	۱۸۰	احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ ید اللہ چھوڑا اب مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی		بھینا کو بخفنا تک بھی نہ پہونچا گئے بھائی
اے میرے شہید اے مرے ماں جائے برادر کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر	۱۸۱	کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
افسان پہ ستم یوں کبھی انسان نہیں کرتا		حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جان نہیں کرتا
خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالق کونین	۱۸۲	لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے اب چین
ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے		بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

رباعی

اب خواب سے چونک وقت بیداری کا ہے

بے زاد و سفر کوچ کی تیاری ہے

مرنے کے بعد پہنچتے ہیں مسافر واں تک ہے

قبر بھی منزل بھی بہت بھاری ہے

مرثیہ

۱
فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے
گل چاک گریباں ہے صبا خاک بہ سر ہے
گل رو صفت غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورت گلدستہ کھڑے ہیں

۲
آراستہ ہیں بہر سفر سرو قبا پوش
یاران وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
عمامے سروں پر ہیں عبائیں بسرِ دوش
حیراں کوئی کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منھ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

۳
عباسؑ کا منھ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویر یداللہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ انس یہ خلق حسنی کون کرے گا

۴
روتے ہیں وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہیں ہم سن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرت شبیرؑ کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

۵
ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
پالا ہے ہمیں شاہ نے ہم جائیں نہ کیوں کر
ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

۶
رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبیؐ کے
روضہ پہ اداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

۷
ہے جب سے کھلا حالِ سفر بند ہے بازار
خاک اڑتی ہے ویرانیِ یثرب کے ہیں آثار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار
ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

۸
تدبیر سفر میں ہیں ادھر سبط پیمبرؐ
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنھیں لے جانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

۹
حاضر در دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
چلّاتے ہیں درباں کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

۱۰
عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلت زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

۱۱
لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہؑ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

۱۲
وہ گھر ہے ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہبان
کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویران
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایمان
بی بی یہ مدینہ کی تباہی کا ہے سامان
ایک ایک شقی دشمن اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

۱۳
اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہووے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جائیں پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

۱۴
گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ
اِن چھوٹے سے بچوں کا نگہباں ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
اِن کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

۱۵
منھ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

۱۶
ان بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
بہنوں ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

۱۷
اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابین لحد سوتی ہے اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

۱۸
ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری
سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
فرماتی تھیں بھائی سے خبردار ہیں واری
غم خوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
نہ باپ ہے سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے

۱۹

یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت
آہستہ یہ فرماتی تھیں باصد غم و حسرت
کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت
شبیرؑ سدھارے جو سوئے وادیٔ غربت
اس دن مری تربت سے نہ منھ موڑیو زینبؑ
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ

۲۰

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیونکر
وہ بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
گھر جائی سے تھا بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر
رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر
جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ

۲۱

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہِ عادل
طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل
چلتی ہے ابھی سرد ہوا وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

۲۲

رخصت کرو ان کو جو کہ ہیں ملنے کو آئے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

۲۳

رخصت کو ابھی قبرِ پیمبر پہ ہے جانا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
اس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

۲۴

سنکر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری
غش ہو گئی ہے فاطمۂ صغرا مری پیاری
میں لٹتی ہوں کیا سفر اور کیسی سواری
بے بس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

۲۵

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینہ میں سنبھلتا
میں تو اسے لے چلتی پہ کچھ بس نہیں چلتا
صاحب مرے دل کو کوئی ہاتھوں سے ہے ملتا
رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دم اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغراؑ کی پڑی ہے

۲۶

چلاتی تھی گھبرا کے بہن آنکھیں تو کھولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلگیر تو ہو لو
کہتی تھی سکینہؑ کہ ذرا منھ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبرؑ نہ ملے گا

۲۷

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہے خواہر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر
اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے	۲۸	بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے		کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے
جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں		دانستہ میں کیونکر اسے لیجاؤں سفر میں
کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوش خو	۲۹	اور سورہ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہراؑ کی جو خوشبو		آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں		کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہے اماں
ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں مری جان	۳۰	جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے سامان
دیکھو تو ادھر روتی ہے بی بی شہ ذی شان		صغراؑ نے کہا ان کی محبت کے میں قربان
وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا		کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا
یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر	۳۱	نے فرش نہ ہے مسند فرزند پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغرؑ		اجڑا ہوا لوگوں نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں		کیا سبط پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں
شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم	۳۲	صغراؑ کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم		پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغراؑ		ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغراؑ
اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار	۳۳	میں پابہ رکاب اور رہو تم صاحب آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں سفر میں جو ہو بیمار		تکلیف تمھیں دوں یہ مناسب نہیں زنہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے		میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے
لوں چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام	۳۴	جنگل میں نہ راحت نہ کہیں نہ راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام		دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے		اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے
صغراؑ نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار	۳۵	پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہ گار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار		تبرید فقط آپ کا ہے شربت دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گذر جائے گی بابا		آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا
کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں	۳۶	اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں		قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغراؑ		یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغراؑ

۳۷
وہ بات نہ ہوگی کہ جو بے چین ہوں مادر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغرؑ
ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے ناقہ کی سواری میں بٹھا دو

۳۸
شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
میں کہہ نہیں سکتا تجھے در پیش ہے جو راہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغراؑ
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغراؑ

۳۹
اے نور بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز صبر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

۴۰
منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موے ہم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغراؑ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؑ

۴۱
صغراؑ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غم خوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

۴۲
ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبرؑ
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر
اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

۴۳
کیا اُن کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
زلفیں جو الجھتی تو سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حال پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

۴۴
مانوس سکینہؑ سے ہیں عباسؑ دلاور
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبّرؑ
میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آ کر
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

۴۵
کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

۴۶
سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے یہ آنسو نکل آئے

۴۷
بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علیؑ اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ
اکبرؑ کو بلاؤ علیؑ اصغرؑ کو بھی لاؤ
رو بیٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

۴۸
پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغراؑ مری تقصیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

۴۹
رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

۵۰
لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو کہیں سامان
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارمان
حق دار ہوں میں نیگ کی میرا بھی رہے دھیان
لے آنا دولھن کو مری تربت پہ میں قربان
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی
حق نیگ کا تم قبر پہ رکھ دیجیو بھائی

۵۱
پیارے مرے بھیا مرے مہ رو علیؑ اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علیؑ اکبرؑ
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علیؑ اکبرؑ
ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علیؑ اکبرؑ
دل سینے میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

۵۲
کیا گذرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤ گے بھائی
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغِ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

۵۳
ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

۵۴
مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخِ بیمار
دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار
سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

۵۵
ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہباں
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
جینے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

۵۶
میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

۵۷
تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
رکھ لوں تمھیں ماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بے کس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

۵۸
معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
صغراؑ کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دن میں گذر جائے گی صغراؑ
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغراؑ

۵۹
عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا
لپٹا کے گلے فاطمہؑ صغراؑ کو دوبارا
چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا
اٹھے شہ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پر نم نظر آئی
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

۶۰
بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار! خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسول دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکوں سے ہوا کے

۶۱
لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو تو اتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
آتا ہو ادھر جو وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریمؑ سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

۶۲
عباسؑ علیؑ سے علی اکبرؑ نے کہا تب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل میں چڑھیں سب
ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینبؑ
حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی جگہ بنت علیؑ ہے
میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

۶۳
پہونچی جو ناقے کے قریں دختر حیدر
فضہؑ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علیؑ اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راست کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

٦٤
اک دن تو دیا تھا یہ سامان سواری
محمل تھا، نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری
اک روز تھا وہ گرد تھے نیزے لیے ناری
بے پردہ تھی وہ حیدر کرار کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

٦٥
زینت دہ محمل ہوئی دختر زہرا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا
ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والا
عباسؑ سے بولے یہ شہ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روح نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبر رسول عربیؐ پر

٦٦
ہے قبر پہ نانا کی مقدم مجھے جانا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لٹے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

٦٧
پیدل شہ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے
تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

٦٨
خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابند مصیبت ہوں گرفتار بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

٦٩
میں اک تن تنہا ہوں ستمگار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

٧٠
فرمایئے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
تیغیں ہیں کہیں سر کے لیے اور کہیں زنجیر
یاں قید کی ہے فکر، وہاں قتل کی تدبیر
خوں ریزی کو کعبہ تلک آپہونچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

٧١
یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخ پاک
جنبش جو ہوئی قبر کو تھرا گئے افلاک
ہلنے لگا صدمے سے مزار شہ لولاک
کانپی جو زمیں صحن مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

٧٢
باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
بے تیغ کیا خنجر غم نے ترے مذبوح
تو شہر میں جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
ہے کشتی امت پہ تباہی کہ چلا نوحؑ
افلاک امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

۷۳
مارا گیا جس روز سے شبّر مرا پیارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا
اس روز سے ٹکڑے ہے کلیجہ مرا سارا
امّت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا
زہراؑ کی جو بستی کو اجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

۷۴
اس ذکر پہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے
واں سے جو اٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ترے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

۷۵
تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ وزاری
کہتے تھے کہ اے احمدؐ مختار کی پیاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
تم پاس ہو تربت سے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

۷۶
میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنت پیمبرؐ
نہ سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر
مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اور اب مرے بچوں کے گلے ہیں

۷۷
پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیرؑ کا مقتل
وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل
وہ نہر فرات اور کئی کوس کا جنگل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہل چل
شبیرؑ کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

۷۸
سن گریہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی
ہاں والدہ سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روح امیں نے

۷۹
پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربتِ شبّرؑ
چلّائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر
اس قبر سے لپٹے یہ محبت شہ صفدر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسر
قبریں بھی جدا ہیں تہ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

۸۰
یہ کہہ کے چلے قبر حسن سے شہِ مظلوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولؐ عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

۸۱
جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یو ماتم
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
تھا رحلت شبّرؑ میں محبوں کا یہی غم
بس آج سے بے والی و وارث ہے مدینہ
اب پنجتن پاک سے خالی ہے مدینہ

۸۲
چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری
آنکھوں سے یتیموں کی دُر اشک تھا جاری
دے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
مضطر تھے ایاہج ضعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا ہم کو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

۸۳
تا ناکے تلک شہر کے ایک شور قیامت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے یہ زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

۸۴
تسکین انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغراؔ کی خبر پوچھتے رہنا

۸۵
روتے ہوئے سب لوگ پھرے شاہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
عابد کی طرف خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

۸۶
روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبرؐ غربا سے
مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خوبو ہے نواسے میں نبیؐ کے

۸۷
کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
اعدا نے گذرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتم ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

۸۸
جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار
قبریں نظر آجاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار
آخر خاک نہ ہووے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

۸۹
احباب کہیں گھر ہے کہیں آپ کہیں ہیں
خالی ہیں مکاں آپ تہِ خاک مکیں ہیں
آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہونچے نہ وطن میں
کیا منھ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

۹۰
باتیں تھیں یہی پاس کی اور دور کی تقریر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوے رہ گیر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیرؑ
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

۹۱
ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ
یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
اک نہر سوا جس میں نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
کیا ملتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ صحرا نہیں ملتا

۹۲
وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
ہے سخت پراندہ وہ صحرا تہِ افلاک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت نہ جنی کی

۹۳
چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند
اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

۹۴
اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات
کیا حال کہوں نہر کا اے شاہِ خوش اوقات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے ہیہات
پانی تو نہیں شور پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ وہاں پانی نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

۹۵
اُس جا نہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

۹۶
اُس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہر دم
اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
غم اور بڑھا وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

۹۷
غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے بیٹھے حرمِ شاہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
فرماتے تھے شہ سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی اللہ کو جو مدِّ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ کل اپنا بھی سفر ہے

۹۸
وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
روتے تھے بہن کے لیے عباسِ خوش اقبال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو کدھر وہ مرے پیارے گئے دونو
فرماتے تھے شبیر کہ مارے گئے دونو

۹۹
محمل تھے سب اس بی بی کی ہودج کے برابر
گھبرائی ہوئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو کون جدا ہو گیا اماں
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں

۱۰۰
اس دن سے تو اک ابر ستم فوج پہ چھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا
کھانا کئی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
جو چاند محرم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہ نو لشکر شبیر میں دیکھا
منہ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

۱۰۱
خویش و رفقا چاند کی تسلیم کو آئے
یہ چاند مبارک ہو ید اللہ کے جائے
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
کفار پہ تو فتح اسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اجالا رہے تیرا

۱۰۲
حضرت پہ دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
سر دینے کا مشتاق ہوں عالم ہے تری ذات
کر رحم گنہ گاروں پہ اے قاضی حاجات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

۱۰۳
پہونچا دے مجھے جلدی سے اے خالق افلاک
طالب ہے ترے قرب کا سبط شہ لولاک
اس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
نہ ملک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

۱۰۴
اتنے میں یہ فضہ علی اکبر کو پکاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری
لو دیکھ چکی چاند ید اللہ کی پیاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری
آئے تو رخ اکبر ذی قدر کو دیکھوں
شکل مہ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

۱۰۵
شہ داخل خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہ کے ماہ
منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت ید اللہ
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہ ذی جاہ
سر تن سے مرا اس مہ پر غم میں کٹے گا
زینب یہ مہینہ تمہیں ماتم میں کٹے گا

۱۰۶
یہ آل نبی کی ہے مصیبت کا مہینا
پہونچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدت کا مہینا
یہ بار امانت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ با خیر جو سر تن سے اتر جائے

۱۰۷
گردوں پہ مہ نو جو نمایاں ہے یہ ہمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکر شبیر
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجہ پہ کوئی تیر
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

۱۰۸
خیمے کو جلا دیں گے لٹے گا زر و زیور
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہو ویں گی مقرر
گھرکیں گے ستمگار جو روے گی سکینہ
اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہ

۱۰۹
دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال
بیٹھے گی کوئی تازہ دلھن کھولے ہوئے بال
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرے لال
معصوموں کی سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

۱۱۰
اس عشرۂ اول میں نہ ہوئیں گے بہن ہم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبؑ پُرغم
تاریخ سفر ہے دہم ماہِ محرّم
جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبرؑ سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمھیں چاند صفر کا

۱۱۱
رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
اکبرؑ کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
بھولیں ہیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

۱۱۲
غش ہو گئی سنکر یہ بیاں زینبؑ پُرغم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم
خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

۱۱۳
اترے اسی میدانِ بلا خیز میں سرور
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بشائی تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمھیں بھائی

۱۱۴
خامے کو بس اب روک انیسِ جگر افگار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
غیر از غمِ شہ اُن کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

رباعی

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل
مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا
اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

رباعی

مرقد میں انیس نہ کفن میں ہوگا
چل کر گلزار کربلا میں ڈھونڈھیں
وہ روضۂ سلطان زمن میں ہوگا
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

رُباعی

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے اس کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نورِ چشمِ کوثر ہیں یہ اشک

رُباعی

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
سردارِ امم مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق
حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

رُباعی

واحد ہے جو عبد نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس
قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

کعبے سے کیا جبکہ سفر قبلۂ دیں نے پائی نہ اماں رازِ الٰہی کے امیں نے	مرثیہ ۱	چھوڑا وہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں نے عزمِ سفرِ مرگ کیا گوشہ نشیں نے
در پئے تھے عدو سبطِ رسولِ عربی کے		مہلت نہ ملی حج کی نواسے کو نبیؐ کے
یارانِ وطن سے بھی چھٹے گھر سے بھی چھوٹے کچھ بس نہ چلا تربتِ شبّرؑ سے بھی چھوٹے	۲	اور فاطمہؑ کے مرقدِ انور سے بھی چھوٹے نانی سے چھٹے قبرِ پیمبرؐ سے بھی چھوٹے
مضطر کیا بے دینوں نے کعبے میں بھی آ کے		راحت نہ ملی شہر میں نہ گھر میں خدا کے
کعبے میں مدینے سے یہ تھے سوچ کے آئے اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے	۳	تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو		اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو
احرام ملک باندھ چکے تھے شہِ ابرار ہیں قافلۂ حاج کے ہمراہ ستمگار	۴	جو کھل گیا احمدؐ کے نواسے پہ یہ اسرار یا قتل کریں طوف میں یا کریں گرفتار
پایا جو تردّد کا محل سرورِ دیں نے		عمرے سے کیا حج کو بدل سرورِ دیں نے
اعمال میں حج کے تو یہ ہے حکمِ خدا کا اللہ کا وہ گھر یہ محمدؐ کا نواسا	۵	پشّہ کو نہ دو عالمِ احرام میں ایذا سیّد کو ستانے کو وہاں آئے تھے اعدا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا		کعبے میں گلا کاٹتے فرزندِ علیؑ کا
مضطر تھے شبِ ہشتمِ ذی الحجہ کو شبیرؑ کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر	۶	تھا قصدِ مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہ گیر اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا		اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا
تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں اس رات بھائی سے بغل گیر ہوئے شاہِ خوش اوقات	۷	کی آکے جو ابنِ حنفیہؑ نے ملاقات کی عرض محمدؐ نے کہ اے قبلۂ حاجات
کوفے کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے		مکے میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا مکاں ہے
ہیں آپ ہی اب وارثِ موریتِ حیدر کعبے سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر	۸	حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر اندیشہ ہے کچھ رنج نہ پہنچائیں ستمگر
ان لوگوں کو مطلق نہ حمیت نہ حیا ہے		ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے
حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منوّر	۹	تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر سن سن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستمگر
اس شمع کو بھی گُل نہ کریں مجھکو یہ غم ہے		اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

کیا والد ماجد نے ستایا تھا کسی کو راحت نہ ملی کوفہ میں داماد نبیؐ کو	۱۰	دولت سے نہ دنیا سے علاقہ تھا علیؑ کو بے جرم کیا قتل محمدؐ کے وصی کو
کیونکر کہیں حضرت سے برائی نہ کریں گے		سادات کے دشمن ہیں بھلائی نہ کریں گے
حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانا میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانا	۱۱	بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا اب تو ہے مدینے میں نہ مکے میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی		حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی
کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہے چھڑاتا	۱۲	باہر کبھی روضے سے محمدؐ کے نہ جاتا میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے		ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے
اس امر کے درپے ہے یزید ستم ایجاد ڈرتا ہوں یہاں قتل کریں گے مجھے جلاد	۱۳	باقی رہے دنیا میں محمدؐ کی نہ اولاد حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
کعبے سے میں نکلوں یہ گوارا مجھے کب ہے		ناچار ہوں دوری کا سبب پاس ادب ہے
تھا قصد کہ ہوں معتکفِ خانۂ معبود جاتا ہے کوئی چھوڑ کے کب منزل مقصود	۱۴	افسوس رہ امن اماں ہو گئی مسدود پر کیا کہوں رہنے نہیں دیتے مجھے مردود
بس اور حرم خالقِ اکبرؑ سے نکلتا		اس گھر سے حسینؑ ابن علیؑ مر کے نکلتا
ابن حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت واں آپ کے والد کی ہے شیعوں کی سکونت	۱۵	گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت وہ لوگ ہیں سب اہل وفا اہل مروت
کیجیے گا سرافراز تو قدموں پہ گریں گے		پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے
بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ تکلیف بیاباں میں سہو رنج اٹھاؤ	۱۶	شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ پر بہر خدا کوفہ کی سرحد میں نہ جاؤ
بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں		اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں
فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا	۱۷	چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہراؑ کے پسر کا اب کا یہ سفر مجھکو وسیلہ ہے ظفر کا
گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر		پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر
یہ سن کے محمدؐ نے کیا اور بھی اصرار شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار	۱۸	جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ اک بار
جانا ہے تو ایذا کو بھی سہہ جائے گا شبیرؑ		رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؑ

۱۹
گھر اپنے محمدؐ تو گئے سن کے یہ گفتار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار
گذری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار
تھا شور کہ اب دیکھئے کب آتے ہیں شبیرؑ
کعبے سے مع اہل حرم جاتے ہیں شبیرؑ

۲۰
چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبرؐ
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالقِ اکبرؑ
فریاد سوئے کعبہ یہ کی ہاتھ اٹھا کر
اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسّر
پاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

۲۱
بچے مرے ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندے کی نظر ہے
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہر حال میں سایا ترے سر پر ہے ہمارا
ہم پاس ہیں تیرے ترا دل گھر ہے ہمارا

۲۲
کعبے کی جدائی سے عبث ہوتا ہے مضطر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبطِ پیمبرؐ!
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
ایک ایک قدم میں ہے ثواب حج اکبرؑ
الفت ہمیں تیری ہے تجھے چاہ ہماری
یہ گھر ہے تمھارا تو وہ ہے راہ ہماری

۲۳
یہ سُن کے بڑھایا شہِ مظلوم نے رہوار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار
جو آئے پھر ابن حنفیہ بدل زار
اس جلدی کے جانے کا سبب کیجئے اظہار
میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولاؑ

۲۴
لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت
لیکن مجھے نیند آ گئی جب تم ہوئے رخصت
فرمایا کہ تھا رات تلک قصد اقامت
رویا میں میسّر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گل روئے محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک سے گیسوئے محمدؐ

۲۵
رو کر یہ کہا میں نے کہ یا شاہ خوش اقبال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال
بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سر انجام کہاں ہے
جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے

۲۶
افسوس مرے روضے پہ بھی رہنے نہ پایا
تو کعبہ میں جس دن سے مجھے چھوڑ کے آیا
تجھ کو نہیں آزردہ کیا مجھ کو ستایا
دل میں نے بھی مرقد کی اقامت سے اٹھایا
ممکن نہیں فرقت میں تری صبر نبیؐ سے
گھر تجھ سے چھٹا اور چھٹی قبر نبیؐ سے

۲۷
آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے
میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آئے گا کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

۲۸	ہے تیری شہادت ترے معشوق کو منظور حیدر کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا	تا عاشق صادق رہے تو خلق میں مشہور تجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور عزت مری امت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا
۲۹	منھ پیٹ لیا سن کے محمدؐ نے یہ تقریر ناموس کو چھوڑو یہیں اے حضرت شبیرؑ پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو	اور رو کے کہا گر یہی ہے خواہش تقدیر حرمت سے حرم میں یہاں ہی رہے صاحب تطہیر ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتار بلا ہو
۳۰	زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار سنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر	تھرا گیا دل رونے لگے سیّد ابرار محمل سے محمدؐ کو پکاری بدلِ زار بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر
۳۱	رہنے کی نہیں حیدر کرار کی جائی نانا کے بھی روضے سے ہوئی مجھ کو جدائی ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو	بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی مر جاؤں گی بچھڑے گا جو مجھ سے مرا بھائی تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو
۳۲	اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینہ سے مجھے کام میں یاں نہ رہوں گی مرے رہنے کا نہ لو نام بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اُن کا دیا ہے	وہ شہر ہے جس بن میں ہو زہراؑ کا گل اندام بھائی سب مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے
۳۳	رخصت کو بقیعہ میں گئی تھی جو میں سہ پہر آواز یہ آتی تھی کہ اے زینبؑ مضطر اچھے نظر آتے نہیں آثار سفر کے	اور روتی تھی اماں کی میں تربت سے لپٹ کر جلادوں کی سرحد میں چلا ہے مرا دلبر تو ساتھ ہی رہنا مرے مظلوم پسر کے
۳۴	یہ کہہ کے جو روئی اسد اللہ کی پیاری حضرت نے کہا بھائی سے باگریہ و زاری لٹ کر سر شبیرؑ تو نیزے پہ علم ہو	ابن حنفیہ کے بھی آنسو ہوئے جاری بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضی باری پیچھے کھلے سر فاطمہؑ اہل حرم ہو
۳۵	یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں ہے اُس کی جدائی سے عجب درد جگر میں روئے تو مرے سر کی قسم دیجیو بھائی	پر فاطمہؑ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجر پدر میں بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی
۳۶	صغرا کا سنا نام تو بانو یہ پکاری بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمھاری راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہے کبرا	کہہ دیجو کہ مادر تمھیں بھولی نہیں واری اصغر مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری جب ذکر ترا ہوتا ہے تب روتی ہے کبرا

۳۷
ماں صدقے نہ تم آپ کو کڑھ کڑھ کے گھلانا
بابا کے لئے چھوڑ نہ دینا کہیں جانا
ہمجولیوں کو پاس محلے سے بلانا
رو بیٹھوں گی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
ایام جدائی بھی گزر جائیں گے بیٹی
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گی بیٹی

۳۸
سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
تھا حاجیوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر
چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیرؑ
کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں رہگیر
کیا نور ہے چہرہ پہ ہر اک غنچہ دہن کے
یہ پھول ہیں سب فاطمہؑ زہرا کے چمن کے

۳۹
نایاب جہاں تھے یہ جوانانِ گل اندام
افسوس یہ نازک بدن اور گرمی کے ایام
سو باغیوں کے ہاتھ سے ملتا نہیں آرام
ہے موردِ آفاتِ خزانِ گلشنِ اسلام
کیوں لالہ صفت داغ ہر اک دل پہ نہ پڑ جائے
اس طرح کا جب پھولا پھلا باغ اجڑ جائے

۴۰
گھر چھوڑ کے جنگل کو چلا شہر کا والی
تھا سایۂ حق سایۂ شاہنشہِ عالی
بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا خالی
شیعوں پہ تباہی ستم ایجادوں نے ڈالی
بھولیں گے نہ اشفاقِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے
پائیں گے کہاں ہائے نواسے کو نبیؐ کے

۴۱
ہر سمت سے جوں جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت
ہر اک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت
گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت
تم سب سے بھی شبیرؑ کی ہے آخری رخصت
اپنوں سے چھٹا حال نہ کیوں غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

۴۲
بستی سے گئے جب کئی فرسخ شہِ ذی جود
کی عرض کہ اے راہ روِ جادۂ مقصود
رستے میں زرارہ بنِ صالح ہوا موجود
جاتے ہو کہاں چھوڑے ہوئے خانۂ معبود
کوفے کا ہے گر قصد تو پھر جائیے حضرت
ڈرتا ہوں کہ اعدا ہیں نہ گھر جائیے حضرت

۴۳
واں ہو چکے ہیں جمع کئی لاکھ ستمگر
ہیں تشنۂ خوں آپ کے یا سبطِ پیمبرؐ
اطراف و جوانب سے چلے آتے ہیں لشکر
ملعونوں کے تیغ و تبر و نیزہ و خنجر
کوفے میں یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
شمر آیا سناں آیا حر آیا عمر آیا

۴۴
چڑھتی ہیں ادھر چرخ پہ تلواروں کی دھاریں
ایسے نہیں وہ لوگ کہ سر آپ پہ واریں
بہتر ہے کہ اس سمت کو حضرت نہ سدھاریں
ہے شور کہ آئے تو نبیؐ زادے کو ماریں
فوجوں کی بھی آمد سحر و شام ہے مولا
یہ آپ کی دعوت کا سرانجام ہے مولا

۴۵
فوج آپ کی مجھ کو نظر آتی ہے بہت کم
شہزادوں کے سن چھوٹے ہیں اے قبلۂ عالم!
گردے ہیں کئی کوس کے ہے لشکرِ اظلم
جانے کو ادھر جنگ کا ساماں ہے مقدم
انصار بھی لشکر سے نکل جائیں گے اکثر
جاتے تو ہیں پر وقت پہ ٹل جائیں گے اکثر

۴۶ حضرت نے کہا راست یہ سب تیرا بیاں ہے
اس شہر میں ایک ایک مرا دشمنِ جاں ہے
جو اُن کے دلوں میں ہے وہ سب مجھ پہ عیاں ہے
کچھ غم نہیں واں جمع اگر فوج گراں ہے
سر اپنا تہِ تیغ میں دھرنے کو چلا ہوں
لڑنے کو میں جاتا نہیں مرنے کو چلا ہوں

۴۷ ساتھ آئے ہیں جتنے مجھے یہ بھی نہیں درکار
پر اپنے عزیزوں کی محبت سے ہوں ناچار
اُن کا نہیں طالب جو ہیں دنیا کے طلبگار
پھر جائیں جو یہ بھی تو میں ہو جاؤں سبکبار
پر مجھ کو یقیں ہے کہ کنارا نہ کریں گے
آئے ہیں مرے ساتھ مرے ساتھ مریں گے

۴۸ گو کم ہیں پہ وہ اہل وفا ہیں مرے یاور
مقدادؓ ہے کوئی کوئی سلمانؓ کوئی بوذرؓ
دنیا سے گئے جن کی تمنا میں پیمبرؐ
جرأت میں ہے ایک ایک پہ از مالکِ اشتر
جو غم میں مرے نالہ و فریاد کریں گے
اُن کو بھی بہت اہل جہاں یاد کریں گے

۴۹ اک شیر مرا ابن مظاہر سا ولی ہے
وہ سعد وفادار سعید ازلی ہے
جس غازی کی تلوار ہزاروں میں چلی ہے
عامر سا جواں یاورِ فرزندِ علیؑ ہے
اس طرح کے جرار کسی فوج میں کم ہیں
نام اُن کے مرے ساتھ شہیدوں میں رقم ہیں

۵۰ اور میرے عزیزوں میں جو یہ لڑکے ہیں دو چار
ہرچند کہ دیکھی نہیں چلتے ہوئے تلوار
کھل جائیں گے ان شیروں کے جوہر دمِ پیکار
پر ان پہ ظفریاب نہ ہوویں گے ستمگار
پیدل مرے لشکر کا سواروں سے لڑے گا
بچہ مرا ایک ایک ہزاروں سے لڑے گا

۵۱ رو رو کے زرارہ نے یہ کی عرض کہ سرور
اُس سے کہا دو انگلیاں سرور نے اٹھا کر
تھوڑے سے جواں لاکھوں سے ہوتے نہیں سربر
لے دیکھ تو رتبہ مرا اور قامتِ داور
کیا دیکھا کہ در کھل گئے ہیں ساتوں فلک کے
اترے چلے آتے ہیں پرے فوجِ ملک کے

۵۲ نورانی عبائیں ہیں سفید اُن کی ہے پوشاک
ہاتھوں میں تو نیزے ہیں تہِ راں توسنِ چالاک
اور حسن میں مہتاب سے روشن ہے رخِ پاک
تلواریں حمائل ہیں تو چہرے ہیں فرحناک
غل ہے کہ بہت فوج ہے کم سبطِ نبی کی
ہاں جلد کرو چل کے کمک ابنِ علیؑ کی

۵۳ لکھی ہے زرارہ بن صالح نے روایت
جز حق نہ شمار اُن کا تھا ممکن کسی صورت
اک دم میں ہوئی فوج ملایک کی یہ کثرت
اس وقت زرارہ سے یہ کہنے لگے حضرت
یاور مرے دیکھے مرے غمخواروں کو دیکھا
کیوں سیدِ بیکس کے مددگاروں کو دیکھا

۵۴ پھر کہنے لگے ہنس کے زرارہ سے یہ سرور
چاہوں تو کروں جنگ میں اس فوج سے چل کر
خالق کی عنایت سے یہ ساماں ہیں میسر
کس زیست پہ ہو طالبِ جمعیتِ لشکر
خود ہے مجھے منظور کہ سر تن سے جدا ہو
تا مغفرتِ امتِ محبوبِ خدا ہو

جب تک مرا سر کٹ کے جدا ہوگا نہ تن سے	۵۵	جب تک میں نہیں رہنے کا محروم کفن سے
جب تک مرے بچے نہیں بندھنے کے رسن سے		جب تک کہ یہ بھائی نہیں چھٹنے کا بہن سے
جب تک شہِ مظلوم مرا نام نہ ہوگا		اُمت کی شفاعت کا سرانجام نہ ہوگا
یہ کہہ کے زرآرہ سے چلے سرورِ ذی شاں	۵۶	جو آئی پرا باندھے ہوئے فوج نبی جاں
سردار نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں		ہم شیعہ ہیں بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
ہم آپ کو لڑنے کے لیے جانے نہ دیں گے		فرزند یداللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے
کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی	۵۷	مولاؑ نے غلاموں کی نہ کیوں فوج بلائی
کون ایسے ہیں سرکش انھیں کچھ شرم نہ آئی		کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جنگ اُن سے کریں دیجیے ہمیں حکم وغا کا		جو آپ کا دشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا
شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں	۵۸	وہ امت احمدؐ ہیں میں کیا اُن کو ستاؤں
غیر ان کو جو سمجھوں تو بلانے پہ نہ جاؤں		سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اٹھاؤں
تلواریں بغیر اُن کے مرے خوں میں بھرے کون		قتل انکو کرو تم تو مجھے قتل کرے کون
تم لوگوں کے ہاتھوں جو گرفتار ہوں وہ سب	۵۹	پھر رسّی سے کس طرح کسے بازوئے زینبؑ
شبیرؑ کو ہے مرضیِ اللہ سے مطلب		بے جرم قصاص اُن سے گوارا ہے مجھے کب
کیوں کر انھیں برباد کروں حجتِ حق ہوں		لازم ہے مجھے رحم کریں رحمتِ حق ہوں
حق تم کو جزا دیوے کرو جاکے اب آرام	۶۰	جاتا ہوں سوئے ماریہ میں بیکس و ناکام
عاشور محرم کو ہو جب عصر کا ہنگام		داں آئیو کھل جائے گا اس کوچ کا انجام
جانا ہے یہاں سے وہیں اس کشتۂ غم کو		اُس وقت نہ آئے تو نہ پھر پاؤگے ہم کو
جنات یہ سنکر گئے کرتے ہوئے زاری	۶۱	اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؐ کی سواری
یوں جاتا تھا وہ قافلۂ عاشقِ باری		جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری
پڑتی تھی یہ گرمی کے مسافر تھے قلق میں		ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؑ کے پھول عرق میں
از بس متحمل تھے نہ گرمی کی تعب کے	۶۲	سونلا گئے تھے رنگ جوانانِ عرب کے
خیمے کی نگہبانی کو جاگے ہوئے شب کے		شاہِ دوجہاں پیار سے منہ تکتے تھے سب کے
میداں تھا کف دست نہ سایہ نہ شجر تھا		ملتے تھے کنوئیں خشک مصیبت کا سفر تھا
کعبے سے ہوا کوچ جو سلطانِ زمن کا	۶۳ مطلع دوم	ایک ایک قدم سامنا تھا رنج و محن کا
غم تھا شہِ مظلوم کو یارانِ وطن کا		گرمی سے عجب حال تھا زہراؑ کے چمن کا
کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایا نہ شجر تھا		لو چلتی تھی اور دھوپ تھی بیتاب جگر تھا

۶۴
یہ دھوپ کی حدت تھی کہ تھے کوہ دہکتے
تھے گودیوں میں ماؤں کے معصوم بلکتے
چنگاریوں سے ریت کے ذرے تھے چمکتے
اور ماتھے سے قطرے تھے پسینے کے ٹپکتے
آرام سواری میں نہ لیتی تھی سکینہؑ
کرتے سے ہوا چہرے کو دیتی تھی سکینہؑ

۶۵
کہتی تھی کہ جھ تک کوئی بابا کو بلا دو
گرمی سے مرا جاتا ہے اصغرؑ کو ہوا دو
اماں مرا دم گھٹتا ہے پردے کو اٹھا دو
خشکی سے نہ ہل جائے گلا دودھ پلا دو
وہ کہتی تھیں گرمی سے لہو گھٹ گیا واری
ہے دودھ کہاں دودھ بھی تو ہٹ گیا واری

۶۶
ہے سرد ہوا کے لئے جاں تن میں ترستی
ویرانہ ہے کوسوں نظر آتی نہیں بستی
جلتی ہے زمیں چرخ سے ہے آگ برستی
نزدیک ہے ہو جائے خزاں گلشن ہستی
واقف تھے کبھی کا ہے کو اس رنج و محن سے
کس فصل میں قسمت نے نکالا ہے وطن سے

۶۷
گرمی کی اسی طرح اٹھاتے ہوئے ایذا
جو کوفے سے اک مردِ مسافر ہوا پیدا
طے منزلیں کرتے تھے شہِ یثرب و بطحا
مستفسر حال اس سے ہوئے سید والا
دل ٹکڑے ہوا سینے میں اس خستہ جگر کا
رونے لگا منہ دیکھ کے زہراؑ کے پسر کا

۶۸
رو کر کہا اے حیدر کرار کے جانی
جس دم یہ سنا شہ نے مسافر کی زبانی
کیا عرض کروں قتل ہوئے مسلم و ہانی
آنکھوں سے بہے اشک جگر ہو گیا پانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا
منزل پہ نہ پہونچے کہ پیام اجل آیا

۶۹
آنکھوں میں بھرے اشک پھرے سید والا
مظلومی پہ مسلم کے جو ٹکڑے ہوا کلیجا
اونٹوں کو بٹھا کر وہیں خیمہ کیا برپا
بھرتے تھے دم سرد شہِ یثرب و بطحا
افسردہ تھے دل زرد تھے منہ پیر و جواں کے
لشکر میں اداسی تھی شہ کون و مکاں کے

۷۰
ظاہر نہ ہوا تھا ابھی ہرچند یہ ماتم
کرتی تھی بیاں زوجۂ مسلم یہی پیہم
چھایا تھا ہر اک بی بی پہ ابرِ الم و غم
کیا ہے کہ رندھی جاتی ہوں گھٹتا ہے مرا دم
کیا دیکھئے وارث کی خبر آتی ہے لوگو
کچھ آج ردا سر سے گری جاتی ہے لوگو

۷۱
ماں پاس کھڑی مسلم مظلوم کی پیاری
وسواس مجھے آتا ہے باتوں سے تمہاری
کہتی تھی کہ آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
کل آئے گی لینے ہمیں بابا کی سواری
گھبراتی ہو کیوں ہوش مرے کھوتی ہو اماں
لینے کا جو وقت آیا تو تم روتی ہو اماں

۷۲
واں شہ نے رفیقوں کو بلا کر یہ سنایا
مسلم کا بھی سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھایا
بیعت سے مری کوفیوں نے ہاتھ اٹھایا
میں پھر کے نہیں جانے کا آیا تو اب آیا
اب شب کو چلا جائے وہ گھر جانا ہو جس کو
اب ساتھ وہی دے مرا مرجانا ہو جس کو

۷۳
یہ سنتے ہی رونے لگے مسلم کے جو دلدار
سر کھول کے پیٹنے حرمِ احمدِ مختار
اسلام کے لشکر میں تلاطم ہوا اک بار
تھا شور کہ آفت میں پھنسے احمدِ مختار
کوفے میں بلا کر یہ دغا کرتے ہیں اعدا
اب دیکھیں نبی زادے سے کیا کرتے ہیں اعدا

۷۴
مسلم کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر
ہاتھ کہیں خیمے کہیں پایں کہیں بستر
چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
باقی تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تاشام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

۷۵
جب واں سے نمازِ سحری پڑھ کے چلے شاہ
وارد ہوئے اک دشتِ بلاخیز میں ناگاہ
مسلم کو حرم روتے چلے جاتے تھے ہمراہ
چلنے سے رُکا واں فرسِ سرورِ ذی جاہ
فرمایا کہ کیا جائیے یہ کون سی جا ہے
ہاتف نے صدا دی کہ یہی دشتِ بلا ہے

۷۶
یہ سنتے ہی رہوار سے اترے شہِ والا
مانع ہوئے یک بار پرا باندھ کے اعدا
اور چاہا کہ برپا کریں خیمہ لبِ دریا
حضرت نے کہا خیر جو کچھ مرضیِ مولا
جو ہم پہ جفا ہوگی رہِ حق میں سہیں گے
ساحل سے کنارہ کیا ریتی پہ رہیں گے

۷۷
فرما کے یہ میداں میں فروکش ہوئے آخر
کمریں بھی ابھی کھول چکے تھے نہ مسافر
روتے تھے حرم چپ تھے شہِ صابر و شاکر
فوجوں کے نشاں دور سے ہونے لگے ظاہر
زینبؑ سے کہا ہم سے عدو پھر گئے بھینا
نرغے میں ستم گاروں کے ہم گھر گئے بھینا

۷۸
تاریخ چھٹی تھی کہ ہوا غلغلہ اک بار
خولی و حصین شمر و سنان اشعبِ غدار
لشکر لیے آیا عمرِ سعد ستم گار
اک ایک کے ہمراہ ہزاروں تھے جفا کار
مقتل میں لکھا ہے کہ چھ لاکھ اہلِ ستم تھے
اور یاورِ فرزندِ نبیؐ سو سے بھی کم تھے

۷۹
کفار میں کس طرح سے گھر جاتے نہ حضرت
اس فوج میں فوجِ قطبِ اوجِ امامت
قلت اِدھر ایسی اُدھر اس طرح کی کثرت
آتی ہے نظر نقطۂ پرکار کی صورت
حلقے میں نبیٔ فاطمہؑ کو گھیر لیا تھا
بے وجہ نبی زادے سے منہ پھیر لیا تھا

۸۰
ہفتم سے محرم کی تو پانی بھی ہوا بند
تھی فاطمہؑ کے مہر میں وہ نہر بھی ہر چند
فرزندِ پیمبرؐ کے تڑپنے لگے فرزند
غاصب نہ ہوئے پانی کے دینے پہ رضامند
حق اپنا محمدؐ کے نواسے نے نہ پایا
اک پانی کا قطرہ کسی پیاسے نے نہ پایا

۸۱
چوبیس پہر پیاس میں بچوں نے گزارے
آخر ہوئی جب دسویں شب اور چھپ گئے تارے
ہچکی علی اصغر کو لگی پیاس کے مارے
شہ رن کو نمازِ سحری پڑھ کے سدھارے
واں جاتے ہی تیغوں سے قلم ہو گیا لشکر
تھا ایک تو کم اور بھی کم ہو گیا لشکر

۸۲
تا ظہر نہ عباسؑ رہے اور نہ اکبرؑ
ڈیوڑھی پہ بہن روتی تھی واں روتے تھے سرورؑ
کوثر پہ گئے چھوڑ کے گہوارۂ اصغرؑ
باراں کی طرح تیر ستم پڑتے تھے تن پر
تنہا تھے مگر منھ نہ ہزاروں سے پھرا تھا
تلواروں میں وہ فاطمہ کا چاند گھرا تھا

۸۳
تنہائی تھی مظلومی تھی تشنہ دہنی تھی
پیشانی بھی مجروح تھی چھاتی بھی چھنی تھی
آفت تھی مصیبت تھی غریب الوطنی تھی
کیا جان پہ احمدؐ کے نواسے کے بنی تھی
کرتے تھے طلب خیمے تلک جانے کی رخصت
ملتی تھی سکینہؑ سے نہ مل آنے کی رخصت

۸۴
اس حال میں جب عصر کا وقت آگیا ایک بار
منھ پھیر کے کیا دیکھتے ہیں سید ابرار
اک گرد ہوئی دامنِ صحرا سے نمودار
پھینکے ہوے گھوڑوں کو چلے آتے ہیں اسوار
سرخ آنکھیں ہیں کف منھ میں ہے غصہ میں بھرے ہیں
سب ہاتھوں کو تلواروں کے قبضوں پہ دھرے ہیں

۸۵
سردار یہ کہتا ہے غضب ہو گیا یارو
چھوڑو نہ اب ایک ایک کا سر تن سے اتارو
آقا مرا مارا گیا تم بھی اُنھیں مارو
یہ لاشیں ہیں شہزادوں کی اِن پر مجھے وارو
حیدرؑ سے بھی شرمندہ مجھے کر گئے شبیرؑ
آنے میں مرے دیر ہوئی مر گئے شبیرؑ

۸۶
حضرت نے سنی زعفر جن کی جو یہ تقریر
زعفر کو پکارے کہ نہ کھینچے کوئی شمشیر
گھبرا گئے اُمت کے لیے حضرتِ شبیرؑ
میں تو ابھی جیتا ہوں کچھ ان کی نہیں تقصیر
غصہ میں نہ آ تجھ کو قسم روح علیؑ کی
رحم اُن پہ ہے لازم کہ یہ امت ہے نبیؐ کی

۸۷
اِن کے لیے عباسؑ سے بھائی کو گنوایا
صد شکر کہ اِن پر مجھے غصہ نہیں آیا
اِن کے لیے ہاتھ اکبرؑ و اصغرؑ سے اُٹھایا
میں نے تجھے لڑنے کے لیے تھا نہ بلایا
اس وقت بھی تجھ سے مری طاقت ہے زیادہ
پر بیٹوں سے اُمت کی محبت ہے زیادہ

۸۸
یہ سنتے ہی رو رو کے گرا قدموں پہ زعفر
کچھ کام لیا مجھ سے نہ یا سبطِ پیمبرؐ
کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے مرے سرور
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
کام آئے گا مجھ بیکس و بے آس پہ رونا
جب پیجیو پانی تو مری پیاس پہ رونا

۸۹
جب حکم امامِ دوجہاں سے ہوا لاچار
پھر اور بھی جن پھاڑ گریباں بہ دلِ زار
سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفرِ دیں دار
چلاتے تھے سب ہے ہے خلفِ حیدرِؑ کرار
آقا تری اس صبر و شکیبائی کے صدقے
اے سبطِ پیمبرؐ تری تنہائی کے صدقے

۹۰
گھر پہنچا تو زعفر نے کہا تخت اُٹھاؤ
پوشاک سیہ لا کے مجھے جلد پنھاؤ
اب فرش کہاں کا صفِ ماتم کو بچھاؤ
سب ہائے حسینا کہو اور خاک اُڑاؤ
ہر غم سے غمِ سرورِ عالم ہے زیادہ
ماتم سے سلیماں کے یہ ماتم ہے زیادہ

۹۱ ماتم کی خبر مادر زعفر نے جو پائی
پوچھا کہ ہوا کیا صف ماتم جو بچھائی
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہرا کی کمائی
گھیرا ہے ستم گاروں نے فرزند علی کو
چھوڑ آیا ہوں تیروں کے تلے سبط نبی کو

۹۲ سر پیٹ کے ماں زعفر جن کی یہ پکاری
واجب ہے تجھے سید کونین کی یاری
تو نے پسر فاطمہ پہ جان نہ واری
عزت نہ رہی آگے پیمبر کے ہماری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیونکر
منہ فاطمہ زہرا کو دکھاؤں گی میں کیونکر

۹۳ حیدر کے ترے باپ پہ کیا کیا نہیں احسان
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قرباں
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولت ایماں
شکل جو پڑی دم میں اسے کر دیا آساں
فرزند پہ آج اس کے بڑا وقت پڑا ہے
تو سایہ میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے

۹۴ باپ آج ترا ہوتا تو چین اس کو نہ آتا
فرزند پیمبر کے عوض برچھیاں کھاتا
اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
جو اہل وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا
یوں چھوڑ کے آقا کو نہ گھر جاتے ہیں بیٹا

۹۵ رو کر کہا زعفر نے میں لڑنے کو تھا تیار
حکم شہ کونین سے میں ہو گیا لاچار
فرمایا مدد ابن علی کو نہیں درکار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے
امت پہ تو وہ ہاتھ اٹھانے نہیں دیتے

۹۶ اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
میداں میں سلامت ہو جو وہ دین کا سلطاں
ایسا نہ ہو سر رن میں کٹا دیں شہ ذی شاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شیر الٰہی کے جگر پر
میں نے تجھے صدقے کیا زاہرا کے پسر پر

۹۷ یہ سنتے ہی مقتل میں وہ کہتا ہوا آیا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
زندہ مجھے دکھلا یئو پھر شہ کو خدایا
اس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سرکاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

۹۸ خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بیتاب
خالق سے دعا مانگ یہ بادیدۂ پر آب
جاری عوض اشک ہوا چشم سے خوں ناب
سر سبز رہیں فاطمہ کے لال کے احباب
کچھ غم نہ انھیں جز غم شاہ شہدا ہو
محتاجوں کو راحت ہو مریضوں کو شفا ہو

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے رُخ سب سے پھرا کے منھ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

رباعی

احباب لحد تک نہ پہونچائیں گے کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل تب عقدہ کشائی کو اِمام آئیں گے

رباعی

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا نہ شرع چڑھی کوئی نہ پردا اُترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جس کو دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

رباعی

کفّار کا لشکر لب دریا اُترا جو مالک کوثر تھا الگ جا اُترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اترے شبیرؑ غل تھا کہ زمیں پہ عرش اعلیٰ اترا

رباعی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زبان تلوار ضروری ہے سپاہی کے لیے

رباعی

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیس رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

مرثیہ ۱

سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے
آرام گاہ جانِ محمدؐ قریب ہے
جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

۲

ہے شورِ آمد آمدِ شاہِ فلک سریر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
حضرت کی پیش کش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا اٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

۳

شقے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا
اتراتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
ہر پرگنے سے ہے طلب لشکرِ جفا
لیتا ہے جائزہ عمرِ سعدِ بے حیا
غل ہے کریں گے قتل جو زہراؑ کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

۴

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
ہوتے ہیں پیش تیروں کے دستے کئی ہزار
ہے جا بجا درستیِ اسبابِ کارزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

۵

وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے شاد شاد
بہتے ہیں اشک جوش پہ ہے بحرِ اتحاد
ہے آرزو کہ جلد ملے گوہرِ مراد
لب پر اسی کا ذکر ہے دل میں اسی کی یاد
معشوق کے سوا کوئی پیشِ نظر نہیں
یہ شوقِ وصل ہے کہ کسی کی خبر نہیں

۶

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
سنولا گئے ہیں رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
توسے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

۷

چلتی ہے یوں حرارتِ خورشید سے دوچند
جھیلوں میں ہیں درندہ درختوں پہ ہیں پرند
مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
ہے دھوپ میں رسول کا فرزندِ ارجمند
غربت میں بے کسی ہے شہِ دیں پناہ پر
سایا ہے آفتاب کا زہراؑ کے ماہ پر

۸

وہ دن ہیں جن دنوں نہیں کرتا کوئی سفر
رنج مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشک بار اٹے ہیں غبار سے

۹

اہلِ حرم ہیں محمل و ہودج میں بیقرار
بانوؑ پکارتی ہے کہ یا شاہِ نامدار
معصوم پانی مانگتے ہیں رو کے بار بار
گرمی سے جاں بہ لب ہے مرا طفلِ شیرخوار
کیونکر یہ دکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

۱۰
چلّاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
باباسے کہدو اب کہیں خیمہ کریں بپا
محمل میں گھٹ گئی مجھے گودی میں لو ذرا
ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

۱۱
جب طے ہوئی وہ منزل آفت قریبِ شام
اکبرؑ نے آن کر کیا پردے کا اہتمام
اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا قیام
ناقوں سے اترے آلِ نبیؐ باصد احترام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
دل رُند گئے تھے چاند سے چہرے اداس تھے

۱۲
اترے رفیق خاص قریبِ خیامِ شاہ
نکلا حرم سے حضرتِ خیرالنساؑ کا ماہ
کچھ فاصلہ سے گرد فرو کش ہوئی سپاہ
کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
ہر نخل غیرتِ شجرِ طور ہوگیا
صحرا خدا کے نور سے معمور ہوگیا

۱۳
اس دن بہت اداس تھا زہراؑ کا یادگار
صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار
زردی تھی رُخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی
اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

۱۴
یہ کہہ کے رو رہے تھے شہ دیں کہ ناگہاں
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہاں
ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
تم جلد اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان
تشویش ہے رسولِ خداؐ کے حبیب کو
کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

۱۵
جلدی چلے یہ سنتے ہی حکمِ شہِ انام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام
پاس اُس کے جاکے آپ نے کی سبقت سلام
عباسؑ نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے ادھر ہم بھی جاتے ہیں
اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

۱۶
دیکھا جو رعب و دبدبۂ شوکت و جلال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال
دستِ ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
عباسؑ نے کہا کہ رسولِ خداؐ کا لال
نورِ نگاہِ فاتحِ بدر و حنین ہے
آقا کا میرے اسمِ مبارک حسینؑ ہے

۱۷
یہ سن کے اشک آنکھوں سے اُس شخص نے بہائے
کیوں اس طرف کو سیّدِ والا وطن سے آئے
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
آفت سے نورِ چشمِ علیؑ کو خدا بچائے
سب اہلِ شر ہیں کوفیوں کو ان سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانبِ یثرب تو خیر ہے

۱۸
گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
مسلمؑ نے بھی یہ حال تو خط میں نہیں لکھا
فرمایا اے عرب ترے رونے کی وجہ کیا
اُس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہ خاص و عام سے
کہنا ہے جو کہوں گا مفصل امامؑ سے

١٩	پہونچا وہ جب قریب شہنشاہِ سرفراز ہاتھ اس کالے کے ہاتھ میں اٹھے شہِ حجاز	تسلیم کرکے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز بولا گنہگار جاکے وہ اُمت کا کارساز
	گر نیک ہو سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے	آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے
٢٠	کی عرض اس نے اے پسرِ سیدالبشر فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلمؑ کی کچھ خبر	کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
	شہ بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے	جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے
٢١	گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار پھر چلیے اب وطن کی طرف بہرِ کردگار	گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار
	آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی	یہ ہیں وہی جنھوں نے علیؑ سے وفا نہ کی
٢٢	ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے اس جا دغا ہے سیدوالا نہ جائیے	بہرِ علیؑ و احمدؐ و زہراؑ نہ جائیے آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
	کیا دور ہے جو آ کے عدو سدِ راہ ہوں	ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؐ تباہ ہوں
٢٣	بچوں پہ رحم کیجئے یا شاہِ انس و جاں بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبرؑ سا نوجواں	پہونچے نہ اِن گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں رکھے خدا جہاں میں ید اللہ کا نشاں
	پھولا پھلا رسول خدا کا چمن رہے	روشن سدا چراغ مزارِ حسنؑ رہے
٢٤	یہ فکر ہے جو آپ کو لکھے ہیں سب نے خط مضموں بھی سب غلط ہیں عبارت بھی سب غلط	مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آویں کسی نمط یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
	حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں	گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں
٢٥	کوفی تمام مایۂ جور و فساد ہیں تربت میں فاطمہؑ کے رلانے پہ شاد ہیں	مفسد ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں تیغیں ادھر ہیں دل سوئے ابن زیاد ہیں
	بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا	کیوں کر کہوں کہ مسلمؑ بے کس سے کیا کیا
٢٦	پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن نیزے پہ سر ہے جسم ہے بے گور و بے کفن	آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
	تربت نہیں نصیب تنِ پاش پاش کو	گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو
٢٧	ہانی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ کوڑے لگے پہ منہ سے نہ کی اس جری نے آہ	مسلمؑ نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ مسلمؑ کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
	صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں	دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں

۲۸
شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
جو مسلمؑ غریب پہ ہونا تھا ہو چکا
فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا
باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
خواہانِ مرگ سبطِ رسالت مآب ہے
اُن کا جہاں سے کوچ مرا پاتراب ہے

۲۹
یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ نامدار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غمگسار
وا مسلما کہا کئی باری بحالِ زار
بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
میں جانتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے
اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے

۳۰
دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب
مارے گئے وہاں کوئی جس جا نہ تھا حبیب
کیا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب
تکتے تھے مجھکو یاس سے منہ پھیر پھیر کے
کوفے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

۳۱
کوفی بدی کریں گے یہ مجھکو نہ تھی خبر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر
شرمندہ ہے حسینؑ تمھیں پہلے بھیجکر
اب ہم بھی آن پہونچے ہیں واں تم گئے جدھر
رتبے بڑے ہیں کشتۂ اول کے واسطے
سبقت تو ہے ضرور ہراول کے واسطے

۳۲
اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال
مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عرب سے حال
حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں نونہال
بیرحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے

۳۳
آتا تھا شہر کوفہ سے جس دم میں نوحہ گر
آنکھیں کھلی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
حاکم کے آگے لاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
رُخ پر پڑیں لٹکتی تھیں زلفیں اِدھر اُدھر
ہاتھوں سے آشکارا نشانِ سجود تھے
بیرحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے

۳۴
فریاد کرکے کہنے لگے سرورِ عرب
بندوں کا اختیار ہے کیا جو رضائے رب
خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے ہے غضب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی
ماں اُن کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

۳۵
رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا
کی عرض کچھ نہ پوچھیے اے ابنِ مرتضاؑ
وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا
یوں دفن گم ہوا ہے کوئی کائنات میں
خندق میں لاش باپ کی بچے فرات میں

۳۶
یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت بہ چشمِ نم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ امم
کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل یہ اپنے ہم
منہ کو سنان و تیغ سے موڑا نہ جائے گا
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا

۳۷
رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
آنکھوں سے اشک ریش مبارک پہ تھے رواں
نہوڑائے سر کو گھر میں گئے شاہِ دو جہاں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بی بیاں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا
زینبؑ زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا

۳۸
کلثومؑ سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس
کہتی تھی منہ کو شہ کے سکینہؑ بچشم یاس
قاسمؑ کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
سب سے زیادہ زوجۂ مسلمؑ کو تھا ہراس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری

۳۹
رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسؑ باوفا
سینوں میں دل دھڑکنے سے لرزاں تھے دست و پا
باہر ہے یاں انھیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھو تو حال کیوں شہ والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

۴۰
کبریٰؑ پکارتی تھی کہ صغریٰؑ کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو
یارب مریض بیکس و تنہا کی خیر ہو
غربت میں قاصدِ شہ والا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
بھائی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں

۴۱
کہتی کبھی سکینہؑ سے رو کر وہ بے قرار
وجہ بکا تو پوچھو بہن تم پہ میں نثار
ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمہارا پیار
حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
اُڑتا ہے دل میں شک سا مری چھاتی دھڑکتی ہے
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے

۴۲
اتنے میں بڑھ کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابن عم مرا
مسلمؑ سے کوفیوں نے بڑی بیوفائی کی
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی

۴۳
پیٹو کہ رانڈ ہو گئی عباسؑ کی بہن
مارا گیا مرے لیے سب ہے وہ صف شکن
رنڈسالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
آپہونچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
زینبؑ یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی

۴۴
سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر
پُرسے کو آئی زوجۂ عباسؑ نامور
بانوؑ نے ساتھ زوجۂ مسلمؑ کے کھولے سر
بیکس تھا وہ شریک عزا ہو تمام گھر
اماں نکل کے قبر سے پُرسے کو آئیں گی
رنڈسالہ بی بیاں اُسے جسدم پنہائیں گی

۴۵
کہدو سکینہؑ دختر مسلمؑ کے پاس جائے
کبریٰؑ برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے
چھاتی کو جب وہ پیٹے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے
اک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے روئیں گے

۴۶
یہ سن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
مارا گیا سفر میں غلامِ شہِ اُمم
چلائی رو کے زوجۂ مسلمؑ کہ ہے ستم
فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی میں اسیرِ غم
صدمے اجل کے تین دموں پر گزر گئے
وارث بھی مر گئے مرے بچے بھی مر گئے

۴۷
غل سن کے آئے خیمہ میں عباسؑ نامور
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا روئے جھکا کے سر
دیکھا بہن تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر
سمجھیں گے اُن سے قاتلِ مسلم نظر میں ہیں
پیٹو نہ سر کو سیدِ والا سفر میں ہیں

۴۸
وابستہ جس کے دم سے ہو اُس کا رہے خیال
ہم سب غلام جن کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
لازم نہیں تمھیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہؑ کا لال
لازم ہے تم کو صبر کہ دنیا میں نام ہو
اُس کا ذہے شرف کہ نثارِ امام ہو

۴۹
مسلم ہوئے ہراولِ فوجِ شہِ انام
کیا نیک کوچ تھا کہ ہوا خلد میں مقام
دنیا میں تا قیامِ قیامت رہے گا نام
مخدومۂ جہاں انھیں روئیں گی صبح و شام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
بچے تمھارے فاطمۂ زہرا کے پاس ہیں

۵۰
شوہر تمھارا صاحبِ عزت تھا اے بہن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چمن
حلے ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
ہم سایۂ رسولؐ ملا گو چھٹا وطن
راضی علیؑ ہوں شاد خدا کا حبیبؐ ہو
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو

۵۱
مسلم کا خوں جو راہِ خدا میں ہوا سبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رتبہ ہوا جلیل
پہونچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیلؑ
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مر گیا

۵۲
سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسؑ نامور
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر
روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی

۵۳
شور و بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات
تڑپا کئے امامِ دو عالم تمام رات
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
بس اے انیس اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

جب دشت مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا گردوں سے فزوں اوج زمیں کا نظر آیا خنداں ہوئے جوں گل سفری راہِ خدا کے	مرثیہ ۱	منزل کی طرف لے کے ستارے قمر آیا تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا فردوس کی بو آ گئی جھونکوں سے ہوا کے
گھوڑے کی عناں روک کے بولے شہِ ذی جاہ سید بھی طرف خلد اسی دشت سے ہے راہ بھایا یہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں کو	۲	لو ختم سفر ہو گیا المنۃ للہ پایا ہے عجب نور صفائی ہے عجب واہ جس طرح سے جھاڑے کوئی بالوں سے زمیں کو
یہ گوہر مطلوب کے پانے کی جگہ ہے جنگل میں بھی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہے غربت کے نہ دکھ اب دلِ نالاں سے اٹھیں گے	۳	فردوس سے زہراؑ کے یہ آنے کی جگہ ہے واللہ یہ پھولوں سے بسانے کی جگہ ہے سن لیجو کہ مر کر بھی نہ ہم یاں سے اٹھیں گے
ہرچند کہ بستی نہیں ویراں ہے یہ صحرا راحت کدۂ نوحؑ غریباں ہے یہ صحرا فرحت ہوئی یوں آ کے اس اجڑے ہوئے بن میں	۴	خوشبو میں مگر رشکِ گلستاں ہے یہ صحرا غربت میں بہ از ملک سلیماںؑ ہے یہ صحرا جس طرح سفر سے کوئی آتا ہے وطن میں
مطلوبِ شہِ عرش نشیں ہے تو یہی ہے انگشتر عالم کا نگیں ہے تو یہی ہے راحت بھی اسی جا عوض صبر ملے گی	۵	دنیا میں جو فردوسِ بریں ہے تو یہی ہے مر جائیے جس پر وہ زمیں ہے تو یہی ہے جنت ہے گھر اس کا جسے یاں قبر ملے گی
آبِ رخ مومن کی طرح پاک ہے یہ خاک ہر درد کا درماں تہ افلاک ہے یہ خاک سجدہ بھی اسی خاک سے ممتاز رہے گا	۶	غربت میں ردائے تنِ صد چاک ہے یہ خاک اکسیر جہاں گرد ہے وہ خاک ہے یہ خاک جو اس پہ جھکے گا وہ سرافراز رہے گا
اس خاک کے رتبہ کو کسی نے نہیں جانا چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو دانا کم ہوں گے گنہ غنچۂ امید کھلے گا	۷	ہے عین عبادت اسے آنکھوں سے لگانا دَور اس کا نہ کم ہوئے گا جب تک ہے زمانا سو رنگ کا اجر اس سے نمازی کو ملے گا
بیشک ہے مزیل مرض دافعِ آزار جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اسے دیندار شمشیر غضب سامنے گر ہو گی لحد میں	۸	اس خاک سے دنیا میں شفا پائیں گے بیمار ایذائے فشار اوس پہ نہیں ہوئے گی زنہار یہ اس کے لیے سینہ سپر ہو گی لحد میں
اترے فرس خاک سے ہنستے ہوئے سرور صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی	۹	استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمھیں بھائی

۱۰
عباسؑ نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہے
آپ آئیں تو کتنی یہ خوش اسلوب جگہ ہے
کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہے
شہ بولے کہ ہاں سچ ہے بہت خوب جگہ ہے
گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہے بھائی
تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہے بھائی

۱۱
روئے یہ سخن کہہ کے شہنشاہِ حجازی
تجدید وضو کرکے پھر سے غازی
اونٹوں کے کھلے بار بندے فوج کے تازی
مصروف ہوئے طاعت خالق میں نمازی
اک نور کا جلوہ تھا سپاہِ شہِ دیں پر
گویا کہ ملک عرش سے اترے تھے زمیں پر

۱۲
دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہ شام
اور تھا شب ہشتم سے لڑائی کا سر انجام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

۱۳
گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا
وہ تابش خورشید وہ ذرّوں کا چمکنا
باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
خیمے میں سکینہؑ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

۱۴
تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
ہر سمت سے فوجوں کے امنڈ آئے تھے بادل
دریا بھی غریبوں کی ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواج ستم صبح تک آئی
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے ادھر یہ کمک آئی

۱۵
تھے مستعدِ جنگ اُسی روز ستمگر
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلاور
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جاؤ گے بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسول عربیؐ ہے

۱۶
جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
سبقت کو نہ گر منع کریں قبلۂ عالم
کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
کردیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
رکنے کا نہیں زور نہمتن سے ہمارا
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا

۱۸
لشکر ہے جری کون سے لشکر سے ہمارے
شیر آنکھ چراتا رہا نیزوں سے ہمارے
تھراتا تھا رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
پس پا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
تھے شیر خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا

۱۹
موجود کسی کو نہیں واللہ سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں روباہ سمجھتے
ہیں عالم فانی کو گذرگاہ سمجھتے
ہم وقت وغا کوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
جانباز ہیں کونین میں شہرا ہے ہمارا
شمشیر ید اللہ پہ قبضہ ہے ہمارا

۱۹
خیمے میں گئے حضرت عباسؑ دلاور
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
قبضے پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبرؑ
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دوجہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

۲۰
آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کے تولے
آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامردِ شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

۲۱
اک کھیل ہے اب تو انھیں پیاسوں کا ستانا
آسان نہیں کچھ منہ پہ جواں مردوں کے آنا
کیا جانیے کیا ہے ہمیں یاں لوگوں نے جانا
تلواریں جو کھینچیں تو الٹ جائے زمانا
بچہ بھی ہر اک شیر ہے سادات کے گھر کا
اعدا کی یہ سب فوج پہ اک طفل ادھر کا

۲۲
دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
ہر صف ابھی الٹیں جو چلیں چھوٹے سے بھالے
دم بند کریں فوج کا یہ ہنسلیوں والے
خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
رکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
بچے ہیں مگر غیظِ یداللہ ہے سب میں

۲۳
اعدا سے اور اکبرؑ سے جو اس دم ہوئی تکرار
یاد آگیا مجکو غضبِ حیدرِؑ کرار
بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
میں نے انھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

۲۴
سمجھاتا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
یہ اہلِ ستم قابلِ تعزیر ہیں سارے
کیوں نام لیا شمر نے ماموں کا ہمارے
کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبرؑ کے سپر ہیں

۲۵
شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
اک دن میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھرتا
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضے پہ دھرتا
ہاتھ اُن کے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہرتا
تنگ آن کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
اُن لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑے گا

۲۶
موقع ہے ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
اللہ تو ہے میری طرف فوج ہے گو کم
آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں اظلم
بے زخم لگے ہاتھ اٹھانے کے نہیں ہم
امت سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کریں گے
واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے

۲۷
لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
بچوں نے کبھی کاہے کو دیکھی ہے لڑائی
کیا قہر تھا لٹ جاتی جو زینبؑ کی کمائی
اعدا کی درشتی کی انھیں تاب نہ آئی
بڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رکتے
غصے میں کسی اور سے وہ شیر نہ رکتے

۲۸
تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر
اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

۲۹
فوج ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
لوگوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے تمھیں کام
اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قوم عرب کی
مہمان ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

۳۰
اب ظہر کا ہنگام ہے اور دن بھی ہے آخر
ہے بے سر و ساماں ابھی یثرب کا مسافر
میں صبح کو خود ہوں گا کمر باندھ کے حاضر
جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صابر و شاکر
حسرت نہ رہے طاعتِ ربِ دوسرا کی
تم سوؤ عبادت کروں میں اپنے خدا کی

۳۱
کھلواتا ہوں صندوق نکلواتا ہوں ہتھیار
تابوتِ سکینہ میں ہے اے قوم ستم کار
آراستہ ہوتا ہے نشانِ شہِ ابرار
نانا کی زرہ حیدرِ کرارؑ کی تلوار
یہ شب تو لڑائی کے سرانجام کی شب ہے
تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہے

۳۲
اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا
کل چار پہر میں نہ برس ہے نہ مہینا
مظلوم سے یہ بغض مسافر سے یہ کینا
کل خوں میں ڈبو دیجو محمدؐ کا سفینا
کل قبرِ زہراؑ کے نکل آنے کا دن ہے
کل خانۂ سادات کے لٹ جانے کا دن ہے

۳۳
یہ سُن کے گیا شیر قریبِ صفِ کفار
واجب ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار
فرمایا کہ اے قوم جفاکار و ستمگار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمھیں کیا ہے
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظورِ خدا ہے

۳۴
لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار
جھنجھلا کے یہ بولے کوئی اس فوج کے سردار
کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمھیں زنہار
دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تجھکو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیرؑ تو فرزندِ رسولِ عربیؐ ہے

۳۵
اک شب کی اماں دینے میں نقصان ترا کیا ہے
مظلوم پہ آفت ہے مسافر پہ جفا ہے
اس پر یہ تعدی جو گرفتارِ بلا ہے
یہ جبر محمدؐ کی شریعت میں روا ہے
فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہے ظالم
تو خیر کے بھی کام میں شر کرتا ہے ظالم

۳۶
عابد پہ یہ نرغہ یہ نمازی پہ چڑھائی
پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
مہمانوں نے دو دن سے غذا ابھی نہیں پائی
روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
سیدؑ کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
یہ ظلم کہ اک رات کی مہلت نہیں دیتا

۳۷
تو ہنستا ہے اور روتے ہیں واں پیاس سے معصوم
پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محروم
یاں جشن ہے اور ہائے حسینا کی ادھر دھوم
اے شمر محمدؐ کا نواسا ہے یہ مظلوم
خورشید ہدایت ہے امام دو جہاں ہے
قرآن سے روشن ہے حدیثوں سے عیاں ہے

۳۸
دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار
عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفاکار
خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

۳۹
عباس دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک
تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگِ ناپاک
بیکس ہوا ایسا پسرِ سیدِ لولاکؐ
کیوں رکھدوں سب نحس پہ انگشت سنا کو
دکھلا دوں مزہ چھید کے نیزے سے زباں کو

۴۰
بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چباتے ہوئے عباسؑ
کی عرض یہ جاکر پسر فاطمہؑ کے پاس
خیمے میں گئے ساتھ لئے سب کو بصد یاس
طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رخ بھی پھرا اہل جفا کا
رو کر شہ والا نے کہا شکر خدا کا

۴۱
گزرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
راحت دلِ عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غم سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

۴۲
جنگل میں اداسی تو وہ اور شام کا ہونا
پانی کی تمنا میں وہ منہ اشکوں سے دھونا
بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں رونا
فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
لو چلتی تھی جب خاک میں اٹ جاتے تھے بچے
ماؤں سے اندھیرے میں لپٹ جاتے تھے بچے

۴۳
آتی تھی درندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
گل ہونے میں شمعوں کے نہ لگتی تھی ذرا دیر
سب فرش پہ آندھی سے خس و خاک کا تھا ڈھیر
گرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب اٹھتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
بھرتی تھی ہوا جب تو اڑا جاتا تھا خیمہ

۴۴
اُجڑے ہوئے جنگل کی ڈراؤنی وہ صدائیں
دھڑکا تھا کہ جائیں کہیں بچوں کی نہ جائیں
تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
یاں اُن کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جانیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

۴۵
خیمے کو خدا گردشِ گردوں سے بچائے
حافظ الم ہیبت ہاموں سے بچائے
خالق ستم لشکر ملعوں سے بچائے
اللہ ہمیں آفت شب خوں سے بچائے
منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
اے ہے کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی

۴۶
آتی تھی صدا خیمے کے پیچھے سے یہ ہر آن
جنگل میں یہ کیا بن گئی ہے تجھ پہ مری جاں
ہے ہے مرا بچہ ہے اسی رات کا مہماں
دو روز کے پیاسے تری غربت کے میں قرباں
بابا بھی نہیں عالم تنہائی ہے بیٹا
گھر سے تمہیں جنگل میں اجل لائی ہے بیٹا

۴۷
مادر نے جو چھاتی پہ سلا کر تمہیں پالا
مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دکھ چرخ نے ڈالا
سایے سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
خاک اڑتی ہے لوں چلتی ہے میدانِ بلا میں
نیند آئے گی کیونکر تمہیں اس گرم ہوا میں

۴۸
اُمت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے
نانا سے چھٹے قبرِ حسنؑ چھوڑ کے آئے
صغرا کو گرفتار محن چھوڑ کے آئے
اس دشت کے کانٹوں میں وطن چھوڑ کے آئے
پائی نہ کہیں اور جگہ امن و امان کی
جنگل وہی بھایا تمہیں تھی خاک جہاں کی

۴۹
کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینبِؑ ناشاد
کیونکر انھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہے برباد
پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہے فریاد
مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتا غم اولاد
کل کچھ نہ کچھ آفت ہے جو گھبرائی ہیں اماں
لو صاحبو تربت سے نکل آئی ہیں اماں

۵۰
جس روز حسنؑ بھائی سے ہونی تھی جدائی
لا وصفِ ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی
اس شب کو بھی اماں کی صدا تھی یونہیں آئی
بس خاتمہ ہے اب نہ بچے گا مرا بھائی
پیٹو کہ شبِ قتل شہِ جن و بشر ہے
اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہے

۵۱
غش میں جو ابھی آنکھ مری لگ گئی ناگاہ
فرماتی تھیں رو رو کے بصد نالۂ جاں کاہ
عریاں سرِ زہراؑ نظر آیا مجھے واللہ
آرام کی یہ شب نہیں اے زینبِؑ ذی جاہ
بسمل ہوں چھری میرے کلیجے پہ چلی ہے
بیٹی یہ شبِ قتل حسینؑ ابن علیؑ ہے

۵۲
میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک آپ نے ڈالی
حیدرؑ کی بہو ہوئے گی بے وارث و والی
فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
کل شام سے اوڑھوں گی ردا فرق پہ کالی
کیوں کر کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہے زینبؑ
شبیرؑ کے مقتل کی یہ سب خاک ہے زینبؑ

۵۳
رونے سے اسی حال میں گذری جو پہر رات
عباسؑ دلاور کو بلا کر یہ کہی بات
سجادۂ طاعت سے اٹھے قبلۂ حاجات
ہم بیچ میں ہیں گرد ہے سب لشکر بد ذات
کچھ دور نہیں بے ادبی فوج شقی سے
ہوشیار رہو خیمۂ ناموس نبیؐ سے

۵۴
سب کھینچ کے خیمے کی طنابیں کرو یک جا
گرمی کی اگر ہووے تو ہو پیاسوں کو ایذا
تا ایک ہی جانب سے رہے آنے کا رستہ
خندق میں رہے چار طرف آگ مہیا
ہے دیکھیں مدد ایزدِ غفار کرے گا
پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا

۵۵
سرگرمِ اطاعت تھے جو عباسؑ علمدار
بٹھلائے جواں ڈیوڑھی پہ دیرینہ و ہشیار
بھڑکا دیا خندق میں وہیں آگ کو اک بار
پہونچے عقبِ خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
رتبہ سے جو واقف تھے ہر اک پردہ نشیں کے
خود پھرنے لگے گردِ خیامِ شہِ دیں کے

۵۶
نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حیدرِ کرار
خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہوئے تلوار
للکارتا تھا کوئی کہ ہاں بھائیو ہوشیار
کون آتا ہے کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
کہتا تھا علمدار کوئی اور نہیں ہے
گھبراؤ نہ عباسؑ غلامِ شہِ دیں ہے

۵۷
کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب کی مدد شاہ
راضی ہے خدا تم سے خوشی ہیں شہِ ذی جاہ
بس حقِ رفاقت ہے یہی اجرکم اللہ
ہاتھ آئی ہے کیا دولتِ بیدار تمھیں واہ
جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھلے گا
قبروں میں بھی اس جاگنے کا لطف ملے گا

۵۸
جب تین پہر رات عبادت میں گذاری
پچھلے سے دعائیں تھیں بس اور طاعتِ باری
یاں جاگ تھی سوتا تھا ادھر لشکرِ ناری
شہ محوِ وظیفہ تھے حرم کرتے تھے زاری
ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
سجدے تھے کبھی اور کبھی امت کی دعا تھی

۵۹ مطلع دوم
ناگاہ بیاضِ سحرِ غم نظر آئی
صبحِ شبِ عاشورِ محرم نظر آئی
مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
جھونکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
مرغانِ چمن کرنے لگے ذکر خدا کا

۶۰
وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی
بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں زردی
تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی وردی
ساماں تھا واں قتلِ امامِ دو جہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہراؑ میں اذاں کا

۶۱
استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہ
حقا کہ عجب اختر تاباں تھے عجب ماہ
صف باندھ لی سب نے عقبِ سیدِ ذی جاہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دعا کی
خالق نے انھیں دولتِ کونین عطا کی

۶۲
فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
ناموس کے خیمہ میں گئے شاہِ خوش اطوار
تسبیحیں پڑھیں سب نے سجے جنگ کے ہتھیار
حیرت سے لشکر کی طرف خواہرِ غمخوار
فرمایا کہو غش ہے کہ سوتی ہے سکینہؑ
زینبؑ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؑ

۶۳
بے آپ کے اس کو کبھی نیند آئی ہے بھائی
اس چاند سی چھاتی کی جو بو اس نے نہ پائی
بچوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
ماں پاس نہ بیٹی نہ مری گود میں آئی
فرقت ہو تو اس کا خدا جانے کیا ہو
گھٹتا ہے کوئی باپ سے بچہ جو ہلا ہو

۶۴
بیٹی کا سنا حال تو رونے لگے حضرت
افسوس یہ سن اور یہ یتیمی کی مصیبت
فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
لے آؤ کہ رولیں اسے لپٹا کے گلے سے

۶۵
روئے سخنِ یاس یہ سنکر حرمِ پاک
دستار ید اللہ قبائے شہِ لولاک
پہنی شہِ والا نے تنِ پاک میں پوشاک
گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
ان زلفوں میں دیکھا جو رخ اس خاصۂ رب کا
آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

۶۶
حاصل جو زرہ کو ہوا وصل تنِ شبیرؑ
دستانوں کو ہاتھ آئی عجب صحبتِ دلگیر
داؤد پکارے کہ زہے عزت و توقیر
بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سرِ شمشیر
باندھا جو کمر میں تو یہ پرتو نظر آیا
خورشید کے پہلو میں مہِ نو نظر آیا

۶۷
پایا جو تھا قرب کمر سبطِ پیمبرؐ
چار آئینہ دکھلانے لگا اوجِ سکندر
جامے میں سماتی نہ تھی شمشیر دوپیکر
گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے مغفر
کہتی تھی سپر دولتِ دیں آج ملی ہے
دیکھو مجھے اس دوش پہ معراج ملی ہے

۶۸
جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پر شہِ ابرار
خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار
دکھلانے لگی آئینہ فضہ جگرافگار
حضرت نے کہا آئینہ ہے حالِ تنِ زار
پرتو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا
میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئینہ ہے میرا

۶۹
فضہ سے یہ فرماتا تھا وہ صاحبِ توقیر
خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شہِ دلگیر
جو آئی سکینہؑ کو لیے شاہ کی ہمشیر
آ آمری پیاری ترا مشتاق تھا شبیرؑ
بابا ترا اس چاند سی صورت پہ فدا ہو
کیوں آکے لپٹتی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

۷۰
لو جانے دو غصے کو مری گود میں آؤ
مہماں ہیں تمھارے ہمیں بی بی نہ رلاؤ
ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منھ آگے تو لاؤ
عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
ہم ہوں گے کہیں تم کہیں جاؤگی سکینہؑ
ڈھونڈھوگی تو پھر ہمکو نہ پاؤگی سکینہؑ

۷۱
ہے صبحِ فراقِ پدرِ بیکس و ناکام
لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام
دن ہجر کے آپہونچے گئے وصل کے ایام
دکھلائے گی یہ صبح یتیمی کی تمھیں شام
ہے زیست کی لذت یہی جو دم تمھیں دیکھیں
تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تمھیں دیکھیں

۷۲
فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
کچھ دور نہ تھے ہم پہ تمھیں نیند نہ آئی
یہ آخری شب عمر کی ہے اے مری جائی
کیا ہوویگا جب ہوگی مہینوں کی جدائی
غم باپ کا اور قید کا دکھ جانِ حزیں پر
کیونکر تمھیں نیند آئے گی زنداں کی زمیں پر

۷۳
چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
واں ہوگا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
منھ چھاتی پہ رکھ کر تھیں سو جانے کی تھی خو
اٹھ جائیں گے اب گرد یتیمی سے یہ گیسو
کیوں دم مرا صدمے سے نہ گھبرائے سکینہ
یہ تیر اگلا اور رسن ہائے سکینہ

۷۴
حضرت نے جو بیٹی سے کہے یہ سخنِ یاس
گودی میں گئی باپ کے گھبرا کے وہ بے آس
دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرت عباس
رخ زرد تھا نیلے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
دشوار تھا یہ ہجر پدر اس رشکِ چمن پر
باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر

۷۵
منھ پر کبھی منھ ملتی تھی دے دے کے دعائیں
کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
لیتی تھی کبھی ننھے سے ہاتھوں سے بلائیں
روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہائیں
آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا
تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا

۷۶
کیوں کڑھتے ہو بابا مجھے ایسی تو نہیں پیاس
اس وقت کی باتوں سے بہت ہے مجھے وسواس
گھٹتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباس
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہئے گا مرے پاس
پھر کل کی طرح نیند مری کھوؤ گے بابا
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا

۷۷
ننھے سے کلیجے پہ مرے چلتی ہے تلوار
کیا قصد ہے جانا ہے کہیں یا شہِ ابرار
کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتھیار
تشویش کچھ ایسی ہے کہ بھولا ہے مرا پیار
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہوں گے
کیا یہ سفر ایسا ہے کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

۷۸
شہ بولے کہ درپیش ہے مجھ کو وہ سفر آہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
ایک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جانکاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
وہ راہ ہے دھڑکا سحر و شام ہے جس کا
پہلی ہے وہ منزل کہ لحد نام ہے جس کا

۷۹
کرتا نہیں غربت میں کوئی آ کے مدد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہونچا کے لحد تک
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
وہ خانۂ تاریک وہ تنہائی ابد تک
نے دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا تو ہیں شاہان اولوالعزم گئے ہیں

۸۰
جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اوج نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیر زمیں ہیں

۸۱
اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
نے مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
یاور نہ مصاحب نہ محبان وطن ساتھ
دنیا کے کل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
آ جاتی وہاں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا

۸۲
آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب
تربت میں کہاں راحت و آرام کے اسباب
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بے خواب
جز داغ جگر روشنی شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

۸۳
پہلو کے نہ وہ تکیے نہ راحت کا بچھونا
بستر وہی مٹی کا وہی قبر کا کونا
دشوار ہے واں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا
وہ یاس سے رخسار دھرے خاک پہ سونا
رہتا ہے لباس ایک بہر حال گلے میں
بر میں کفن اور نامۂ اعمال گلے میں

۸۴
صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں پاس
وہ قبر کا ڈر پرسشِ اعمال کا وسواس
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
اس ملک سے دنیا میں پھر آنے کی کہیں آس
دکھلائیں تزک چار دن افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

۸۵
کیا ان کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
تاریکیٔ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
پوچھے کوئی ان لوگوں سے جو زیر زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

۸۶
بتلاؤ مسافر کو نہ تشویش ہو کیونکر
غربت میں نئی راہ نئے لوگ نئے گھر
نے راحلہ نے زاد سفر پاس نہ رہبر
وہ خانۂ پر ہول یہ آرام کا خوگر
تربت بھی نہ جلد اے مرے دل سوز ملے گی
منزل وہ ہمیں بعد چہل روز ملے گی

۸۷
یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہِ مدینہ
ہے آج تلاطم میں محمدؐ کا سفینہ
فرمایا کہ لو جاؤ پھوپھی پاس سکینہؑ
مشتاق ہے اب ظلم کے تیروں کا یہ سینہ
جائے گا سوئے شام یہ سر تیغ سے کٹ کر
بس چار برس سو چکیں چھاتی سے لپٹ کر

۸۸
وہ کہتی تھی للہ نہ گودی سے اتارو
ننھے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
آئی ہے بلا سر پہ تو پہلے مجھے مارو
مر جاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
ہوتا ہے خفا یوں کوئی نازوں کے پلے سے
ہے ہے مرے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے

۸۹
سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہِ والا
پٹکوں گی سر اپنا جو قدم گھر سے نکالا
ہے ننھے سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا داغ دکھانے کے لیے تھا مجھے پالا
مر جائیں گے گر آپ کے دشمن تو جیوں گی
رسی سے بندھے گی مری گردن تو جیوں گی

۹۰
بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہاں کی
منظور ہے گر سیر شہادت کے چمن کی
تدبیر کیے جائیے ننھے سے کفن کی
اچھا مجھے کیا راہ نہیں ملنے کی رن کی
اماں کے بھی رونے کا میں غم کھاؤں گی بابا
میں چھوڑ کے ان سب کو چلی آؤں گی بابا

۹۱
بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہو حضرت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ الفت یہ محبت
کس کے لیے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے امت
جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہؑ
وہ تم سے زیادہ ہمیں پیارے ہیں سکینہؑ

۹۲
ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہؑ بے سر
اسباب لٹے قید ہو سجادؑ جلے گھر
اور داغ یتیمی ہو تمھیں اے مری دلبر
تب آتش دوزخ سے بچیں شیعۂ حیدرؑ
راضی ہوں میں واللہ ستم مجھ پہ یہ سب ہوں
پر حشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں

۹۳
یوں کہنے لگی سینے پہ منھ رکھ کے وہ نادان
حضرت نے کہا سخت مصیبت ہے مری جان
کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قربان
یہ داغ ہے بچوں کے لیے موت کا سامان
تن آتش غم سے صفت شمع گھلے گا
یہ حال تمھیں عصر کے بعد آج کھلے گا

۹۴
اب تک تو یہ ہے ظلم کہ ملتا نہیں پانی
تم لاکھ کہو گی کہ ہے بابا کی نشانی
پھر باندھیں گے رسی سے گلا ظلم کے بانی
لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمن جانی
جلاد مری روح کو غمناک کریں گے
موتی کے لیے کان ترے چاک کریں گے

۹۵
یہ کہہ کے جو شہ نے اسے گودی سے اتارا
ہمشیر نے حضرت سے کیا رو کے اشارا
غش ہو گئی بانوؑ نہ رہا ضبط کا یارا
آؤ کہ لگا لیں تمھیں چھاتی سے دوبارا
حضرت پہ بھی دشوار تھی ماں جائی کی رخصت
کم تھی نہ قیامت سے بہن بھائی کی رخصت

۹۶
پھٹتا تھا جگر شاہ کا زینبؑ کے بیاں سے
کہتی تھی بہن کوچ ہے بابا کا جہاں سے
کیا درد کے الفاظ نکلتے تھے زباں سے
شہ کہتے تھے میں آج جدا ہوتا ہوں ماں سے
کیا کیا مرے کام آئی ہیں اس رنج و محن میں
سب طور تھا اماں کی محبت کا بہن میں

۹۷
بچپن سے کسی دکھ میں برادر کو نہ چھوڑا
تنہا کبھی فرزند پیمبرؐ کو نہ چھوڑا
فاقے کئے اکثر مگر اس گھر کو نہ چھوڑا
چھوڑا وطن اور نائب حیدرؑ کو نہ چھوڑا
فرقت نہ ہو اک دم یہ دعا شام و سحر تھی
غربت میں بچھڑ جانے کی لیکن نہ خبر تھی

۹۸
یہ کہہ کے چلے شاہ بچھی یاں صف ماتم
سر کھولے ہوئے پیٹتی تھی بانوئے پر غم
گویا کہ ہوئی بزم عزا درہم و برہم
برپا تھا یہی شور کہ ہے ہے شہ عالم
در تک بھی نہ پہونچے تھے کہ غش آگئی زینبؑ
سر پیٹ کے فضہ نے کہا مر گئی زینبؑ

۹۹
نکلے در دولت سے شہنشاہ فلک جاہ
اٹھارہ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ
پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرت اللہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقب ماہ
تھا فرش سے تا عرش سما جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی کہ درچہ فلک نیلوفری کا

۱۰۰
سکان سماوات یہ کرتے تھے اشارے
آتی تھی صدا گرد ہیں یاں نور تمہارے
دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
تارے یہ وہ تارے ہیں کہ جو ہیں ہیں پیارے
یہ سب وہ بشر ہیں جو بنے نورِ خدا سے
ہے عرش بھی روشن انھیں تاروں کی ضیا سے

۱۰۱
رتبے ہیں زیادہ ملک و حور سے اُن کے
کرتا ہے قمر کسب ضیا نور سے اُن کے
جلوے ہیں فزوں روشنی طور سے اُن کے
عابد ہیں یہ نظارے کروں دور سے اُن کے
آخر تو نکل آئیں گے سارے جو چھپیں گے
پھر انکو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

۱۰۲
دیکھا رفقا نے جو رخِ مبتلائے عالم
حضرت نے عجب پیار سے دیکھا انھیں اُس دم
مجرے کے لیے صلِ علیٰ کہہ کے ہوئے خم
ہر اک کی زباں سے یہی نکلا کہ فدا ہم
نازاں ہیں عنایاتِ شہِ تشنہ گلو پر
سو سر ہوں تو قربان کریں ہر سر مو پر

۱۰۳
گرداں کے دامن جو بڑھے سید ابرار
فرمانے لگے بڑھ کے یہ عباسؑ خوش اطوار
لینے کو رکاب آئے رفیقانِ وفادار
اس خدمت عالی کا ہے بندہ ہی سزاوار
جبریلؑ پکارے نہیں حاجت ہے کسی کی
بچپن سے بھی خادم کو تمنا تھی اسی کی

۱۰۴
اسوار ہوا جب وہ دو عالم کا خوزادہ
گھوڑا جو بڑھا کاہ کشاں بن گیا جادہ
لشکر کا ہوا جاہ و حشم اور زیادہ
جبریلؑ چلے ساتھ سواری کے پیادہ
ہمراہ علم دھوپ میں تھا ظلِ خدا بھی
جبریلؑ بھی تھے سایہ فگن سر پہ ہما بھی

۱۰۵
تھوڑا سا تو لشکر پہ خوشا رعب زہے شان
وہ حسن کہ حورانِ جناں جن پہ ہیں قرباں
دیں داروں کے جاں اور مسلمانوں کے ایماں
سیرت میں ملک دیکھئے صورت کو تو انسان
خورشید بھی شرمندہ ہو رخ جلوہ گر ایسے
چلاتی تھیں پریاں نہیں دیکھے بشر ایسے

۱۰۶
وہ چاند سے ماتھے وہ قبائیں وہ عبائیں
تن پھول سے غنچوں کی طرح تنگ قبائیں
تسبیحیں تو ہاتھوں پہ زبانوں پہ دعائیں
بس جائے وہ سب راہ یہ جس راہ سے جائیں
نورِ مہِ کامل کبھی سینے کو نہ پہونچے
بو ایسی کہ عطر ان کے پسینے کو نہ پہونچے

۱۰۷
کس شان سے شملوں کے سرے دوش پہ چھوڑے
تیغیں بھی جو برسیں تو کبھی منہ کو نہ موڑے
وہ رعب وہ اقبال وہ ہتھیار وہ گھوڑے
ایک ایک جری شیر کے پنجے کو مروڑے
برباد کریں کوہ کو ہامون کو الٹ دیں
خیبر کی طرح قلعۂ گردوں کو الٹ دیں

۱۰۸
جاتے تھے سواری میں جلال و حشم آگے
جلدی تھی ہر ایک کو کہ نکل جائیں ہم آگے
غل تھا کہ بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
پیچھے تو محمدؐ کا نشاں تھا علم آگے
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی رن میں
طوبیٰ نے جگہ پائی تھی زہراؑ کے چمن میں

۱۰۹
کیا اوج تھا نخلِ علمِ فوجِ خدا کا
غل تھا کہ یہ ہے سروِ رواں باغِ وفا کا
فردوس بھی شائق تھا پھریرے کی ہوا کا
پنجے پہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا
ٹوکے وہ انھیں بڑھ کے لڑا ہو جو علی سے
یہ شیر گرسنہ نہیں رکنے کے کسی سے

۱۱۰
اِن چاند سے چہروں نے دکھائی تھی عجب ضو
شبیرؑ کے عاشق اسد اللہ کے پیرو
میدان میں تھا چار طرف نور کا پرتو
اعدا تو کئی لاکھ یہ پورے بھی نہ تھے سو
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

۱۱۱
بندھتی تھیں صفیں یاں کی علم کھل گئے واں کے
تلواریں لیے غول بڑھے فوجِ گراں کے
ڈنکا جو ہوا ہِل گئے دل پیر و جواں کے
مظلوموں پہ در بند ہوئے امن و اماں کے
آرام میں زہراؑ و علیؑ کے خلل آیا
آمد ہوئی تیروں کی پیامِ اجل آیا

۱۱۲
دو لاکھ لعینوں کے چلے تیر جو پیہم
عباسؑ علمدار نے کی عرض یہ اس دم
بیجاں ہوئے اک دم میں پچاس آپ کے ہمدم
بائیس جواں رہ گئے اے قبلۂ عالم
بے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے
حسرت نہ رہے گی جو دغا کر کے مریں گے

۱۱۳
اک اِن میں سے بڑھ جائے گا چمکا کے جو تلوار
حضرت نے کہا فتح سے کیا مجھکو سروکار
ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوچھار
ہوں میں تو فقط بخششِ امت کا طلبگار
تیغ و تبر و تیر و سناں کھانے دو بھائی
سب لوگوں سے پہلے مجھے مرجانے دو بھائی

۱۱۴
عباسؑ نے رو کر کہا اے سیدِ اکرم
آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بے دم
کیجے گا یہی خلق سے اٹھ جائیں گے جب ہم
یہ سب ہیں غلام آپ کے اے قبلۂ عالم
چلنا صفِ جنگاہ میں تلواروں کا دیکھیں
آج آپ مزا اپنے نمک خواروں کا دیکھیں

۱۱۵
مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ
شیروں نے عجب شاں سے گھوڑوں کے کسے تنگ
یہ سنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گل رنگ
نیزے جو سنبھالے تو علمدار ہوئے دنگ
دیکھا نظرِ غیظ سے افواجِ لعیں کو
لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زمیں کو

۱۱۶
تنہا گئے یوں فوج پہ وہ صاحبِ شمشیر
انبار تھے لاشوں کے اِدھر ڈھیر اُدھر ڈھیر
جوں گلۂ آہو پہ جھپٹتا ہے کوئی شیر
ہاتھ اڑ گئے پہنچوں سے زبردست ہوئے زیر
پاس آ نہ سکے دور سے بے پیروں نے مارا
تلواریں نہ کھائیں پہ انھیں تیروں نے مارا

۱۱۷
جب سوئے جناں شہ کے مددگار سدھارے
دنیا سے جوانانِ خوش اطوار سدھارے
جانبازیاں دکھلا کے وہ جرّار سدھارے
غم رہ گیا شبیر کے غمخوار سدھارے
لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہمراہ
اٹھارہ ستارے تھے فقط ماہ کے ہمراہ

۱۱۸
چھپنے لگے جس دم وہ ستارے بھی نظر سے
وہ بھانجے ٹکڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
کھینچی قمر فاطمہؑ نے آہ جگر سے
یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کی پسر سے
پامال ہوا یوں بدن اس رشکِ چمن کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا فرزندِ حسنؑ کا

۱۱۹
جب قتل ہوا حضرتِ عباسؑ سا بھائی
روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
تھا شور کہ اب سبطِ نبیؐ کی اجل آئی
پس تین پہر میں ہوئی سب گھر کی صفائی
پہنچے بصفت نکہتِ گل باغِ ارم میں
پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہو گئے دم میں

۱۲۰
مارے گئے زینب کے پسر آنکھوں کے آگے
دنیا سے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
عباسؑ ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
دیکھا کیے اور لٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا
وہ کون سا تھا داغ کہ مولا نے نہ دیکھا

۱۲۱
کیا روتے تھے یعقوبؑ جو بچھڑا تھا پسر ایک
مرجاتی ہے بلبل جو خزاں ہو گل تر ایک
ہر نخل ہے خواہاں کہ جدا ہو نہ ثمر ایک
یاں داغ عزیزوں کے بہتر ہیں جگر ایک
صدمے سے لہو تن میں نہیں زرد ہیں شبیرؑ
ایک زخم جگر کیا ہمہ تن درد ہیں شبیرؑ

۱۲۲
حضرت جو ہیں بیتاب تزلزل میں ہے گیتی
وہ دھوپ وہ لوں اور وہ جلتی ہوئی ریتی
کانپی ہوئی سب خاک پہ زہراؑ کی ہے کھیتی
ان سب کے سوا پیاس سنبھلنے نہیں دیتی
نیلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہے
تلواریں ادھر کھینچے ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہے

۱۲۳
اسوار ادھر بڑھتے تھے تیروں کو سنبھالے
واں فوج سیہ رو نے علم کھولے ہیں کالے
یاں تیر دعاؤں کے تھے اور آہوں کے بھالے
ہیں لعل کو زہراؑ کے ادھر جان کے لالے
میداں سے نہ بڑھتے تھے نہ ہٹ سکتے ہیں شبیرؑ
عباسؑ کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شبیرؑ

۱۲۴
تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہے
پیرانہ سری میں غمِ فرزندِ جواں ہے
جو نورِ نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہے
بھائی نہیں اب بازوؤں میں زور کہاں ہے
ٹوٹا ہے فلک عالمِ غربت میں نئے ہیں
ابنِ اسداللہ سے دو شیر چھٹے ہیں

۱۲۵
اس فوج میں ڈھالوں کا ہے ایک ابر سا چھایا
واں گھوڑے بھی سیراب ہیں دانا بھی ہے کھایا
اور چاند پہ زہراؑ کے ہے خورشید کا سایا
یاں تیسرا ہے روز کہ پانی نہیں پایا
خیمے ہیں ادھر دھوپ بھی لشکر پہ نہیں ہے
چادر تک ادھر لاشۂ اکبرؑ پہ نہیں ہے

۱۲۶
پلے پہ کمانداروں کے ہے شمر سیہ رو
جب تھامتے ہیں تیغ کا قبضہ شہِ خوش خو
چلّوں سے ملائے ہوئے ہیں تیر جفا جو
تھرّاتا ہے وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بازو
ایذائے جراحت ہے مگر اٹھ نہیں سکتی
اس ہاتھ سے تیغ اس سے سپر اٹھ نہیں سکتی

۱۲۷
ہردم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار
مولا سے یہ کہتی تھی یداللہ کی تلوار
طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجئے ہتھیار
جوہر مرے دکھلایئے یا سیدِ ابرار
ڈر سے نہ قدم ٹھہریں گے بیداد گروں کے
اک دم میں اڑا دوں گی سر ان خیرہ سروں کے

۱۲۸
بے رحم ہے یہ قوم بس اب رحم نہ کیجئے
سب قتل ہوئے خویش و پسر بھائی بھتیجے
اے قبلۂ کونین مجھے میان سے کھینچیے
صف بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں دیجیے
میں وہ ہوں کہ جس دم صفِ اعدا پہ جھکوں گی
جبریل بھی روکیں گے تو ہرگز نہ رکوں گی

۱۲۹
شہ کہتے تھے اے تیغِ وغا کس کو دکھاؤں
زورآوریِ شیرِ خدا کس کو دکھاؤں
جرأت جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
ضربِ اسدِ قلعہ کشا کس کو دکھاؤں
صبر ان کی جفاؤں کا کیا خیرِ بشر نے
بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہے پدر نے

۱۳۰
بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوجِ ستمگر
بتلاؤ مجھے جی اٹھیں گے عباسِ دلاور
پھر مجھ سے ملیں گے مرے بچھڑے ہوئے یاور
چھاتی سے لپٹ جائیں گے آ کر علی اکبرؑ
اک دم کے لیے گلشنِ ہستی کو اجاڑوں
نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اجاڑوں

۱۳۱
یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
غصے سے نظر آپ نے کی لشکرِ کیں پر
ماتھے سے لہو بہ کے گرا دامنِ زیں پر
تھرانے لگے روح امینؑ عرشِ بریں پر
واں زینبؑ ناشاد کھلے سر نکل آئی
یاں تیغِ علیؑ میان سے باہر نکل آئی

۱۳۲
ہاتف کی صدا آئی کہ اے تابعِ تقدیر
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سن کر شہِ دلگیر
ہاں اب ہے اجازت کہ دکھا جوہرِ شمشیر
نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکرِ بے پیر
ناطاقتیِ جسم نہ مطلق نظر آئی
تصویرِ جلالِ اسدِ حق نظر آئی

۱۳۳
وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
ڈھالیں نہ اٹھیں تھیں کہ گری برقِ شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اڑتے نظر آئے

۱۳۴
اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
یاں موج تو واں سیل، جو یاں ابر تو واں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
منھ زہر، روش قہر، بدن آگ، زباں برق
سرکش جو تھا ناری یہ جلاتی تھی اسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اسی کو

۱۳۵
اکڑی کبھی، ٹھہری کبھی، لچکی کبھی چمکی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر بہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گروں کی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

۱۳۶
تیزی تھی کہ شکر بھی ہر اک تھا مقر اس کا
خم ہو گئی تھی قلب یہ تھا منکسر اس کا
تھا کاٹ میانِ دو جہاں مشتہر اس کا
بے فتح عدو پر بھی نہ کھلتا تھا سر اس کا
تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہرا تھا
افعی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا

۱۳۷
پایا تھا عجب زور، عجب تیغ، عجب ہاتھ
کچھ دست میں اعدا کے نہ تھا ملتے تھے سب ہاتھ
بجلی سی چمک جاتی تھی اٹھ جاتا تھا جب ہاتھ
پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا عجب ہاتھ
شمشیر اجل فوج کے بھالوں سے رکی ہے
گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے رکی ہے

۱۳۸
کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
کس کو اسدِ حق کی لڑائی نہ دکھائی
صف کون سی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
مقتل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی
ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نکلی
شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی

۱۳۹
اک ضرب میں ہاتھ اس کے اڑائے تو سر اس کا
دل اس کا دو پارہ کیا کاٹا جگر اس کا
شاخیں کٹیں اس نخلِ ستم کی ثمر اس کا
دم ہو گیا آخر ادھر اس کا ادھر اس کا
جس جا پہ جھکے خوں کی ندی وہیں بہ جائے
کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باگ پہ رہ جائے

۱۴۰
سرداروں کو تیغِ دو زباں ڈھونڈھ رہی تھی
اعدا کے یہ چھپنے کا مکاں ڈھونڈھ رہی تھی
کفار کے علموں کا نشاں ڈھونڈھ رہی تھی
سب فوج ستم جائے اماں ڈھونڈھ رہی تھی
جو ہاتھ لگا خون میں اسے بھر دیا اس نے
پایا جسے یکتا اسے دو کر دیا اس نے

۱۴۱
تھا صورتِ آئینہ تمام اس کا بدن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نا اہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں یہ خس و خاشاک ہیں اعدا

۱۴۲
تھا دور تلک خون سے اس فوج کے رن سرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد، بدن سرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے ایک پھل سے چمن سرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ، دہن سرخ
بے وجہ نہ تھا لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑہ وہ اٹھائے ہوئے تھی خون عدو کا

۱۴۳
مغفر سے جلم کٹ گئی گردن میں در آئی
جوشن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
گردن سے سر کٹنا تھا کہ جوشن میں در آئی
تن سے ابھی اتری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

۱۴۴
قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پُر قہر قضا کا
باڑھ ایسی کہ رخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
ناہیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
پشہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
تمغہ کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جوہر میں انا سیف ید اللہ لکھا تھا

۱۴۵
چم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
تھی تیغ کہ قبضہ میں سلیماں کی پری تھی
اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اس کا
جو آگیا سایے میں بدن جل گیا اُس کا

۱۴۶
سیدھی جو چلے وہ تو صفِ فوج الٹ جائے
تھرائے فلک گاؤ زمیں ڈر کے سمٹ جائے
دشمن پہ پڑے جب تو لہو جسم کا گھٹ جائے
دیکھو جو خم اس کا مہِ نو شرم سے کٹ جائے
اس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہے
یہ سب صفتیں جس میں ہوں وہ سیفِ زباں ہے

۱۴۷
جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی
تھرائے جگر آنکھ ستمگاروں کی جھپکی
تصویر نظر آگئی بجلی کی تڑپ کی
سر اڑ گئے اور خون کی اک بوند نہ ٹپکی
سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا
آبِ دمِ شمشیر نے دم بند کیا تھا

۱۴۸
دم بھر کہیں شمشیرِ سرانداز نہ ٹھہری
روکا کئے وہ تفرقہ پرواز نہ ٹھہری
بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھہری
بے صید کئے صورتِ شہباز نہ ٹھہری
جب ہاتھ اُٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اس کا
پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا

۱۴۹
پیری کبھی گر خوں میں نہا کر نکل آئی
کائی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی
ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی
کیا ڈر اسے طوفاں کا جو چالاک ہو ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہو ایسا

۱۵۰
غصے میں گئی اور غضبناک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفاک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

۱۵۱
دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا
نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا
یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا
بد اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

۱۵۲
سرکش تھے جو اس فوجِ ستم گر میں ستمگار
جل جل کے وہ اخگر کی طرح ہوتے تھے فی النار
اک وار میں کرتی تھی دو لخت ان کو وہ تلوار
ترکیبِ عناصر میں خلل پڑتا تھا ہر بار
دوچار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا
ہر مصرعِ قد اس کا رباعی نظر آیا

۱۵۳
غل فوج میں تھا سیلِ فنا آئی ہے بھاگو
جانیں نہیں بچتیں کہ وبا آئی ہے بھاگو
منہ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہے بھاگو
سر اُڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی ہے بھاگو
اِن ڈھالوں سے روکو گے ہوش کہاں ہیں
جھونکا کوئی آیا تو یہ سب نخلِ خزاں ہیں

۱۵۴
جلتی تھیں صفیں شعلہ فشانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ رکتی تھیں روانی تھی غضب کی
کٹتے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی
آفت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی
بجلی سی چمکتی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبریلؑ
شہپر کو اٹھائے ہوئے تھراتے تھے جبریلؑ

۱۵۵
جب کوند کے اُٹھتی تھی وہ شمشیر فنا دم
فوجیں تھیں بنی جان کی سب درہم و برہم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظِ عالم
مضطر تھے فلک کانپتا تھا عرشِ معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبریلؑ
یا شیرِ خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبریلؑ

۱۵۶
لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو
بس رحم کرو سیدِ ذی جاہ اماں دو
اب پاؤں ٹھہرتے نہیں لِلّٰہ اماں دو
اب بہرِ سرِ خونِ یداللہ اماں دو
بخشو ہمیں اس تشنہ دہانی کا تصدق
پیارے علی اکبرؑ کی جوانی کا تصدق

۱۵۷
دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہِ والا
پھر ہو گیا سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا
پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا
اچھا نہیں اب لڑنے کی راضی بہ رضا ہیں
سو سر ہوں تو اکبرؑ کی جوانی پہ فدا ہیں

۱۵۸
پھر رو کے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے
اے شیر جواں باپ کی پیری کے سہارے
ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے
پر دشمنِ دیں بچ گئے صدقے میں تمھارے
رحم اُن پہ کیا گو مجھے غم دیتے ہیں اعدا
اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا

۱۵۹
تم مر گئے بیجا ہے یہ کوشش یہ لڑائی
اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی
وہ کیا جیئے جس پاس نہ بیٹا ہو نہ بھائی
ہو جائے کہیں جلد سر و تن میں جدائی
بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائیں گے بیٹا
بے جان دیئے ہم نہ تمھیں پائیں گے بیٹا

۱۶۰
فرما کے یہ شمشیرِ شرر ریز کو روکا
بیکل تھا مگر اسپِ سبک خیز کو روکا
روکا اُسے کیا شعلۂ سرتیز کو روکا
کس پیار سے چمکار کے شبدیز کو روکا
فرمایا کہ اُمت کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے
راکب ترا اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے

۱۶۱
شمشیرِ یداللہ ادھر میان میں آئی
پھر فوج عدو قتل کے میدان میں آئی
اور جان لعینوں کی اُدھر جان میں آئی
فریاد کی زہراؑ کی صدا کان میں آئی
رونے کا اٹھا شور مدینے کی طرف سے
صاف آئی صدا ہائے حسینا کی نجف سے

۱۶۲
واں خیمے سے نکلے حرمِ احمدِ مختار
فریاد ہے اک تشنہ دہاں لاکھ ستمگار
یاں قبلۂ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تن زار
گھر لٹتا تھا زہراؑ کا قیامت کی گھڑی تھی
بوچھار نہ تھی تیروں کی ساون کی جھڑی تھی

۱۶۳
ٹکڑے ہوا تیغوں سے محمدؐ کا جگر بند
پرزے تھی قبا خون میں ڈوبا تھا کمر بند
کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
ہر زخم کے کوچے تو کھلے امن کے در بند
طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھراتے تھے شبیرؑ
جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شبیرؑ

۱۶۴
جب لگتی تھی برچھی تو یہ فرماتے تھے سرور
تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازوئے انور
زخمی تری چھاتی کے ہیں صدقے علی اکبرؑ
چلا کے یہ کہتے تھے کہ ہیہات برادر
کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شبیرؑ
لاشِ علی اصغرؑ کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

۱۶۵
تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا
جن و ملک و انس میں رقت ہوئی برپا
گھوڑے سے گرے شاہ قیامت ہوئی برپا
دنیا میں اسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
ڈوب کے جو پیکاں تن شفاف سے نکلے
سر کھول کے پریوں کے پرے قاف سے نکلے

۱۶۶
تڑپے جو زمیں پر گئی باری شہِ والا
اٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھالا
تھا شور کہ لو ہو گئی دنیا تہ و بالا
خم ہو گیا وہ فاطمہؑ کی گود کا پالا
طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اٹھتے وہ سنبھل کر
غش ہو گئے ریتی پہ لہو منہ سے اگل کر

۱۶۷
خنجر کو ادھر شمرِ ستم گار نے دیکھا
فرزند کا منہ حیدرِ کرار نے دیکھا
ڈیوڑھی سے ادھر زینبؑ ناچار نے دیکھا
خیمے کی طرف سیدِ ابرار نے دیکھا
غم تھا نہ کہیں زینبؑ خوش خو نکل آئے
خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

۱۶۸
جب خشک گلے پر ہوئی خنجر کی روانی
پیاسے ہی سدھارے نہ بجھی تشنہ دہانی
دوبارہ اشارہ کیا حضرت نے کہ پانی
سر کاٹ کے سینے سے اٹھا ظلم کا بانی
بھائی نے تڑپنا بھی نہ ماں جائی کا دیکھا
نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا

۱۶۹
ہاں حیدریو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
پرسا دو کہ ہے فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
مذبوح قفا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اَٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

۱۷۰
مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
ان زخموں کے قرباں دلِ محزوں کے تصدق
آقا ترے پیراہنِ پرخوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدمِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سید ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

۱۷۱
زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے شانے پہ ردا رہنے نہ پائی

۱۷۲
وہ دھوپ وہ اوس آٹھ پہر ہائے حسینا — لی آکے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا — کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا — ظالم نے سر پاک کو تنور میں رکھا

۱۷۳
خاموش انیس اب کہ جگر چاک ہے غم سے — بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہِ امم سے — مولا مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
کب تک غم دنیا میں گرفتار رہوں میں — آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

رباعی

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے — مانند حباب ہستئ انسان ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد — سینہ کشتی ہے ناخدا ایمان ہے

رباعی

کیا فیض علیؑ کے قدمِ پاک سے ہے — روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِ نجف قطرۂ آب — پانی کی بھی آبرو اُسی خاک سے ہے

رباعی

جو بند کہا نذرِ حیدرؑ کے لیے — جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لیے
اس گرمی میں مصروف عرق ریزی ہوں — اک جامِ شرابِ حوضِ کوثر کے لیے

رباعی

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے — جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانند حباب — غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

مرثیہ ۱

طے کر چکے حسینؑ جو راہِ ثواب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اس جناب کو
مقتل نظر پڑا شہِ گردوں رکاب کو
اک عید ہو گئی خلفِ بو تراب کو
دل مثل غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاض خلد میں جانے کا مل گیا

۲

صحرا پہ ہر طرف شہ دیں نے نگاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذا سے راہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
ہاں اب کرو پسند جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارض پاک سے
الفت ہماری خاک کو ہے یاں کی خاک سے

۳

مشتاق اس نواح کا تھا فاطمہؑ کا لال
آفاق میں یہ ارض مقدس ہے بے مثال
رہتا تھا خواب میں بھی اسی دشت کا خیال
سبزہ یہاں کا رحمت خالق سے ہے نہال
اب تک کسی صدف کو نہ ایسے گہر ملے
گردوں کو ایک اس کو بہتر قمر ملے

۴

شکر خدا کہ رنج سفر سے ہوا فراغ
خاطر شگفتہ ہو گئی اور دل ہے باغ باغ
غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اس کار و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

۵

عالم میں قدر و منزلت اس کی سوا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
گرد اس کی بحر چشم ملک تو تیا ہوئی
یہ خاک پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی
تیغ عذاب حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

۶

کی سرو بوستان حسنؑ نے یہ گفتگو
اکبرؑ یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے وطن کی بو
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خو
یاں کون سی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

۷

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل
پانی بھی خوش گوار ہوا بھی ہے معتدل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہاتھ منہ کو لب نہر دھوئیں گے
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

۸

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمے کرو بپا
رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

۹

زینبؑ نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہے

۱۰
جنگل میں ہے بشر کے لیے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
بچے بھی مارے ہول کے ہیں تر پسینے میں
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں

۱۱
اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار
یہ باد تند تیر سی ہوتی ہے دل کے پار
نشتر سے کم نہیں رگ جاں کو یہ سبزہ زار
اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھکو آتی ہے

۱۲
لوگو مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب
موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہے دل کو پیچ و تاب
کاسے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغر حباب
ڈوبا ہے کون شور ہے کیسا میانِ آب
دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں
لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں

۱۳
پوچھو کسی سے مسلمؑ مظلوم کی خبر
بچوں کے اس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر
تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر
لاشے بہا دیے اسی دریا میں کھینچ کر
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھکو آئی ہے

۱۴
یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر
مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر
یاں سوئے گا تو اے مرے عباسؑ نامور
وسواس کا مقام ہے جا گہ قلق کی ہے
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیر حق کی ہے

۱۵
غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حواس
اصغرؑ بلک رہا ہے سکینہؑ کو ہے ہراس
عباسؑ کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
خیمے یہاں ہوئے تو ہوئی زندگی سے یاس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پر آب میں
ایسا ہی دشت تھا جسے دیکھا تھا خواب میں

۱۶
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن
یہ نہر علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن
اترو یہیں کہ خوف کی جا گہ نہیں بہن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کے وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کیا
خیمہ یہاں ہوا تھا جناب امیرؑ کا

۱۷
کچھ مال و زر نہیں کہ تلف کا ہو جس کے ڈر
مسکن یہی زمیں ہے یہی بے گھروں کا گھر
یکساں ہے بے وطن کے لیے شہر و دشت و در
کیا جانیں اس مقام سے ہو کس طرف سفر
انساں کو چاہیے کہ گناہوں سے پاک ہو
شاید ہماری خاک اسی بن کی خاک ہو

۱۸
یہ سن کے بنتِ فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ
بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ڈوبے گا بحر خون میں دو عالم کا بادشاہ
سر پر اڑاؤ بیبیو اس سرزمیں کی خاک
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک

۱۹

اترے فرس سے حضرت عباسؑ نیک نام
فراش چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام
بٹھلائے اونٹ خیمے کے سب کھینچ کر زمام
تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آ پہونچی فوج شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

۲۰

گھوڑا بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا
ہٹ جاؤ ابن سعد کے خیمے کی ہے یہ جا
بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ڈھونڈھو کنوئیں کہیں تمہیں دریا سے کام کیا
گرمی میں بند ہوئے گا پانی امام پر
ہوگا نہ کل ہوا کا گذر اس مقام پر

۲۱

چھپ جائے گی سپاہ کی کثرت سے سب زمیں
دریا بھی سوکھ جائے تو اس کا عجب نہیں
موسم وہ ہے کہ اتریں گے سب نہر کے قریں
جلدی کنارہ کش ہوں کنارے سے شاہِ دیں
دنیا میں آج شام کے حاکم کا زور ہے
یاں دوپہر سے شمر کے آنے کا شور ہے

۲۲

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوش خصال
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
غازی کو شیرِ حق کی طرح آ گیا جلال
اب کوئی ہم کو یاں سے ہٹاوے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستیں کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمیں کو

۲۳

دیکھیں ہٹا تو دو نہیں ہٹنے کے یاں سے ہم
گرداں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
برپا کریں گے اب تو یہیں خیمۂ حرم
آلِ نبیؐ بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم
ہم اور خوفِ جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں

۲۴

گو فوج کم امامِ دلاور کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے
روحِ رسولؐ نائبِ حیدرؑ کے ساتھ ہے
لاکھوں تو لے سکیں یہ زمیں سر کے ساتھ ہے
غصے کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

۲۵

یاں سے کہیں بتول کا پیارا نہ جائے گا
لاشہ بھی اٹھ کے یاں سے ہمارا نہ جائے گا
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا
رکھتے ہیں اس زمیں کے لیے سر کو ہاتھ پر
قبضہ ہے تابہ حشر ہمارا فرات پر

۲۶

اعدا پکارے تب کہ نہ مانیں گے ہم یہ بات
بولا یہ سن کے بازوئے سلطانِ کائنات
اترے گی آ کے فوج ہماری لبِ فرات
ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دستِ خدا کا ہات
کیا تم کو ضربِ تیغِ علیؑ کی خبر نہیں
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں

۲۷

ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہلِ شر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر
عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضے پہ ہاتھ ادھر
بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
للہ شیر بیشۂ حیدرؑ کو روکیے
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکیے

۲۸
عباسؑ کو یہ بڑھ کے پکارے شہِ اُمم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیِ ستم
کھینچو نہ تیغ روحِ علیؑ کی تمھیں قسم
خیمہ کریں گے اور کہیں یاں سے جاکے ہم
پہلے گروہ کام کہ جو فرضِ عین ہو
بے چین ہوں تو ہم ہوں پہ امت کو چین ہو

۲۹
غصہ یہ کس پہ میری طرف تم کرو نظر
پہچانتے نہیں تمھیں بھائی یہ اہلِ شہر
تم کو ہٹا سکے کوئی کس کا ہے یہ جگر
جانے دو آؤ دور کرو دھیان ہے کدھر
منظور ناریوں کو ہے پانی کا آسرا
کوثر ہے اپنی تشنہ دہانی کا آسرا

۳۰
بیکس ہیں ہم کو تیغ پکڑنا نہ چاہیے
گر جان پر بنے تو بگڑنا نہ چاہیے
غربت میں قافلے سے بچھڑنا نہ چاہیے
امت سے نانا جان کی لڑنا نہ چاہیے
مشکل جو ہے خلق میں آخر فنا تو ہے
دریا اگر قریب نہ ہوگا خدا تو ہے

۳۱
کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل
ہمت میں فرق ہے کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل
مالک ہو تم تمھارا ہی دریا پہ ہے عمل
غصے کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
مانو مرا کہا میں تمھارا امام ہوں
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں

۳۲
سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب
ذرے کو تاب کیا ہے بھلا پیشِ آفتاب
ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابنِ بوترابؑ
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
حکمِ حضور حکمِ خدا و رسولؐ ہے

۳۳
بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہِ بحر و بر
دے دیں گر اُن کو آپ مرے ہاتھ باندھ کر
مولا عدو ل حکمی کی کیا تاب کیا جگر
ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
گر یہ بدی کریں نہ شہِ کائنات سے
سر اپنا کاٹ دوں میں انھیں اپنے ہات سے

۳۴
فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار
ہے ابنِ فاطمہؑ کی کمر تجھ سے استوار
سر میرا تیرے سر پہ تصدق ہزار بار
بولا وہ باوفا کہ غلامی ہے افتخار
ہاں یہ ملال ہے کہ سر اُن کے کٹے نہیں
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

۳۵
حضرت کے حکم سے تو لیا میں نے ہاتھ تھام
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے کہا اے سپاہِ شام
ہٹ جائیں پہلے یہ تو ہٹے آپ کا غلام
ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی ہو جاؤ گے تمام
لاکھوں ہوں گر تو ہوں اسے ٹوکا نہ جائے گا
بگڑے گا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا

۳۶
جس وقت یہ سنے شہِ ذی جاہ کے کلام
بھائی کو ساتھ لے کے پھرے سید الانام
پسپا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہِ شام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباسؑ نیک نام
کہتے تھے راہ میں کہ نہ وار اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

۳۷
وقت ایسا اب ہے آگیا یا سیدِ اُمم
پانی بھی چھاگلوں میں بہت رہ گیا ہے کم
گرمی میں پیاس لگتی ہے بچوں کو دم بہ دم
فرمایا شہ نے چاہیے اللہ کا کرم
پانی کے بند کرنے پہ وہ ہیں تلے ہوئے
جنت کے در ہماری طرف ہیں کھلے ہوئے

۳۸
یہ کہہ کے آیا دھوپ میں زہرا کا آفتاب
حقا بھی موجِ رحمتِ حق جس کی ہر طناب
برپا ہوئے خیامِ امامِ فلک جناب
بے چوبہ فلک نظر آنے لگا حباب
صحن اس کا سب بتول کے پیاروں سے بھر گیا
اِک آسمان تھا کہ ستاروں سے بھر گیا

۳۹
خیمے میں اترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کھینچیے نگاہ
آ آ کے اس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
یاں تک کہ بند ہوگئی چاروں طرف کی راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اک رات میں چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

۴۰
اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
جس کے جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم
آپہونچا شام سے پسرِ سعد نحس و شوم
اکثر ہیں یکہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئے گا

۴۱
یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشاں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں
اُمڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
ہلتا تھا دشتِ کیں دہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

۴۲
جنگی وہ رومیوں سے پرے شامیوں کے دل
مکار و اہلِ نار و دغا باز و پُر دغل
خوفِ خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلیں مہیب دیو سے مُدا ابرُوں پہ بل
بدخواہِ خاندانِ رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

۴۳
تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دم بہ دم تھی صدا آسماں کے پار
غل ہوگیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
آگے بڑھے جلو یہ نقیبوں کی تھی پکار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

۴۴
اترا قریبِ خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
سر پہ لگایا دوڑ کے خادم نے چترِ زر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
خیمہ ہے کس طرف کو شہِ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

۴۵
خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر
آئے تھے یاں اترنے کی خاطر امامِ دہر
ہم نے اٹھا دیا انھیں لیکن بہ جبر و قہر
عباس مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیر پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

۴۶
وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
پہروں علیؑ کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین
بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ ہے نہ دریا قریب ہے

۴۷
بولا شقی کہ کتنی ہے فوجِ شہِ اُمم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم
سنتے تھے واں سپاہِ حسینی کی دھوم ہم
فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جواں ہیں

۴۸
ہے اِک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشاں
اردو میں جنسِ غم کے سوا جنس ہے گراں
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کارواں
غلہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و ناں
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں
کل سترہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

۴۹
مطبخ ہے سرد آگ کا اس میں نہیں ہے نام
خاک آبدار خانے میں اُڑتی ہے صبح و شام
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
کیونکر لڑیں گے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یاں سیکڑوں کمانیں ہیں فوجِ امیر میں
دو دو گریں گے خاک پہ ایک ایک تیر میں

۵۰
یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
کچھ نوجواں ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
پس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگامِ دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائیں گے
اُن سے تو نیچے بھی سنبھالے نہ جائیں گے

۵۱
کیا جانے دل میں سوچ تھے کیا شاہِ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے دغا
مقتل میں کھینچ کر انھیں لے آئی ہے قضا
عمریں ہیں چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑیں گے کیا
کچھ آزمودہ کار نہیں کچھ مُسن نہیں
اُن کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہیں

۵۲
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کو تو اٹھارواں ہے سال
نو دس برس کے ہوئیں گے زینبؑ کے دونوں لال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبّرؑ کا نونہال
ہاں ایک جواں ہے حضرتِ عباسؑ خوش خصال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
خط ایک طرف مسیں بھی کسی کی عیاں نہیں

۵۳
سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہِ نامدار
زینبؑ کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار
بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
دس ہیں عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
یہ سترہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

۵۴
بتیس سب سوار شہِ دیں کے پاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر باحواس ہیں
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہیں
غازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہوں گے جواں یاں کئی ہزار	۵۵	خولی نے کی یہ عرض یہ ممکن نہیں شمار
ہیں تین چار کوس کے گردے میں سب سوار		اک اک جواں ہے رستمِ میدانِ کارزار
کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے		لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے
پیدل ہیں اک طرف تو رسالے ہیں اک طرف	۵۶	خنجر ہیں ایک سمت تو بھالے ہیں اک طرف
جاں باز ہاتھ قبضوں پہ ڈالے ہیں اک طرف		اور دس ہزار برچھوں والے ہیں اک طرف
سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہِ دیں میں ہیں		کھینچے ہوئے کمانوں کو سرکش کمیں میں ہیں
ہاتھوں میں پہلوانوں کے ہیں گرز گاؤ سر	۵۷	ضربت سے جن کے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا بچھی ہوئی ہیں کمندیں ادھر ادھر		کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالوں کی نہر پر
سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہیں		تیغیں بھی ہیں اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں
بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار	۵۸	نوک اس کی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار		آئے تو رن میں حضرتِ شبیرؑ کا یادگار
اب کوئی دم میں گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے		تلوار آج زہر میں میں نے بجھائی ہے
تیغا اٹھا کے کوئی یہ کہتا ہے بد مزاج	۵۹	قیمت ہے اس کی شام کا اور روم کا خراج
دریا پہ ان کو لائے تو پانی کی احتیاج		عباسِ نامدار کے کاٹوں گا ہاتھ آج
جب دولت علیؑ کو قضا لوٹ جائے گی		فرزندِ فاطمہؑ کی کمر ٹوٹ جائے گی
کہتا ہے کوئی تیر کو چلے میں جوڑ کے	۶۰	گزرے گا یہ گلا علی اصغرؑ کا توڑ کے
سوئیں گے جب زمین پہ جھولے کو چھوڑ کے		دونوں کڑے اتاروں گا پہونچے مروڑ کے
اصغرؑ کا طوق اپنے پسر کو پہناؤں گا		سوغات کربلا سے یہی لے کے جاؤں گا
سنتا تھا میں کہ کہتا تھا اک شخص بر ملا	۶۱	گھوڑے سے جب گریں گے شہنشاہِ کربلا
جو فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں سے ہے پلا		چھاتی پہ چڑھ کے کاٹوں گا اس شاہ کا گلا
وارث نہ کوئی ہوئے گا سید کی لاش کا		لوٹوں گا سب لباس تنِ پاش پاش کا
کوفے کے لوگ کرتے ہیں آپس میں یہ سخن	۶۲	اب بعد فتح بازوئے زینبؑ ہے اور رسن
سر پر ردا نہ ہوگی کہ بھائی کو دے کفن		خیمہ جلا کے لوٹیں گے اسباب پنج تن
ہے آرزو کہ دولتِ آلِ عباؑ ملے		دیکھیں کسے علیؑ کی بہو کی ردا ملے
بولا خبر یہ سن کے وہ بانیٔ ظلم و جور	۶۳	کل تک ابھی تو شام سے آئے گی فوج اور
حاکم ہیں آج زیرِ فلک ہے ہمارا دور		سر کاٹ لیں گے صلح کا ہوگا اگر نہ طور
فرصت اب ایک دم کی نہ ہاں دو حسینؑ کو		بیعت اگر کریں تو اماں دو حسینؑ کو

۶۴
بولا کوئی کہ ہے انھیں بیعت سے اجتناب
کہنے لگا وہ تیرہ دروں کھا کے پیچ و تاب
مرنے کو راہ حق میں سمجھتے ہیں وہ ثواب
یاں اب خیام شہ میں پہونچنے نہ پائے آب
پیاسوں پہ تیریاں سے بھی پڑتے ہیں کس طرح
دیکھیں حسینؑ لاکھوں سے لڑتے ہیں کس طرح

۶۵
یہ کہہ کے اپنے خیمے میں آیا وہ خیرہ سر
ظاہر ہوئی جو رن میں شب قتل کی سحر
یاں غازیوں نے رات عبادت میں کی بسر
پڑھ کر نماز شہ نے کسی جنگ پر کمر
گردوں نشیں سروں کو بہم پیٹنے لگے
بکھرا کے بال اہل حرم پیٹنے لگے

۶۶
زینبؑ تھی بے حواس پریشان سر کے بال
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت بہن کا حال
چلاتی تھی دوہائی ہے یا شیر ذوالجلال
غل تھا کہ مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
فرما کے الوداع ہر اک سوگوار سے
خیمے سے نکلے شاہ پیمبر مزار سے

۶۷
جب صدر زیں پہ دوش نبی کا مکیں چڑھا
گویا کہ آسماں پہ خدیو زمیں چڑھا
خاتم پہ جیسے در نجف کا نگیں چڑھا
غل پڑ گیا جواد پہ ضرغام دیں چڑھا
ایک ایک رخ پہ قدرت حق کا ظہور تھا
لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

۶۸
مجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
ہنس کر نظر عزیزوں کی جانب جو کی ذرا
حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
سب باغ فاطمہؑ نظر آیا ہرا بھرا
تھے اس طرح جوانوں میں لڑکے ملے ہوئے
ہوں جس طرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

۶۹
ہنگام صبح تھی عجب اس باغ پر بہار
لٹکے ہوئے تھے چہروں پہ گیسوئے پیچ دار
جوں غنچہ مسکراتا تھا ایک ایک گلعذار
گھوڑے ہوا تو نکہت گل تھے وہ شہ سوار
شملے چھٹے جواد پہ کمریں کسے ہوئے
خوشبو سے تنگی عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۷۰
قد چھوٹے چھوٹے سرو گلستان اعتدال
چہرے بہ رنگ لالہ شجاعت سے لال لال
شمشاد جن کے سایۂ قامت سے پائمال
رخ صاف صاف جن پہ نمایاں نہ خط نہ خال
کیا دخل نور حسن میں خال سیاہ کو
نقطے کی احتیاج نہیں مہر و ماہ کو

۷۱
گل دستہ حسینؑ میں اکبرؑ سا گل بدن
سنبل کو لائے پیچ میں وہ زلف پر شکن
قرباں جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن
غل تھا کہ تنگ تر کہیں غنچہ سے ہے دہن
مطلب کھلا ہو ہے خط سبز رنگ کا
یہ حاشیہ لکھا ہے اسی متن تنگ کا

۷۲
تھی گرچہ پیاس سے دل نازک کو بے کلی
یوں مسکرائے بات شجاعت کی جب چلی
لیکن شگفتہ تھا وہ گل گلشن علیؑ
جیسے کھلی ہوئی ہو گل سرخ کی کلی
خوش بو مہک گئی چمن کائنات میں
بوئے تو پھول جھڑنے لگے بات بات میں

۷۳

کیا رد ہلالِ عید کا ابرو کے سامنے
بیجا ہے ذکر مشک کا گیسو کے سامنے
آئینہ و جمِ آئینۂ رو کے سامنے
پانی گلاب جسم کی خوش بو کے سامنے
مضموں صفاتِ قد کا قیامت سے لڑ گیا
قامت کے آگے سرو خجالت سے گڑ گیا

۷۴

عباس نامدار جوانوں میں لاجواب
قد سروِ باغِ حسن تو رخ مثل آفتاب
حمزہؑ کا زور جعفرِ طیار کا شباب
شبیرؑ کا خلق شان و شکوہِ ابوترابؑ
لڑنے کو فوج کیں سے بہادر تُلا ہوا
سر پر نشانِ دیں کا پھریرا کھلا ہوا

۷۵

چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ بڑھے جب وہ گلعذار
اس دم فرس پہ مبتلائے عالم ہوئے سوار
مہمیز کی مگر نہ بڑھا واں سے راہوار
حضرت کے منہ کو تکتا تھا پھر پھر کے بار بار
گو وہ امام گراں تھا دلِ دردناک پر
آنکھوں سے اس کے اشک ٹپکتے تھے خاک پر

۷۶

آزردہ ہو کے اس سے یہ بولے شہِ اُمم
تو ساتھ اگر نہ دے تو پیادے ہی جائیں ہم
بولا یہ کانپ کے وہ اسپِ خوش قدم
قدموں کو میں نہ چھوڑوں گا جب تک ہے دم میں دم
میری طرف حضور نہ رک رک کے دیکھیے
مولا مرے قدم کی طرف جھک کے دیکھیے

۷۷

جھک کر جو پشتِ زیں سے شہِ دیں نے کی نظر
دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہے آنکھ مل کے قدم پر وہ نوحہ گر
اے ذوالجناح دخترِ زہراؑ پہ رحم کر
پاؤں گی پھر نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
لیجا نہ تو بہن سے چھڑا کر حسینؑ کو

۷۸

پچھلے سموں پہ رکھے ہے سر دوسری بہن
پکڑے شکار بند کو ہے بیوۂ حسنؑ
روکے ہے راہ زوجۂ عباسؑ صف شکن
گھونگھٹ دھرے ہے یاں پہ اک رات کی دولہن
صدمے سے تھرتھری ہے تنِ خوش خرام میں
ڈالے ہے ننھے ہاتھ سکینہؑ لگام میں

۷۹

گردن سے لپٹی کہتی ہے بانوئے نامدار
صدقے میں تیرے اے مرے آقا کے راہوار
کرتا ہے مجھکو رانڈ محمدؐ کا یادگار
کام آکے ہوں علیؑ کی بہو میں جگر فگار
مر جاؤں گی میں ساتھ جو وارث کا چھٹ گیا
آگے قدم بڑھا تو مرا راج لٹ گیا

۸۰

اترے قدم رکابوں سے حضرت نکال کر
ہاتھوں سے خود بہن کو اٹھایا سنبھال کر
رو کر کہا ابھی سے نہ زینبؑ یہ حال کر
بولی وہ ہاتھ شاہ کی گردن میں ڈال کر
کچھ زور بےقراریِ دل سے نہ چل سکا
بھائی میں کیا کروں نہ کلیجہ سنبھل سکا

۸۱

فرمایا تم کو فاطمہؑ کی روح کی قسم
جاؤ ابھی تو آئیں گے مقتل سے پھر کے ہم
بچوں کو ساتھ لے کے چلے پیٹتے حرم
رستے سے پھر کے بولی یہ زینبؑ بہ چشمِ نم
تسکیں نہیں مرے دلِ پر اضطراب کو
گھوڑے پہ تم چڑھو میں سنبھالوں رکاب کو

۸۲
عباس نے کہا کہ نہیں آپ کا یہ کام
تنہا ہمارے بعد جو رہ جائیں گے امام
خدمت کے واسطے ابھی حاضر ہے یہ غلام
تب تھامو رکاب شہنشاہِ تشنہ کام
حیدر نے دی صدا کہ ادھر دل حزیں بھی ہے
زہرا بھی ہے رکاب میں روح الامیں بھی ہے

۸۳
روتے ہوئے فرس پہ چڑھے بادشاہِ دیں
رخسار آفتاب تو مہتاب تھی جبیں
تھے پشتِ زیں پہ شاہ کہ خاتم پہ تھا نگیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے
ذرے زمیں پہ اخترِ تابندہ ہو گئے

۸۴
میداں میں جب سواری شاہِ امم چلی
فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
کس شان سے جلو میں سپاہِ حشم چلی
بدلی ہوا نسیمِ ریاضِ ارم چلی
سرتاجِ عرش تھا جو نگیں صدرِ زین پر
قدسی پروں کو فرش کیے تھے زمین پر

۸۵
جوں جوں قدم بڑھاتا تھا سرور کا خوش خرام
تھا ارضِ کربلا سے معلیٰ کا یہ کلام
بنتے تھے نقشِ سم سے زمیں پر مہِ تمام
گو فرش تھی پہ آب میں ہوئی عرش احتشام
ذروں کا اس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
ہر سنگ ریزہ رشکِ درِ شب چراغ تھا

۸۶
بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
ہنستے تھے روئے مہر پہ ذروں میں تھا یہ نور
ہنستا تھا کہکشاں پہ یہ جادے کا تھا غرور
ہر سنگ ریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغِ طور
تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبر سرشت ہوں
کہتی تھی گرد نکہتِ باغِ بہشت ہوں

۸۷
وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشیدِ خاوری
وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ حیدری
وہ صاف صاف آئنۂ چرخِ اخضری
راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
صدقے سواری شہِ گردوں رکاب کے
گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

۸۸
پہونچا جو اس حشم سے خدیوِ جہانِ دیں
کھولا نشانِ مرتضوی نے نشانِ دیں
صف باندھ کر کھڑے ہوئے سب ناصرانِ دیں
غل پڑ گیا کہ آج دوبالا ہے شانِ دیں
قدسی سب اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے
طوبیٰ کا سر بھی جھک گیا تسلیم کے لیے

۸۹
ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل
جرأت میں بے نظیر شجاعت میں بے عدیل
پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیلؑ
فاقوں میں صبر و شکر تھے دل اُن کے سیر تھے
جاں باز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

۹۰
سر پر عمامے چاند سی پیشانیوں پہ نور
لب برگِ گل سے سوکھے ہوئے پیاس کا وفور
حاضر گلا کٹانے کو سب شاہ کے حضور
یکتا ہر اک مگر نہ تکبر نہ کچھ غرور
پیرو امام کے تھے نہ کیوں خوش طریق ہوں
آقا حسینؑ سا ہو تو ایسے رفیق ہوں

۹۱
ہر دم فروتنی کا لبوں پر کلام تھا
ایک ایک دل سے عاشقِ شاہِ انام تھا
شکرِ خدا سے ان کی زبانوں کو کام تھا
آنکھوں میں نشۂ مئے حبِّ امام تھا
ہر حال میں وہ لوگ رضا جوئے شاہ تھے
رُخ اُن کے مثلِ قبلہ نما سوئے شاہ تھے

۹۲
ذی جاہ و ذی جلالت و ذی فہم و ذی شعور
ہر شخص نشۂ مئے حبِّ علیؑ میں چور
شایقِ ریاضِ خلد کے مشتاقِ وصلِ حور
ذکرِ دعائے نور سے پیشانیوں پہ نور
ذرہ نہ مہر و ماہ میں اور اِن میں فرق تھا
اک اک جوان حسن کے دریا میں غرق تھا

۹۳
ناگاہ فوجِ شام میں بجنے لگا دُہل
کڑکیں کمانیں آنے لگے ناوکِ اجل
تیغیں کھنچیں چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
شیروں کے تیوروں پہ پڑے اس طرح کے بل
تن تن کے ہونٹ چاب کے تھرا کے رہ گئے
تیروں کے زخم شاہ کو دکھلا کے رہ گئے

۹۴
بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرؑ خوش نہاد
یوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد
ہاں اے مجاہدو رہِ حق میں کرو جہاد
سرخی لبوں پہ آگئی پایا گلِ مراد
بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

۹۵
جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
نعرہ ہر ایک ضرب پہ تھا یا علیؑ مدد
دو کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

۹۶
کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
دریا کی سمت رُخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم سے عرب لڑے
پیاسے تھے تین روز کے لیکن عجب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

۹۷
الحق تھے شیرِ بیشۂ ہیجا وہ صف شکن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن
مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخمِ تن
قربان بندہ پروریِ سرورِ زمن
غازی ستمگروں سے وغا کر کے مر گئے
حقِ نمک جو تھا وہ ادا کر کے مر گئے

۹۸
جب داخلِ جناں ہوئے وہ خاصگانِ حق
فرزندِ فاطمہؑ کو نہایت ہوا قلق
برہم ہوئے نبیؐ کے مرقع کے بھی ورق
صدمے سے ہو گیا رُخِ انور کا رنگ فق
چمکی جو اُن کی تیغ تو بجلی چمک گئی
شیروں کی آنکھ خوف کے مارے جھپک گئی

۹۹
لڑکے ہوئے جو معرکہ آرائے کارزار
پیدل نہ اُن کی ضرب سے بچتا تھا نے سوار
واں کے جواں نہ روک سکے بچوں کا وار
کر دیتے تھے وہ ایک کو دو اور دو کو چار
چھوٹے سے بچوں سے ستمگر پہ تنگ تھے
گہہ سر پہ گہ کمر پہ کبھی زیرِ تنگ تھے

۱۰۰
لشکر میں اہل ظلم کے غل تھا کہ الاماں
اُن سے کہیں پناہ نہیں زیر آسماں
دو بجلیاں چمکتی ہیں بھاگے کوئی کہاں
یہ کس کے شیر ہیں کہ نہیں جن کو خوف جاں
حضرت پکارتے تھے کہ دو دن کے پیاسے ہیں
جس کا پسر ہوں میں یہ اسی کے نواسے ہیں

۱۰۱
پامال کرکے فوج کو جب وہ ہوئے تمام
نکلا جہاد کرنے کو پھر بازوئے امامؑ
روشن کیا چراغِ حسنؑ نے تب اپنا نام
ایسا لڑا کہ ڈوب گئی خوں میں فوج شام
روئے امام اس کی جوانی کے واسطے
دریا پہ قتل ہو گیا پانی کے واسطے

۱۰۲
رخصت ہوا پدر سے علی اکبرؑ دلیر
آخر ہجوم کرکے لیا ظالموں نے گھیر
لشکر کو سرکشوں کے کیا اس نے دم میں زیر
برچھی جگر پہ چل گئی مارا گیا وہ شیر
صدمے حال سبطِ نبیؐ غیر ہو گیا
تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہو گیا

۱۰۳
تنہا کھڑے تھے دل کو سنبھالے ہوئے حسینؑ
خیمے کے در پہ بی بیاں کرتی ہیں رو کے بین
ہلتا تھا چرخ کہتے تھے جب ہائے نورِ عین
چلاتی تھی یہ فاطمہؑ زہراؑ بہ شور و شین
صدمے سہوں کلیجے پہ کس کس کے داغ کے
افسوس پھول جھڑ گئے سب میرے باغ کے

۱۰۴
راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بحال زار
دن کو ہوا قِران مہ و مہر آشکار
لائے حسینؑ ہاتھوں پہ اِک طفل شیرخوار
مرجھا گیا پیاس سے لیکن وہ گل عذار
تھا فرطِ غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں منہ تھا کھلا ہوا

۱۰۵
چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا زیب سر
جُٹی بھویں وہ جن پہ تصدق دلِ پدر
ماتھا جھنڈولے بالوں میں ہالے میں جوں قمر
آنکھیں تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر
سایے میں دامنِ خلف بو ترابؑ کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

۱۰۶
پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل ادھر ادھر
باچھوں سے تھا نمود جمے دودھ کا اثر
خشکیدہ ہونٹ موئے مژہ آنسوؤں سے تر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینے پر
چھٹے سے دل کو ماں سے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوا سے گرم ہے جسم اس کا سرد تھا

۱۰۷
مہکی ہوئی تھی دشت میں گل سے بدن کی بو
شہ سونگھتے تھے دودھ بھرے اس دہن کی بو
ان گورے گورے گالوں میں تھی یاسمن کی بو
گویا لبوں سے آتی تھی نہر لبن کی بو
آثار مرگ پھول سے رخ پر نمود تھے
ہچکی لگی ہوئی تھی مسوڑھے کبود تھے

۱۰۸
تھے لعل لب نگینۂ یاقوت احمری
غنچہ کا منہ ہے کیا جو کرے اُن سے ہمسری
رنگیں ہے جن کے وصف میں باغ سخنوری
وہ خار یہ رگ گل بستانِ حیدریؑ
تھی نازکی میں اس پہ خزاں مارے پیاس کے
تالو سے لگ گئی تھی زباں مارے پیاس کے

۱۰۹
روشن گلا تھا شمع تجلی طور حسن — مثل ستارۂ سحری تھا وہ نور حسن
کھینچے ہوئے تھا ننھی سی ہنسلی کو نور حسن — ہوتا ہے جس طرح مہ نو سے ظہور حسن
چھیدیں وہی گلا یہ لعینوں کے جی میں تھا — یاں کنٹھ بیٹھ جانے سے جی دھکدھکی میں تھا

۱۱۰
کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر — پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دم سحر
سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر — گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دم بہ دم جو دم اُس کا اٹکتا تھا — گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا تھا

۱۱۱
صدمے سے پیاس کے رخِ معصوم تھا جو زرد — حضرت فلک کو دیکھتے تھے بھر کے آہ سرد
ہچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد — آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد
پانی کی جستجو تھی شہِ نوش صفات کو — تکتے تھے چشمِ یاس سے نہر فرات کو

۱۱۲
جاری یہ لب پہ تھا کہ نہ آیا تجھے حجاب — اے نہر مر گئے مرے بچے بغیر آب
دو دن سے خشک ہیں چمنستان بوتراب — محشر میں دے گی ساقیِ کوثر کو کیا جواب
سیراب سب چرند و پرند اور پیاسے ہم — شکوہ ترا کریں گے رسولِ خدا سے ہم

۱۱۳
یہ کہہ کے شامیوں کو صدا دی بہ چشم تر — کہتا ہے کچھ مجھے عمر سعد سے کدھر
نکلا یہ سن کے فوج سے ظالم بہ کرّ و فر — پہنے لباس فاخرہ باندھے ہوئے کمر
خادم تھے ساتھ ہاتھ میں عہدے لیے ہوئے — اور ایک شخص چتر کا سایا کیے ہوئے

۱۱۴
بولے دکھا کے بچے کو شاہِ فلک سریر — مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر — للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہماں ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے — اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

۱۱۵
نالاں ہے تجھ سے روحِ رسولِ فلک اساس — اتنا بھی دل نہ سخت کر اے ناخدا شناس
موجود ہیں صراحیاں پانی کی تیرے پاس — ایک گھونٹ دے اسے کہ ہے سولہ پہر کی پیاس
بچے پہ ظلم صاحبِ ایماں سے دور ہے — چھوٹے سے میہمان کی خاطر ضرور ہے

۱۱۶
برپا ہے اہل بیت محمدؐ میں شور و شین — در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
آنکھیں پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین — لایا ہے اس عطش میں ترے پاس اب حسینؑ
مجھ کو قسم ہے روح رسالت مآبؐ کی — ٹپکا دے اس کے حلق میں اک بوند آب کی

۱۱۷
یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ بحر و بر — دل دشمنوں کے ہل گئے تھرا گئے جگر
رویا جھکا کے سر پسرِ سعد خیرہ سر — فولاد موم ہو گیا اللہ رے اثر
مضطر تمام فوج کے پیر و جواں ہوئے — آنکھوں سے مرگیوں کے بھی آنسو رواں ہوئے

۱۱۸
بولے یہ ابن سعد سے سردار فوج شام
ہوتے ہیں اس کو آب جو کافر ہو تشنہ کام
واللہ اے امیر یہ ہے رحم کا مقام
یہ بیکس و غریب تو سید ہے اور امام
کچھ شرم بھی ہے شرط مسلماں کے واسطے
دے حکم آب اصغرؑ ناداں کے واسطے

۱۱۹
تب ابن سعد کرنے لگا شمر سے کلام
کہنے لگا بگڑ کے یہ وہ نطفۂ حرام
اصغرؑ کو خود پلا دے تو پانی کا ایک جام
ہم کو نہیں ہے تاب عتاب امیر شام
پیاسا کریں گے ذبح ہم اس نونہال کو
پانی نہ دیں گے بانوئے بیکس کے لال کو

۱۲۰
یہ کہہ کے ابن سعد کے کچھ کان میں کہا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ کربلا
حضرت کے سامنے سے ہٹا تب وہ بے حیا
سمجھا میں تیرے مکر کو اے بانی جفا
خیر اب کچھ آرزو نہیں اس آب زشت کی
لہرا رہی ہیں سامنے نہریں بہشت کی

۱۲۱
فرما کے یہ حسینؑ چلے سوئے خیمہ گاہ
تنہا کماں کشوں میں گھرا فاطمہؑ کا ماہ
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئی فوج سد راہ
چھٹے ادھر ادھر پہ نہ پائی کہیں پناہ
چھایا ستم کا ابر شہ نامدار پر
تیروں کا مینھ برسنے لگا تیر خوار پر

۱۲۲
آئے جو ہر طرف سے شہ بحر و بر پہ تیر
غل تھا چلیں حسینؑ کے لخت جگر پہ تیر
تلوار سے قلم کیے رو کے سپر پہ تیر
آنے دیا نہ شاہ نے لیکن پسر پہ تیر
آنسو رواں تھے آنکھوں سے بچے کے حال پر
مثل کماں جھکے ہوئے تھے اپنے لال پر

۱۲۳
پیہم پکارتے تھے شہ آسماں جناب
منہ پھیرتے تھے سب کوئی دیتا نہ تھا جواب
یہ کیا خطا ہے روح نبیؐ سے کرو حجاب
نکلا پرے سے حرملۂ خانماں خراب
جلدی کماں میں جوڑ کے سرکش نے تیر کو
تاکا نگاہ قہر سے حلق صغیر کو

۱۲۴
کتنا بچایا شہ نے اجل سے نہ بس چلا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں منکا جو ہیں ڈھلا
کڑکی ادھر کمان ادھر چھد گیا گلا
آنکھوں سے شہ نے آنکھیں ملیں منہ سے منہ ملا
جو حسرتیں تھیں دل میں قضا نے نکال دیں
ننھی سی باہیں باپ کی گردن میں ڈال دیں

۱۲۵
اک آہ کر کے غش ہوئے سلطان بحر و بر
رونے لگے صغیر کی صورت کو دیکھ کر
سینے میں فرط غم سے لہو ہو گیا جگر
منہ رکھ دیا کھلے ہوئے منہ پر بہ چشم تر
چوما گلا چھدا ہوا اس نونہال کا
ملنے لگے جبیں پہ لہو اپنے لال کا

۱۲۶
کھینچا جو شہ نے تیر تو بچہ دہل گیا
مردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
خوں جوش کھا کے زخم گلو سے ابل گیا
ہچکی کے ساتھ ہونٹھ کھلے دم نکل گیا
حضرت نے سر کو پیٹ کے اس طرح آہ کی
تڑپی لحد میں روح رسالت پناہ کی

اے اہل بزم پیٹنے رونے کی ہے یہ جا	۱۲۷	اولاد والو ہے یہ دمِ نالہ و بکا
کیا شاہِ دیں پہ ظلم ہوئے وا مصیبتا		گودی میں مر گیا چھ مہینے کا دلربا
پھٹ جائے کیوں جگر نہ شہِ خوش خصال کا		ماتم اُدھر جوان کا اِدھر خورد سال کا
غصّے سے حرملا سے کہا یوں پکار کر	۱۲۸	نازاں ہے تیر حلق پہ بچے کے مار کر
مجھ سے نکل کے جنگ اب اے نابکار کر		آتا ہوں ننھی لاش لحد میں اتار کر
سینے پہ میرے تیر لگاتا تو غم نہ تھا		بچہ مرا یہ ناقۂ صالح سے کم نہ تھا
یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہِ بحر و بر	۱۲۹	ناگہ پکاری ڈیوڑھی سے فضہ بہ چشمِ تر
یا شاہ اب نکلتی ہے بانوؑ برہنہ سر		اصغرؑ جو رو رہے ہوں تو لے آئیے اِدھر
بہنیں ہیں بے قرار پھوپھی بے حواس ہے		مادر کی گود خالی ہے جھولا اداس ہے
چلائے منہ پھرا کے شہنشاہِ مشرقین	۱۳۰	اصغرؑ تو کوچ کر گئے لائے کسے حسینؑ
فضہ یہ شہر بانوؑ سے کہہ دے بہ شور و شین		گھر میں بس اب نہ آئے گا زہراؑ کا نور عین
جن کی تمھیں طلب ہے وہ سوئے جناں گئے		جاتے ہیں ہم بھی اب وہیں اصغرؑ جہاں گئے
یہ کہہ کے ذوالفقار سے کھودی وہیں زمیں	۱۳۱	ہاتھوں سے کی سپردِ لحد لاشِ نازنیں
تربت پہ منہ کو رکھ کے پکارے یہ شاہِ دیں		اب سوؤ خوب چین سے اے میرے مہ جبیں
تم یہ نہ جانیو کہ ہمیں چھوڑے جاتے ہیں		ہم بھی تمھارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں
یہ کہہ کے واں سے اٹھے یہ حضرت امام پاک	۱۳۲	رخسار پر لگی تھی مزارِ پسر کی خاک
بازو سے خوں رواں تھا گریباں تھا چاک چاک		اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشم ناک
دل دشمنوں کے خنجرِ ابرو سے کٹ گئے		الٹی جو آستیں تو پرے سب الٹ گئے
نعرہ کیا تو رعد نے گردوں پہ کی فغاں	۱۳۳	کھینچی جو تیغ برق پکاری کہ الاماں
اٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیرِ آسماں		گردش جو دی تو سب تہ و بالا ہوا جہاں
طبقے زمیں کے روحِ امیںؑ کے پروں پہ تھے		یاں سر پڑے تھے خاک پہ اور تن سروں پہ تھے
جس صف پہ کوندھ کر وہ گری سر اڑا دیئے	۱۳۴	بازو کماں کشوں کے برابر اڑا دیئے
پھل برچھیوں کے پھول سپر پر اڑا دیئے		جو مرغ تیر اُدھر سے اڑا پر اڑا دیئے
جاں سرکشوں کی جانبِ ملکِ عدم چلی		ایسی ہوا بھی گلشنِ عالم میں کم چلی
شمشیرِ شہ کے وصف میں لکھتا ہوں چند بند	۱۳۵	جوہر شناس بھی یہ کریں گے پسند بند
نیزے کا جس نے باندھا بڑھا کر سمند بند		کاٹا علیؑ کی تیغ نے گراتے ہی بند بند
کیا ضرب تھی کہ فتح کا دروازہ کھل گیا		اجزائے جسمِ نحس کا شیرازہ کھل گیا

۱۳۶
بجلی سی کوند کر صف اعدا پر جب گری
بے دم تھا جس پہ تیغ شہ تشنہ لب گری
ہر سمت غل ہوا کہ وہ برق غضب گری
کھلتا نہ تھا کب اٹھ گئی اور سر پہ کب گری
چل پھر سے اس کی فوج ستم دردناک تھی
گردوں پہ تھی کبھی تو کبھی زیر خاک تھی

۱۳۷
دو لاکھ پر وہ تیغ برستی چلی گئی
بجلی سی دو لوں باگوں پہ گستی چلی گئی
ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
دم میں جلا کے خرمن ہستی چلی گئی
زخموں کو اس نے آتش سوزاں بنا دیا
ہر نخل قد کو سرو چراغاں بنا دیا

۱۳۸
اس تیغ کی برش سے زبردست زیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے
روباہ بن گئے تھے وہ دل جن کے شیر تھے
تودے تھے سرکشوں کے کمانوں کے ڈھیر تھے
غل تھا کہ اے نبیؐ کے نواسے پناہ دے
اے دو شبانہ روز کے پیاسے پناہ دے

۱۳۹
آئی ندائے غیب کہ اے ابن مرتضےٰؑ
کس کا یہ منہ ہے تجھ سے کوئی کر سکے دغا
معنی یہی ہیں جنگ کے شاباش مرحبا
وعدے پہ بچنے کے مناسب ہے اب وفا
ہم منتقم ہیں ان سے نہ تو انتقام لے
اے صابروں کے فخر بس اب ہاتھ تھام لے

۱۴۰
آواز غیب سنتے ہی ٹھہرا گئے امام
گردن پھرا کے منہ کو لگا تکنے خوش خرام
کی ذوالفقار میان میں اور روک لی لگام
فرمایا تجھ سے ہوتا ہے رخصت یہ تشنہ کام
رک جا کہ خاتمہ ہوا جنگ و جدال کا
اب سر چڑھے گا نیزے پہ زہراؑ کے لال کا

۱۴۱
ناگاہ تشنہ لب پہ چلے برچھیوں کے وار
تیغوں سے ہاتھ کٹ گئے سر ہو گیا فگار
اک جسم نازنیں پہ چلے تیر دس ہزار
تیورا گیا وہ فاطمہ زہراؑ کا گلعذار
کھائی سناں جو غش میں دل دردناک پر
کرسی نشین عرش گرا فرش خاک پر

۱۴۲
پہونچی جو ضرب پھٹ گئے زخم تن حسینؑ
سر خاک پر پٹکنے لگا توسن حسینؑ
سب خاک و خوں میں بھر گیا پیراہن حسینؑ
سجدے کو سوئے قبلہ جھکی گردن حسینؑ
اعدا نے کائنات کا دفتر الٹ دیا
تیروں سے لاش شہ کو زمیں پر الٹ دیا

۱۴۳
بولا یہ فوج سے عمر سعد رو سیاہ
نکلے کہیں نہ خیمے سے زینبؑ باشک آہ
ریتی پہ اب تو غش ہے محمدؐ کا رشک ماہ
ہاں کاٹ لو سر پسر ضیغم الٰہ
راحت کا بعد فتح سرانجام کیجیو
زہراؑ کے گھر کو لوٹ کے آرام کیجیو

۱۴۴
خولی علم کیے ہوئے شمشیر کیں بڑھا
خنجر کمر سے کھینچ کے شمر لعیں بڑھا
بڑھتے ہی اس کے اپنے پرے سے حصیں بڑھا
شہ کی طرف چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
زینبؑ نے دی دہائی تو منہ کو پھرا لیا
زانو سے شہ کا سینۂ زخمی دبا لیا

۱۴۵	پھیرا گلوئے خشک پہ خنجر جو ایک بار	آثار صبح حشر ہوئے رن میں آشکار
	شہ رگ پہ جب پہونچ گئی تیغ ستم کی دھار	چلائے ہاتھ اٹھا کے امام فلک وقار
	بیکس ہوں تشنہ کام ہوں تیغوں سے چور ہوں	یارب گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں
۱۴۶	یارب بحق گوہر دندان مصطفےٰ	یارب بحق خون سر شاہ مرتضےٰ
	یارب بحق حرمت زہراؑ و مجتبےٰؑ	کچھ اور مانگتا نہیں اصغرؑ کا خوں بہا
	ہے تجھ سے التجا یہی مجھ دل ملول کی	امت کو بخش دے مرے نانا رسول کی
۱۴۷	یہ کہتے کہتے حلق سے خنجر گذر گیا	خورشید آسمان شرف خوں میں بھر گیا
	دنیا سے بادشاہ امم کوچ کر گیا	چلائی فاطمہؑ کہ مرا شیر مر گیا
	برپا ہو جب یہ حشر تو کیا دل کو کل پڑے	باہر سب اہل بیت محمدؐ نکل پڑے
۱۴۸	زینبؑ نے خیمہ گاہ سے باہر جو کی نظر	دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
	بچی جو ساتھ تھی وہ پکاری بہ چشم تر	میں لٹ گئی پھوپھی مرے بابا گئے کدھر
	شہ ذبح ہو گئے نہ کسی کو خبر ہوئی	ہے ہے ذری سی عمر میں میں بے پدر ہوئی
۱۴۹	بنت علیؑ کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ	ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وا محمدؐا
	منہ پیٹ کے زمیں پہ گری پھر بااشک آہ	چلائی ہائے خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
	ہم سب کے چین اب تہ افلاک اٹھ گئے	ہے ہے جہان سے پنجتن پاک اٹھ گئے
۱۵۰	ہے ہے شہید خنجر ظلم و جفا حسینؑ	ہے ہے گلو بریدۂ راہ خدا حسینؑ
	ہے ہے غریب و بیکس و بے آشنا حسینؑ	ہے ہے ذبیح ماریہ و بے نوا حسینؑ
	ہے ہے لہو بھری ہوئی زلفیں لٹکتی ہیں	ہے ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں
۱۵۱	ٹوٹا بلا کے گھر سے محمدؐ کی آل کو	پیاسا کیا شہید شہ خوش خصال کو
	ہے ہے دیا کفن بھی نہ زہراؑ کے لال کو	لوگو خبر کرو اسد ذوالجلال کو
	دیکھیں بغور زخم تن پاش پاش کے	ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے
۱۵۲	بس اے انیس حشر ہے مجلس میں اب خموش	سر پیٹتے ہیں عاشق سرور بصد خروش
	ہے ماتم حسینؑ کا بزم عزا میں جوش	کیا مرثیہ پڑھا کہ کسی میں نہیں ہے ہوش
	فرما رہے ہیں شیر خداؑ مرحبا تجھے	دیتی ہے روح فاطمہ زہراؑ دعا تجھے

رباعی

رعبِ شہِ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے ہیں
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

رباعی

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ
ہے ابرِ کرم دستِ سخائے حیدرؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

رباعی

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
سرمست ہیں حبِ ساقیِ کوثر سے
گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

رباعی

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

رباعی

ہشیار کہ وقتِ ساز و برگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
ہنگامِ یخ و برف و تگرگ آیا ہے
چلئے اب چوبدارِ مرگ آیا ہے

رباعی

سینے میں یہ دم مثلِ سحر گاہی ہے
پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُر	مرثیہ ۱	ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر		گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا		پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا
واہ رے طالعِ بیدار زہے عزت و جاہ	۲	حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ		خضرِ قسمت نے بتا دی اسے فردوس کی راہ
مدتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو		بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو
نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر	۳	ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر		تکیۂ زانوئے شبیرؑ ملا وقتِ اخیر
اوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا		جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا
اللہ اللہ حرِ صفدر و غازی کا نصیب	۴	جانِ محبوب اُٹھی جسے فرمائے حبیب
ہجر میں لطفِ ملاقات کا دوری میں قریب		وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں		اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں
آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دَیر	۵	کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
حق نے لکھدی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر		فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بہ خیر
ذکرِ خیر اس کے موے پر بھی ہوئے جاتے ہیں		عملِ نیک ہر ایک وقت میں کام آتے ہیں
کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق	۶	کس بشاشت سے ہوا رہبرِ ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق		خلق طینت میں ہو جس کے وہی ہوتے ہیں خلیق
اوجِ دیندار کو بیدیں کو سدا پستی ہے		اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے
کیوں نہ بالیدہ ہو اس کا چمنِ جاہ و جلال	۷	جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال		وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے		صورتِ برگِ خزاں دیدہ گنہ دور ہوئے
حر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف	۸	بخت نے دَیر سے پہونچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے ہیں شرف		جبکہ آنکھیں ہوئی حق بیں تو ملا دُرِ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی نقش جاتے ہیں		جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں
وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور	۹	آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور		مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے		اے فلک دیکھ زمیں پہ بھی ستارے نکلے

۱۰
کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودُ اللہ — کوئی ہم خلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ — چمن خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھولدیا — بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

۱۱
ہوگئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ — آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی — یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی — برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

۱۲
برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے — نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماندار بڑھے — بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں — میں نبیؐ زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

۱۳
یہ سخن سن کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام — اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام — پسر مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو — شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

۱۴
یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش — تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہوگیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش — کیا بجاتے کہ بجاتے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کے سرودوں کا بھی ناساز ہوا — رعب فرزند نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

۱۵
کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب ایک بار — یوں گہربار ہوئے شہ کے لبِ گوہربار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ ناہنجار — قتل سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ یہ قہر ہے کیوں پانی کا — کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

۱۶
مجکو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو — تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبیؐ زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو — دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم برا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا — یہ مرقع ابھی اک دم میں الٹ جائے گا

۱۷
میں ہوں سردار شبابِ چمنِ خلدِ بریں — میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین
میں ہوں انگشترِ پیغمبرؐ خاتم کا نگیں — مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہوجائے — محفل عالمِ امکاں میں اندھیرا ہوجائے

۱۸
قلزمِ عز و شرف کا درِ شہوار ہوں میں — سب جہاں زیرنگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں — ورثۂ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بہ خدا دولتِ ایمان اسی دربار میں ہے — سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

۱۹
یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ فگار
کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے

۲۰
تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیرؑ
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بُرّاں شمشیر
شیر ہوں لخت دل غالب ہر غالب ہوں
میں جگر بند علیؑ ابن ابی طالب ہوں

۲۱
مجکو ہوتا نہ اگر بخششِ امت کا خیال
تھام سکتا تھا لجام فرس برق مثال
روکنا تھا مجھے رستہ میں یہ حر کی تھی مجال
پوچھ لو دیکھا ہے سب نے مرے شیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

۲۲
غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار
اگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار
نیمچے تولتے تھے عونؑ و محمدؑ ہر بار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رکے وہ جرار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

۲۳
تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جاں
سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امام دو جہاں
کچھ تردد نہیں سر تن سے اتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

۲۴
گرچہ یہ امر نہیں اہل سخا کے شایاں
پوچھ لو حر تو ہے موجود عیاں راچہ بیاں
کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

۲۵
زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر
مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرم ساقیٔ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

۲۶
رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب
سقے مشکیزوں کے منہ کھول کے آ پہونچے شتاب
چھاگلیں جلد منگاؤ مرا دل ہے بے تاب
متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کار ثواب
چین آیا نہ جنھیں بے انھیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے

۲۷
تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

۲۸
آبِ شیریں کا دریا ہوا جنگل میں رواں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زبان
فرس و اشتر و تا طر نہ رہے تشنہ دہاں
پانی پی پی کے دعائیں یہ مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابن یداللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

۲۹
ایک دن وہ تھا اور ایک دن یہ ہے اللہ اللہ
چشم امید ہو کیا سب نے پھرالی ہے نگاہ
کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
کوئی ایک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

۳۰
کئی طفل ان میں ہیں کمسن جو موئے جاتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرماتے ہیں
دم اکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

۳۱
شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
عمر سعد نے کی پھر کے رخ حر پہ نگاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

۳۲
ایک میں کیا ہوں زمانے پہ ہے احساں ان کا
خشک و تر پہ ہے کرم خلق میں یکساں ان کا
ابر رحمت میں خطا پوش ہے داماں ان کا
ہے خوشحال جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہوگا خدا اس کی طرف ہوئے گا

۳۳
یہ ابھی ہاتھ اٹھا کر جو دعا فرمائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں فوراً پائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
جام کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثل خورشید ہے روشن وہ شرف ان کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

۳۴
ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
آس مجرم کے گنہ گار کے امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

۳۵
حر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر
یہ تو ہے صاف طرفداریِ شہ کی تقریر
اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدح شبیرؑ
سن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
الفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

۳۶
نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج
سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال	۳۷	مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
قصر یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال		کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دفعتاً حق نمک کو بھی فراموش کیا		کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بیہوش کیا
میں جہاں دیدہ ہوں سب مجکو خبر ہے تیری	۳۸	قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری		جسم خاکی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے		تو نے فرزند یداللہ سے سازش کی ہے
خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور	۳۹	لکھیں گے عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکم شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور		گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے		زن و فرزند گرفتار بلا ہوئیں گے
نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر	۴۰	آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
شجر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر		سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اس کا ثمر
الفت زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا		خال رخ دیکھا تو گھر خالے لگ جائے گا
بدر پیشانی سرور کا ہے جو سر میں خیال	۴۱	تو اسی ماہ میں نقصان ترا ہوئے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکل ہلال		تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشق رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا		منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ترا کٹ جائے گا
خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرانا کیسا	۴۲	لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیسا		ہو نبی پاک وصی جنگ میں شرمانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیرؑ کا سر ہاتھ لگے		خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے
حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار	۴۳	قابل لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
ابن زہراؑ ہے جگر بند رسولؐ مختار		میرا کیا منہ جو کروں مدح امام ابرار
اک زمانہ صفت آل عبا کرتا ہے		آپ قرآں میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے
وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے	۴۴	تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انساں نے ہیں دنیا میں یہ رتبے پائے		اپنا محبوب ولی جس کو خدا فرمائے
الفت آل نبیؐ میری خوش اقبالی ہے		سنگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے
اسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج	۴۵	خاک پا اس کا ہوں میں ہے جو سر عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج		میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
کیوں ترے سامنے مکروں کہ نہیں بخشا ہے		ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہے

۴۶
باغ جو مجکو دکھایا اسے کیا جانے گا تو
مجکو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رو
راحت روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
انھیں چھینٹوں سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

۴۷
عزتِ دیں شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ
سنگ۔ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ
جانِ زہراؑ کی محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
جان کیوں ہو نہ ادھر جانِ جہاں ہیں شبیرؑ
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہووے

۴۸
کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا میرے عیال
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجکو خیال
جبکہ آفت میں پھنسی احمدؐ مختار کی آل
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجکو
خانہ بربادیِ شبیرؑ کا غم ہے مجکو

۴۹
دولت حاکمِ دوں پر ہے ترا دارو مدار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار
دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
خوابِ غفلت ہے اسے میرا ہے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دارِ طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

۵۰
ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لیے نورِ نگاہ
سجدے کیجے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

۵۱
خالِ رخسار نہیں گوشۂ سعادت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ
مجھ سے مجرم کے لیئے مہرِ شفاعت ہے یہ
بخدا سلسلۂ بخششِ امت ہے یہ
شبِ معراجِ رسولِ دوجہاں سمجھا ہوں
اس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

۵۲
وصفِ دنداں میں رہے جس کی زباں گوہربار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
حوریں غرفے سے دکھائیں اسے رنگِ رخسار
دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لیئے کٹتے ہیں

۵۳
صدقے اس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
خاک اس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینا
اس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے
چشم کو اُن کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

۵۴
پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
گردِ نعلین مبارک جو اثر اپنا دکھائے
تو سرِ دست سرافرازی کو نہیں وہ پائے
توتیا ہوئے سجل کحل جو اسے شرمائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں

۵۵
عقل خیرہ ہے بہکا نہ مجھے او ابلیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس
یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کچھ تردد نہیں کہدے کہ لکھے پرچہ نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہ عرب جاتا ہوں
اے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

۵۶
کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرف فوجِ امامِ ابرار
سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرف دار حسینؑ ابن علیؑ جاتا ہے

۵۷
حر نے نعرہ کیا یا حیدرِ صفدر مدد ے
زوجِ زہراؑ مدد ے نفسِ پیمبرؐ مدد ے
وقت امداد ہے یا فاتح خیبر مدد ے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد ے
تن تنہا ہے غلام اور بہت اعدا ہیں
آئی آواز کہ اے حر ترے حامی ہم ہیں

۵۸
مل گئی راہ خدا واہ رے اقبال ترا
جرم ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہوئے
ہاں برادر تری توفیق زیادہ ہوے

۵۹
منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جواں
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
شورِ کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

۶۰
تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حر
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حر
کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حر
غضب اللہ کا شبیرؑ کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

۶۱
اور بالیدہ ہوا سن کے یہ مژدہ وہ ہژبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
دل بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لیے صحبتِ گبر
ہاں اٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوج اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

۶۲
سن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اوڑا
کیا اڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اوڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اوڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اوڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماںؑ میں پری جاتی ہے

۶۳
کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
کتنے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا بسک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم نہیں رہ گئے واں حر کی سواری پہونچی

۶۴
یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حرِّ ذی جاہ
ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

۶۵
ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
الغیاث اے جگر و جانِ رسولِ مختار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفّار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

۶۶
کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
مدد اے نوحِ غریباں مرا بیڑا ہے تباہ
غور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

۶۷
ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

۶۸
خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
بات میں بخشدیئے سیکڑوں بندوں کے قصور
بخشدیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

۶۹
اے مددگار و معینِ الضعفا یاوری کی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا یاوری کی
اے خبر گیرِ گروہِ غربا یاوری کی
ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا یاوری کی
دیجئے حر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

۷۰
مرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
ہوں گنہگار خدا اے ازلی و ابدی
اے خداوندِ جہاں خذ بیدی خذ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

۷۱
ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف
اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مورِ ضعیف
کیجئے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

۷۲
استغاثہ یہ کیا حر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ اُمم
جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
حر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اس دم
شکر کر سبطِ رسول الثقلین آتے ہیں
اے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

٧٣ حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیر
دوڑ کر چوم لیے پائے شہ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
تجکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

٧٤ کس لیے کیوں باندھے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں خجل
سہل کر دیں اسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و توّاب ہے رَبِّ عادل
جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکم مادر سے

٧٥ حر پکارا بابی انت و امی یا شاہ
قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
ہر ذرے پہ جو ہو نیّر تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

٧٦ کون مقدادؓ تھے سلمانؓ و اباذرؓ تھے کون
آپ فرمائیں کہ عمّارؓ دلاور تھے کون
نور عالم میں جو ہے مالک اشترؒ تھے کون
اے خداوند جہاں حضرت قنبر تھے کون
انھیں قدموں کا تصدق ہے کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

٧٧ شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے گھر سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

٧٨ لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کو وہ ایسا ہے جواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں اسے ہر وقت ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
شکر معبود کا اس پہ بھی نہیں کرتے عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا
کبھی خالی نہیں رہتا ہے خزانہ اس کا

٧٩ جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ
صاحب جود ہے وہّاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

٨٠ کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہِ اُمم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہماں کا اللہ رے کرم
راست و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دور سے اہل خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

٨١ لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
عرض کی حر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

۸۲
ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
ایک ہی وار میں دونوں کا کروں گا چورنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

۸۳
شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
وا دریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری
مجکو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا انجیل شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہوگا

۸۴
تجھ پہ مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال
راہیں ہر سمت کی رو کے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا عوض آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

۸۵
حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب
شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بدم یاں سے جو آوازِ بکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

۸۶
حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون
ہوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
ہاتھ میں تیغ سپر دوش پہ بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھلتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

۸۷
زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
برچھیوں اڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خود رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

۸۸
نیزۂ حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجز پناہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کی جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

۸۹ مطلعِ دوم
رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
کس بشاشت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرارؑ آیا
طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

۹۰
آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاک حضور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

۹۱
واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں
ذرۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
یہ وہی حُرِّ جری تھا جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوش بو رُخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلین مبارک کی عجب غازہ ہے

۹۲
مہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا
حرز ہو بازوئے داؤد کا جوشن ایسا
چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
ہوش پریوں کے اڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں نو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیمان کی سواری آئی

۹۳
حر پکارا کہ بجا کہتے ہو لاشک لاریب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پاکر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

۹۴
مجکو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلامِ نو نے
نور بخشا پسرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دورا آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہوئے گا خزانہ میرا

۹۵
رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
مل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجکو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

۹۶
جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نیرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈھوگے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

۹۷
اک سید کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک کلام
اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
خوش نما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکرِ احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

۹۸
یہ سخن سُن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
فاتحہ پڑھ کے جو اس مرد نے کھینچی شمشیر
حر کا منہ سرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

۹۹
رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشان سب چھوٹ گئے

۱۰۰
چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا
شیر سا فوج مخالف پہ جھپٹ کر آیا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
روند ڈالا اسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیر ہلالی کا تھا

۱۰۱
حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذی جاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلئ ظفر راہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
گہ بڑھی گاہ پھری گاہ تھمی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

۱۰۲
کیں صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

۱۰۳
جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
چشم ہر چند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے
پل نہ گذرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے جو ساحر ہو وہ جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

۱۰۴
پھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
برچھیاں چل گئیں اس پر جسے دیکھا بھالا
کاٹ جائے تو کبھی نہر نہ سے پھر کالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اس کے پانی میں کفِ مار سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

۱۰۵
آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
ہاتھ منہ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

۱۰۶
گل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اس کا
جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اس کا
شور تھا دیکھیے کیونکر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

۱۰۷
جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یارب تہ و بالا ہوں میں
سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپ زیر فلک میری ہے
تیغ کہتی تھی اشارے یہ چمک میری ہے

۱۰۸
نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رکی آہن سے
نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
ہاتھ اڑا دیتی تھی پہونچوں سے تو سر گردن سے
چل گئی باد مخالف جدھر آئی سن سے
جوش طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیٔ تن ڈوب گئی

۱۰۹
کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
کبھی مغفر میں کبھی سر میں کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی تو چھری دل کے لیے

۱۱۰
صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی
غل ہوا شہ پر شاہیں کے تلے تھا ز آئی
لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لیے باز آئی
اڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی اسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

۱۱۱
آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

۱۱۲
خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
جامۂ کفر کے پرزے بھی ہوئے قطع و برید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

۱۱۳
کئی چلے کیے پیہم جو کمانداروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفاکاروں پر
رُخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشا نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

۱۱۴
نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
دم میں اس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

۱۱۵
الف گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی بھال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی تلوار کبھی خنجرِ بُراں کی ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوجِ ستم گر بھی ثنا کرتی تھی

۱۱۶
شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے
جل بجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
کہتا تھا حُر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

۱۱۷
کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

۱۱۸
گہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہ برج شرف
گہے دریا کے کنارے گہے صحرا کی طرف
گہے اس صف میں در آیا گہے رد ندی وہ صف
گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علیؑ سن کے دہل جاتے تھے

۱۱۹
تھل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیر اجل
سرکی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہل چل
منہ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی فرق کے بھل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس ٹوٹتے تھے
دو پہ چار، ایک پہ دو، پانچ پہ دس ٹوٹتے تھے

۱۲۰
بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزت و جاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ جری غازی واہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دل بر شاہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۲۱
حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
لاکھ خوں ریز ادھر اور ادھر تنہائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
باگ گھوڑے کی پھرانا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

۱۲۲
سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادم حضرت زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے

۱۲۳
شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
ہوگئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
حرؑ کی امداد کو ہم جائیں گے اے نور نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

۱۲۴
عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا تھا غلام
مری الفت میں ہوا قتل حرؑ نیک انجام
جوش رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلفام
دوست کیسے جو برے وقت میں ہم آئے نہ کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آویں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جاویں گے

۱۲۵
اس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے ہے دور
قصر خلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور
اس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
سرخ رو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

۱۲۶
یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شبیرؑ
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حرؑ با توقیر
پہونچے لاشے پہ امام دو جہاں وقت اخیر
چمن ہستی مہماں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

۱۲۷
گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
گر زکیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
میرے مہماں و مددگار و معین و یاور
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

۱۲۸
واہ رے حرِ جری میں تری جرأت کے فدا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بہ خدا
اسکو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
اس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

۱۲۹
حرؑ کو چونکا کے حبیب ابن مظاہرؑ نے کہا
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جناب زہراؑ
آپ بیتاب ہیں اے حرِ جری ہوش میں آ
کوچ درپیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع میں نور الٰہی کی زیارت کر لے

۱۳۰
کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہِ عرش مقام
دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

۱۳۱
نیم وا چشم سے حرؑ نے رخِ مولا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حرِ جری کیا دیکھا
عرض کی حسنِ رخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

۱۳۲
باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہر نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیاں کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

۱۳۳
مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمد مختارؐ کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

۱۳۴
قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
پڑھیئے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسیں
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اڑھا دیجئے مولا ہمیں نیند آتی ہے

۱۳۵
کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
چل بسے حرؑ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہ والا کی طرف

۱۳۶
لاش اٹھا کر شہ دیں خیمے کے در پر لائے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے
پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دختر فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے ادھر آ کے بکا کرنے لگی

۱۳۷
شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و ام کلثومؑ
ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمھیں ہے معلوم
ہم بھی مظلوم ہیں مہماں بھی ہوا ہے مظلوم
کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمھیں اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی
اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

۱۳۸
کہہ دو کبریٰؑ سے کہ ماتم کے لیے کھولے سر
جاں گزا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر
روئے نادان سکینہؑ اے عموؑ کہہ کر
ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ اُدھر
غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۱۳۹
میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجادؑ
یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے رکھیں اسے یاد
بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
نام حُرؑ سن کے کریں آہ و فغان و فریاد
جس عزا خانے میں وہ تعزیہ میرا رکھیں
اس کا ماتم بھی اسی بزم میں برپا رکھیں

۱۴۰
دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں سامان عزا کرتے ہیں
حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں
غیر مر جاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

۱۴۱
سن کے یہ شور ہوا حر دلاور ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا روئے منور ہے ہے
اے مددگار جگر بند پیمبر ہے ہے
تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

۱۴۲
بس انیسؔ اب یہ دعا مانگ کہ اے رب عباد
رونے والے شہ والا کے رہیں خلق میں شاد
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
اُن کے سائے میں برومند ہو اُن کی اولاد
عشرۂ ماہ عزا نالہ کشی میں گذرے
سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گذ

رباعی
افسوس زمانے کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن آہ نیا دور ہوا
بس یاں سے کہیں اور چلو جلد انیسؔ
اَب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح	مرثیہ ۱	ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا		عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا
خورشید نے جو رخ سے اٹھایا نقابِ شب انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب	۲	در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب دفتر کشائے صبح نے الٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا		سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا
پہونچا جو مُہر مِہر سے فرمانِ عزلِ شب منشیِ آسماں سے دفتر ہوا طلب	۳	گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب بس جا بجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی		برخاست کی چراغوں کی پروانگی ہوئی
یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں	۴	چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں مرجھا کے گر گئے ثمر و شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے		پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے
چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور	۵	یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پر		جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زباں پر
وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار	۶	وہ بار ور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے		آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے
تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں جھمکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں	۷	تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا		صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا
وہ سر بلند خیمۂ زنگاریِ امام کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام	۸	جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا		درباں تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا
گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر ایک طناب وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب و تاب	۹	دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب شمسے سے جس کے آنکھ چراتا تھا آفتاب
پڑھتا درود آ کے ملائک کا ورد تھا		سائے کے بدلے نور فناتوں کے گرد تھا

10
وہ اوج اور وہ قبۂ پرنور کی جھلک
دب دب کے سر جھکاتا بے چوبۂ فلک
ضو نور کی زمین سے تھی آسماں تلک
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
خوش بو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا
وسعت سے اس کی صحن کا دل باغ باغ تھا

11
تھا وہ سپہر دیں تو ہر اک چوب رکن دیں
تھا در پہ باب گلشن فردوس کا یقیں
چکر میں اس کے دور سے تھا چرخ ہفتمیں
پردے تھے رشک پردۂ چشمانِ حورِ عیں
جلوے سے حسنِ روئے شہ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے تختے قنات کے

12
اس کی زمین پاک کو تھا آسماں پہ ناز
طوبیٰ سے سربلند تو کیواں سے سرفراز
ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز
کرسی میں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اس کے فرش پر

13
حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب
غربت زدہ گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب
اک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
سن کر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

14
نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک
اکبر نے دی اذاں جو بآوازِ دردناک
سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
آنسو بھر آئے ہو گیا دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

15
آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا
بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھا وہ مقتدا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

16
سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورتِ ہلال
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بہ شکلِ دال
پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

17
وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیں دار حق پرست و دل آگاہ باشعور
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور
کمریں کسے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

18
حبِ حسینؑ دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طبق
نے فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

۱۹
اللہ نے دل اُن کی وفا سے بنائے تھے
سینے خیر صدق و صفا سے بنائے تھے
اور جسم پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرنوشت میں
پہونچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

۲۰
یاں تھیں صفیں نماز جماعت کی اور اُدھر
شکل ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر
باندھی تھی فوج کیں نے صف آرائی پر کمر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

۲۱
نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آلِ مصطفےٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسینؑ کا
تلواروں سے کریں گے قلم باغ مرتضےٰ
خنجر ہے اور سیدِ لب تشنہ کا گلا
مٹی تلک نہ دیں گے تن پاش پاش کو
گھوڑے سے روند ڈالیں گے سید کی لاش کو

۲۲
یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا اُدھر سلام
تسبیح فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام
وہ آخری نماز جماعت ہوئی تمام
پڑھ پڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہل شام
اُٹھے نہ شہ یہ محو تھے یادِ الٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر گئی خیمہ گاہ میں

۲۳
گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہل بیت سب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اَب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغر کو ماں نے پیٹ کے نیچے چھپا لیا

۲۴
بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب ادھر ادھر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر
چہروں کے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
چلاتی تھی کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

۲۵
لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز
ان تیروں سے بچائے انھیں رب بے نیاز
دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
اللہ مثل خضر کرے عمر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

۲۶
جا کے کہے کوئی کہ سکینہؑ ہے بے قرار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بے شمار
اور چونک چونک پڑتا ہے اصغرؑ بھی بار بار
گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھیان نہ پردے کا لاؤں گی
خیمہ سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

۲۷
یاں اہل بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں
اُٹھے صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں
مصروف ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دوجہاں
بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے پناہِ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھی اور سپر بھی تھے

۲۸
فرکر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا
پیچھے کھڑے ہو کس لیے کیوں کیا ہے ماجرا
دست ادب کو جوڑ کے اس شاہ نے کہا
ہے خیریت حضور کریں طاعت خدا
خیمے میں تہلکہ ہے حرم غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکر اعدا چلاتے ہیں

۲۹
عباسؑ سے یہ سن کے اٹھے قبلۂ امم
تسبیح جانماز پہ رکھ دی بہ چشم نم
رونق فزا ہوئے طرف خیمۂ حرم
ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقان ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں

۳۰
داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بہ چشم تر
زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
رو کر کہا سکینہؑ نے تم نے نہ لی خبر
تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
لے جاکے ہم کو کون سی جاگہ چھپاؤ گے
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے

۳۱
سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا
یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ کربلا
بی بی میں بے قصور ہوں آگاہ ہے خدا
دشمن تمھارے باپ کے سب اہل شام ہیں
قربان ہو پدر یہ اجل کے پیام ہیں

۳۲
چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا
میں صدقے جاؤں مجھ کو تمھاری لگے بلا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا
شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں

۳۳
شبیرؑ وعدہ گاہ سے کس سمت پھر کے جائے
دیکھیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
عاشق وہ ہے جو راہ الٰہی میں گھر لٹائے
کٹ جائے تن سے سر پہ نہ وعدے میں فرق آئے
خواہانِ مرگ زیست کی کیا آرزو کرے
نانا کے منہ سے مجھ کو خدا سرخ رو کرے

۳۴
یہ سن کے اہل بیت میں محشر ہوا بپا
بانوؑ کے سر سے گرنے لگی خاک پر ردا
زینبؑ پکاری پیٹ کے سر وا محمدا
دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
زینبؑ تباہ ہوتی ہے نانا مدد کرو

۳۵
یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیر غم
چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہ امم
پیٹو نہ سر تمھیں سر شبیرؑ کی قسم
یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؑ ابھی تو ہم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کر کے روئیو
مرجائے گا حسینؑ تو جی بھر کے روئیو

۳۶
مرجاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر
لے گا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہ بحر و بر
ہر اک عزیز گنج شہیداں میں سوئے گا
بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا

۳۷
زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہ زمن
یہ ہے کہیں گی بیبیاں جاؤ گی جب وطن
کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مرے رسن
بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی، بہن
بھائی کو کھو کے آئی ہو اجڑے مکان میں
ایسا نہ سخت جاں کوئی ہوگا جہان میں

۳۸
طفلی میں ماں کے واسطے روتی پھرا کی صف
زہر ستم سے ایک برادر ہوا تلف
پیٹی پس جنازۂ شاہنشہ نجف
تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
دشت بلا سے شام تلک ننگے سر گئی
کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

۳۹
شہ نے کہا کہ اس میں نہیں اختیار کیا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا
جو مصلحت کریم کی جو مرضئ خدا
ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبیؐ و علیؑ کے ساتھ
دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ

۴۰
توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم
ان کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم
مرنا کچھ ان کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
ہوتا جو اختیار تو کیا مرنے جاتے ہم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے
آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

۴۱
فرماں کے یہ امام پہننے لگے لباس
تھے اہلبیت مضطر و حیران و بے حواس
بچوں کے ساتھ پھرتی تھی زینبؑ بھی آس پاس
لب خشک رنگ زرد دلوں پر ہجوم یاس
شہ دیکھتے تھے انکو جو غم کی نگاہ سے
بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

۴۲
صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر
تن پر سجے سلاح کسے جنگ پر کمر
کوئی تو رشک مہر کوئی غیرت قمر
گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پر
منہ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے
جن کے پسر تھے ان کے کلیجے دھڑکتے تھے

۴۳
اکبر کی شان دیکھ کے بانوئے نامدار
لیکر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
صدقے ہیں پسر اور تری شان کے نثار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہ بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

۴۴
سب سے جدا تھی شوکت عباسؑ نوجواں
حمزہ کا رعب شوکت جعفر علیؑ کی شاں
قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
رہ رہ کے دیکھتے شہنشاہ دو جہاں
شان و شکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر
گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

۴۵
زینب سے رو کے کہنے لگے سرور زمن
قاسم کو تم پہناؤ قبائے تن حسنؑ
لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن
اکبر کو دو عمامۂ محبوب ذو المنن
ہم کو علیؑ کی تیغ دو دم لا کے دو بہن
عباسؑ نامور کو علم لا کے دو بہن

۴۶

اس منصب بزرگ کا مختار ہے یہی
آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہے یہی
جعفرؑ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے جری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے
حکمِ علیؑ بھی ہے یہی حکمِ خدا بھی ہے

۴۷

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینب کے گلعذار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
یعنی کہ ہم ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے ورثہ دار
حکمِ امامِ دیں میں مجھے کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رہو نہیں جاگہ کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

۴۸

قابل علم اٹھانے کے کب ہیں تمہارے سن
ظاہر ہے تم پہ رتبۂ سلطانِ انس و جن
دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن
جعفر کے ورثہ دار ہو تم لاکلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہ کے غلام ہو

۴۹

بس آپ کہتیں بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور
عباسؑ کوئی اور ہے پیارو کرو تو غور
شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی
مجھ کو پڑی ہے سبطِ پیمبر کی جان کی

۵۰

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشمِ نم
قبضہ کو اس کے شاہ نے چوما بدرد و غم
لے آئیں ذوالفقار یداللہ اور علم
شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ امم
پنجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا گئی
بوئے علیؑ علم کے پھریرے سے آگئی

۵۱

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
نہوڑائے سر حضور میں آئے بصد ادب
اس عہدۂ جلیل کے تھے آرزو میں سب
یہ مرتبہ کسی کو مقدر نے کم دیا
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

۵۲

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
بندہ پہ بچپنے سے عنایت کی ہے نظر
ہیں اور حاملِ علمِ سید البشر
ذرہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

۵۳

کس منہ سے شکر بندہ نوازی کروں ادا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا
مد نظر رہی ہے مری پرورش سدا
اے افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

۵۴

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوش خصال کو
رکھیو علم کے سایہ میں زہراؑ کے لال کو

۵۵
گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بہنا اسیرِ غم
تب دوں گی تم کو تہنیت عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم
اُمّ سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

۵۶
عباسؑ بولے بھائی نہیں ہیں تو ہوں غلام
بھر جائے دشمنوں سے جو روئے زمیں تمام
سن لیجئے گا جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
کیا منہ کوئی جو دیکھ سکے جانب امام
بچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے

۵۷
اتنے میں پاس آ کے سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا
چہرے کی لو بلائیں میں صدقے جھکو ذرا
میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھکو دو گے کیا
میداں کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

۵۸
بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں
مرجاؤں گی اگر تو مجھے پاؤ گے کہاں
ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کی میہماں
صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جاں
سوئے فرات جاتے ہو شاہ امم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لیلو علم کے ساتھ

۵۹
عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو
سقا تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
عزت ہوئی ملا علم شاہِ نیک خو
جب تک ہے دم کروں گا میں آنے کی جستجو
مشکیزہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر کو جاؤں گا

۶۰
ناگہ سنا جو زوجۂ عباسؑ نے یہ حال
ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال
مارے خوشی کے ہو گیا چہرہ کا رنگ لال
آئی حضور سرورِ ذی قدر و ذی کمال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ امم کی بلائیں لیں
پھر دونوں ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں

۶۱
جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
کونین میں کیا مرے والی کو نامور
آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجئے اس نونہال کو

۶۲
خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دعا
ہوں رانڈ ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعوی برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام، میں انکی کنیز ہوں

۶۳
بولے پسر سے جھک کے یہ عباس نیک نام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
لے چلئے ہم کو ہم علی اصغر کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے

۶۴
حضرت کے آگے فوج ستم سے کریں گے جنگ
پیریں گے خوں میں بحر شجاعت کے ہیں نہنگ
مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے امنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

۶۵
بولے گلے لگا کے اے شاہ نامدار
آئی صدائے حضرت زہرا یہ ایک بار
کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں بچا نثار
ہوتا ہے لال اہل وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا بھی جس کا شیر ہو نانا بھی شیر ہو

۶۶
اتنے میں طبل جنگ کی آنے لگی صدا
نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اسکی پناہ میں
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہ کربلا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

۶۷
تھا زینت سپاہ پیمبر یہی علم
ہے افتخار حضرت جعفرؑ یہی علم
حمزہؑ جہاد کرتے تھے لے کر یہی علم
خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقہ سے شہ کے ہمکو یہ عزت نصیب ہو
سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

۶۸
صل علیٰ زہے علم و حامل علم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
ذرہ سے آفتاب فلک ہے نظر میں کم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار تصدق نشان کے

۶۹
نکلے حرم سرا سے امام فلک جناب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزند بوتراب
برج شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
در پر بلکتی رہ گئی زینب جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے باد بہاری نکل گئی

۷۰
یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار
یکسو پرا جمائے رفیقان گلعذار
خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایکبار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

۷۱
شب دیز طبع کا یہ اشارہ ہوا اب کہ ہاں
کیجئے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں
مولا کا کچھ جلوس سواری کروں بیاں
ایک ایک جن میں فخر عرب زینت جہاں
چہروں کی روشنی سے خجل شمع طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

۷۲
جاتی تھی یوں سواری سلطان بحر و بر
کھولے علم کو حضرت عباسؑ نامور
انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
گھوڑوں پہ قاسمؑ و علی اکبرؑ ادھر ادھر
مرکب پہ زیچ میں خلف بوتراب ہے
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

۷۳
آہن میں مثل جوہر شمشیر سب ہیں غرق
نعرے جو مثل رعد تو گھوڑے مثال برق
شملے ہیں زیب دوش عمامے ہیں زیب فرق
جن کے قدم تلے ہے سدا اسیر غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
جن سے سمند وہم نہ آگے نکل سکے

۷۴
اک اک دلیر شیر نیستان کارزار
دیندار سرفروش نمودار نامدار
رستم کی روح خوف سے جن کے کرے فرار
رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
للکار لیں جو فوج کو نیزے سنبھال کے
بھاگیں عدو زمین پہ ہتیار ڈال کے

۷۵
آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
فدیہ ہو فاطمہ کے پسر کا زہے نصیب
ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب،
جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
آداب و قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

۷۶
تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکر خدا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
آگے پرا جمائے رفیقان باوفا
پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

۷۷
تھا زیب سر عمامۂ محبوبؐ کبریا
پہنے قمیص حضرت یوسف تہہ قبا
مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
باندھے ہوئے کمر میں کمر بند مرتضیٰؑ
داؤدؑ کی زرہ شہ والا کے بر میں تھی
وہ ذوالفقار حیدر صفدر کمر میں تھی

۷۸
بالائے دوش حضرت حمزہؑ کی تھی سپر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا پس قمر
تھے دو غلام خاص مگس راں اِدھر اُدھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبط رسولؐ کا
رومال ہاتھ میں تھا جناب بتولؑ کا

۷۹
پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہ زمن کا نور
اک چہرۂ حسینؑ میں تھا پنجتنؑ کا نور
حیدرؑ کا فاطمہؑ کا نبیؐ و حسنؑ کا نور
چہرے کی ضو جبیں کی ضیا اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

۸۰
پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ
قائم رہے شکوہ شہنشاہ دیں پناہ
جاسوس نے یہ آکے خبر دی میان راہ
آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

۸۱
ذروں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار
ان سے اُدھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار
اس گھاٹ پر فقط ہیں کمانداز دس ہزار
نیزے ملا رہے ہیں سواران ہرزہ کار
پانی سپاہ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

۸۲
اس دم فساد لشکر اعدا میں ہے مگر
سردار فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
مولا کمال فکر میں ہے شمر خیرہ سر
تاکید جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے یہ اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

۸۳
سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر
بگڑا ہوا اکھڑا ہے الگ وہ بشان شیر
زور آوران فوج ہیں سب اس کے ڈر سے زیر
ہر بار دیکھتا ہے ادھر منہ کو پھیر پھیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
مانند بید عضو بدن تھرتھراتے تھے

۸۴
کیا کیا خطا شعاروں کو اس نے دیا جواب
تلواریں کھنچ گئیں ہیں ادھر لے فلک جناب
ہے یہ یقیں کہ اس سے نہ چھوٹے رہ ثواب
یاں کی برائی سننے کی اس کو نہیں ہے تاب
جو ہو اسے کسی کو یہ پاس ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

۸۵
سنتا تھا میں کہ یہ عمر سعد نے کہا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہی بڑا
آتا ہے بہر جنگ محمدؐ کا لاڈلا
جا پہلے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو
جلدی بجھا مزار علیؑ کے چراغ کو

۸۶
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام
سید عبا الدار غریب الوطن امام
مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
فاقہ سے تین روز کے دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا
ہے کیا قصور فاطمہؑ زہرا کے لال کا

۸۷
پیاسے سے تشنہ کام سے بے پر سے میں لڑوں
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں
مختار کارخانۂ داور سے میں لڑوں
کھینچوں علیؑ پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں
امت کو چاہیئے مدد آل رسولؐ کی
پاؤں گا کیا اجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی

۸۸
فرمایا شہ نے اس کو خدا دے جزائے خیر
روئیں گے اس جری کو جن و انس و وحش و طیر
بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہے وہ غیر
لکھی ہے اس کے بخت میں باغ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں
وہ ہے تو حر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

۸۹
یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امام دیں
غرق سلاح حرب جوانان مہ جبیں
کوسوں فروغ حسن سے روشن ہوئی زمیں
نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوج کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شملے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

۹۰
عباسؑ علی آگے فوج کے کھولے ہوئے علم
پیدا تھی شان شیر خدا سر سے تا قدم
آنکھوں کو مل رہے تھے بپھرتے سے دم بدم
حمزہؓ کا رعب جعفر طیار کا حشم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر
بڑھتے تھے مثل شیر ترائی کو دیکھ کر

91
آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو مثل موج
زرغے میں بے قرار تھا شاہِ زماں کا زوج
تھا تا بہ چرخ رایت فوج خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوج عدو کو غرور تھا
ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

92
چلایا ابن سعد جفا پیشہ و شریر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکر شریر
ہاں ابن فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
بولا یہ حُر کہ قہر خدا سے ڈر اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائیگا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

93
اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام
حر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام
ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
سبط رسول ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمن نبیؐ ہے ترا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

94
بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف
بگڑی بھی باگ واں بھی نہ ہوگی خطا معاف
واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینہ سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

95
اس نے کہا خلاف شجاعت ہے یہ بھی کام
حر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام
تجکو برا کہیں گے شجاعان روم و شام
عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرت سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
مردوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

96
مجکو برا کہے تو کہے حاکم جہول
اب سر مرا ہے اور قدم نائب رسول
مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
بیدیں کی بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول
نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیٔ خدا و پیمبر سے کام ہے

97
دوزخ سے میں تو جاتا ہوں اے جانبِ ارم
چھیڑا فرس کو کہہ کے جو یا سید امم
روکے تو تجکو آکے ترا لشکر ستم
طاؤس کی طرح سے اڑا اسپ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کئے پہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

98
جب آدھی راہ کر چکا طے حر نامور
میں دستگیر خلق کا مجرم ہوں اے پسر
بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچکر
دست خدا پدر ہے شہ کائنات کا
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا

19
روکر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
آقا نہ تم سے دور ہیں نہ تم ہو ان سے دور
پہلے چلو تو ابن یداللہ کے حضور
تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور
چل کر امام پاک کے دامن کو تھام لو
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

۱۰۰
اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکو شعار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار
رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہ گار
ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو

۱۰۱
واں سے چلا غلام ادھر سے بڑھے امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہ فلک مقام
صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ انام
محجوب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کرو اپنے ہاتھ سے

۱۰۲
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ دیں پناہ
ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ
لگ جا گلے سے روکے تو روکی ہماری راہ
تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
تجکو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہے
روکا تھا ہم کو موت نے تو بے قصور ہے

۱۰۳
احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
سونی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب
پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقتِ شب
لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی

۱۰۴
یہ کہہ کے ہاتھ کھول دئے اس کے شاہ نے
پونچھا غبار چہرے کا شیرِ الٰہ نے
لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
ذرہ کو مہر کر دیا زہرا کے لال نے
حُر کے قدم کی آکے تلک خاک لے گئے
مہماں کو اپنے پنجتنؑ پاک لے گئے

۱۰۵
جب سب سے مل چکا یہ تو حُر نے کیا کلام
رو کر یہ اس سے کہنے لگے شاہ تشنہ کام
امیدوارِ حرب کی رخصت کا ہے غلام
اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
ہم پہلے داغ خویش و برادر کے دیکھ لیں
تو ہم کو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

۱۰۶
حر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر
خادم کو اب نہ روکیے یا شاہ بحر و بر
ہو گا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دلکو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

۱۰۷
چڑھنے لگا فرس پہ جو با دیدۂ پر آب
کی عرض حر نے تب کہ یہ کیا اے فلک جناب
عباسؑ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
شیدائے جاں نثار امام انام ہوں
تو جن کا مہماں ہے میں انکا غلام ہوں

۱۰۸
چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم
گھبرایا حُر تو کہنے لگے شاہ باکرم
پیچھے پیادہ رونے چلے سیدِ امم
مجکو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم
زہرا بھی تیرے ساتھ ہیں حیدر بھی ساتھ ہیں
تنہا نہیں حسینؑ پیمبر بھی ساتھ ہیں

۱۰۹
حر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہگار
کیونکر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سن کے وانسے روتے پھرے شاہ نامدار
میداں میں حر پہونچ گیا چمکا کے راہوار
بازار حرب گرم جو تھا سرد ہو گیا
دہشت سے ابن سعد کا منہ زرد ہو گیا

۱۱۰
دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حر کا نور
غل پڑ گیا یہ حور ہے یا روشنیٔ طور
حُر نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور
حر ہوں غلام شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حور
ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہر و ماہ سے
خلعت ملا ہے نور کا سرکار شاہ سے

۱۱۱
واں لٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے
ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے
ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے
سرکار ابن فاطمہؑ میں فیض عام ہے

۱۱۲
بھولے ہو راہ راست تو رہبر کے پاس جاؤ
دنیا محل فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ
بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
زہراؑ کا نور عین تمھارا کفیل ہے
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے

۱۱۳
کعبہ سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکن کنشت
لازم ہے عاقلوں کے لیے ترک فعل زشت
سرسبزیاں نہ ہوگی کبھی عاقبت کی کشت
دوڑو کہ لٹ رہے ہیں اُدھر حلۂ بہشت
دین نبیؐ میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دست خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

۱۱۴
دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا اُدھر
یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
یہ دبدبہ یہ اوج یہ حشمت یہ کر و فر
مولا کی اک نگاہ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسینؑ کے صدقے سے پائے ہیں

۱۱۵
اس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ کیں خجل
کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل
چلایا شمر آن کے ہر صف سے متصل
مارو اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

۱۱۶
یہ سن کے حر پہ چلنے لگے تیر بے شمار
نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار
لشکر میں مثل شیر در آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغ حر کی چمک دم نکل گئے

۱۱۷
پھرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے
پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے
پہونچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

۱۱۸
ہر دم تھی جنگ میں برشِ تیغ حر دو چند
دست ایاں کیے تھے اُدھر کے علم بلند
خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سمند
تھرا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بارِ دوش تھا

۱۱۹
دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے
رُخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اتر گئے
ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

۱۲۰
گھوڑا وہ برق تھا کہ جو راکب اُسے چلائے
اُس کے قدم کی گرد کو صرصر کبھی نہ پائے
افلاک پر سمند نظر کی طرح سے جائے
پیکِ خیال و وہم یہ سُرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا تو اُڑا اس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

۱۲۱
بجلی سی تیغ شعلہ نشاں چار سو پھری
دم میں ستمگروں کا بہا کر لہو پھری
میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
یہ اوجِ تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

۱۲۲
غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور کمر جدا
زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور اِدھر جدا
شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
گاوِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

۱۲۳
روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی
آئی اِدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئی
دو کر کے خود کاسۂ سر سے نکل گئی
سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے
کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

۱۲۴
تن سیکڑوں زمیں پہ بے سر دکھا دیئے
چشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیئے
اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر

۱۲۵
دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے
آیا اِدھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے
ترکش سے تیر جس نے نکالے قلم ہوئے
حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اُڑا دیئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

۱۲۶
یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیرِ آبدار
دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار
جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار
غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبیؐ کی دہائی کا شور تھا

۱۲۷
چلائے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس
اعدا دہائی دیتے ہیں گھوڑوں کو پھیر بس
مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
امت ہے یہ نبیؐ کی بس اے میرے شیر بس
شاباش حق دوستیٔ پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

۱۲۸
یہ سن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب
یاں غم سے بیقرار ہوئے شاہ تشنہ لب
بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب
تیغوں کے وار چلنے لگے حر پہ ہے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کا منہ پھیر پھیر کے

۱۲۹
سینہ سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دلفگار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حر نامدار
اے فاطمہؑ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقت امام حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

۱۳۰
جس دم سنی امام امم نے صدائے حر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حر
خیمے میں پیٹنے لگی زینب برائے حر
کھینچی جو شہ نے آہ دل بیقرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہؑ زہرا مزار سے

۱۳۱
دوڑے ادھر سے رن کی طرف سید امم
آواز دی نبیؐ نے کہ حر کو لیے ہیں ہم
آئے نجف سے حیدر صفدر بچشم نم
اس وقت پہونچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہماں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

۱۳۲
زانو پہ رکھ لیا سر حر اور یہ کہا
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا
بھائی حسینؑ آیا ہے آ ہوش میں ذرا
مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
جن کے لیے زمیں پہ ملک سر جھکاتے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آتے ہیں

۱۳۳
زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہ بحر و بر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر
محبوب کبریا ہیں ادھر شیر حق ادھر
شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تو حشر تک امام دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

۱۳۴
یہ سنتے سنتے غیر ہوا اس جری کا حال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علیؑ کا لال
زانوئے شاہ دیں پہ کیا حر نے انتقال
سب بیبیوں نے کھول دیے اپنے سر کے بال
زینبؑ یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

۱۳۵
بس اے انیسؔ مرثیہ ہوتا ہے اب طویل
اس نظم کو قبول کریں سید جلیل
مصرع ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبول بارگاہ خدائے قدیر ہیں
شاہان خلق سب اسی در کے فقیر ہیں

رباعی

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

رباعی

انساں دی عقل وہوش ہو جاتا ہے
اور صاحب چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن تو بتلائیے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

رباعی

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر نعرہ یہ دار شاہ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر گُنج دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

رباعی

منہ چاہیے وصفِ رخِ اکبرؑ کے لیے
تھا حُسن اُسی سروِ سمن برکے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گلؑ چاہیے مسطر کے لیے

رباعی

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
ممبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا

رباعی

عمر اپنی غم شہ میں بسر کر لے تو
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا
پھر قصر جناں انیسؔ مر کر لے تو

مرثیہ ۱

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا اہلِ یقیں تھے
کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہرؑا
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہرؑا

۲

وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
دی تھی انھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

۳

دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہشِ اجلال
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں الفتِ اطفال
تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حبِ زر و مال
شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بخت خوشا حال
مذکور یہ تھا جی سے گذر جائیں گے پہلے
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے

۴

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھا شوق کہ اب حوروں سے ہو دیں کے بغلگیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

۵

مقبولِ خدائے دوجہاں تھے وہ جوانمرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
تابندہ تھے خورشید کی صورت رخ پر گرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

۶

مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
دنیا سے بری یار علایق سے سبکدوش
تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

۷

وہ صوتِ حسن اور وہ اثر دار دعائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں
وہ چاند سے رخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نہ حور میں یہ حسن نہ انساں نہ پری ہیں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری ہیں

۸

ہمت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار
غربت الم فاقہ کشی زردیِ رخسار
مرنے پہ کمر باندھے تھے شہادت کے طلبگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیحِ خدائے دوجہاں وردِ زباں تھی
بیداری شبِ نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

۹

مقبولِ خدا صاحبِ دیں زاہد و ابرار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوار
ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
پیدا نہوں اس طرح کے اصحاب وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر اُن لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

۱۰
کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر
سر دینے کو موجود فدا ہونے کو حاضر
مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
اس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر یہ غمخواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

۱۱
مرقوم ہیں قرآں میں رتبے شہدا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے
بیجاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اُٹھا کے
طالب تھا خدا اُن کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیل سعادت کا صلا تھا
آقا بھی انھیں سبط پیمبر سا ملا تھا

۱۲
حقا کہ عجب فوج تھی فوج شہ ابرار
ہمشکل پیمبر سا جواں فوج کا سالار
جن لوگوں کا عباسؑ دلاور سا علمدار
مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

۱۳
چہرے تھے خدا نے ید قدرت سے سنوارے
کس صبر سے آفت میں کئی روز گذارے
زیبندہ تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے
شبیرؑ کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیر دودم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

۱۴
تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں
یہ قصد کہ قبضے پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں،
نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے

۱۵
کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت
سر تا بقدم خون میں بھرنا ہے سعادت
سر سے رہ خالق میں گذرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہے

۱۶
تھے دہنے طرف جمع عزیز شہ ذیشاں
زہراؑ کے جگر بند محمدؐ کے دل و جاں
جن کے رخ روشن سے منور تھا وہ میداں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے
حیدرؑ کے مرقع کے ورق رنگیں کھلے تھے

۱۷
اٹھارہ تھے فرزند محمدؐ کے یگانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہ شہدا نے
اک رشتہ میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

۱۸
کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خو
تھی کوسوں تک ان فاطمہؑ کے پھولوں کی خوشبو
مرجھائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے

۲۰
چلنے لگے تلوار کھلیں تیغوں کے جوہر
میدان سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر
دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیا بے سر
ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
فوج ستم آرا کے نشاں لے کے پھرا کون

۲۱
دو لاکھ میں کس نے پسر سعد کو مارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا
کس نے سر شمر ستم ایجاد اُتارا
خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آکر
گڑتا ہے نشاں کس کا در کوفہ پہ جا کر

۲۲
بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
لڑکے ہیں پہ زور اسد اللہ دکھا دیں
اک حملہ میں دو چار صفوں کو تو ہٹا دیں
لاچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
اس کی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

۲۳
کیا حضرت مسلم کے یتیموں کا کہوں حال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
نہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحب اقبال
پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
وہ چاند سے رخ گرد یتیمی سے اٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

۲۴
ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذا سے سفر میں
لب خشک تھے اندھیر زمانہ تھا نظر میں
تھے داغ غم بے پدری اُن کے جگر میں
دنیا تھی فراموش اُنھیں یاد پدر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آ کے ملیں گے
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے ملیں گے

۲۵
چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
وہ کہتا تھا سر ان کے اُتارے گئے ہونگے
اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہونگے

۲۶
ماموں کے قریں زینب دلگیر کے دلدار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
اک حیدر کرار تھا اک جعفر طیار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکر کفار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں
روباہ ہیں وہ ہم پسر شیر خدا ہیں

۲۷
اور تین تھے لخت جگر شبر ذی جاہ
دولہ کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
عبد اللہ و زید حسن و قاسم نوشاہ
کل تیرہ برس کا تھا پہ تھا چودھویں کا ماہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولہ بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

۲۸
وہ حسن وہ سن اور وہ پوشاک شہانی
خُلق حسنی کم سخنی غنچہ دہانی
قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اُس میں روانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
تلوار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بر میں
تصویر حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

۲۹
تھی صبح شب عقد کہ پیک اجل آیا
بانو نے سر شام دلہن جس کو بنایا
دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
قسمت نے سحر کو اُسے رنڈ سالہ بٹھایا
دولھا کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

۳۰
عباسؑ سوا پانچ تھے فرزند ید اللہ
ایک ایک دلاور تھا ہر صف جنگاہ
ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکر گمراہ
شیروں کو وہ دم حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابن ولی تھے
سب قوت بازوے حسینؑ ابن علیؑ تھے

۳۱
عباسؑ علی حیدر صفدر کا نشاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا
بس لشکر اسلام میں وہ شیر ژیاں تھا
چہرے سے جلال اسد اللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفر طیار کا رتبہ

۳۲
کیا وصف جناب علی اکبرؑ کروں تحریر
اٹھارہ برس کا تو سن اور صاحب توقیر
حُسن نبوی خلق حسَنؑ غیرت شبیرؑ
تھا شور کہ انسان ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت سے سراپا ہیں رسولؐ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

۳۳
تھے بیچ میں اُس غول کے شاہنشہ عالم
دریاے کرم رحمت حق نور مجسّم
گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیّر اعظم
فخر دو جہاں قبلۂ دیں سید اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشید زمیں ہے

۳۴
ناگاہ بجا فوج عدو میں دہل جنگ
لشکر کے زرہ پوش نے گھوڑوں کے کسے تنگ
کھلنے لگے ہر صف کے علمہاے سیہ رنگ
بجا خالی نہ تھی فوج ستم میں کئی فرسنگ
بیدینوں کے رخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

۳۵
اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکر کفار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اُس پار
جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
بے خوں میں ہوے غرق عبور اس سے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولاد علیؑ کے
کشتی میں تباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

۳۶
تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز
پیغام اجل ان کے ہر اک تیر کی آواز
قالب سے کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوے تیروں کو جمائے ہوے صف کو
رخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

۳۷
بد کیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پلاّ
الفت ہے نہ حیدرؑ سے نہ احمدؐ سے تولاّ
کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ ہلاّ
کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلاّ
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابن علیؑ کا

۳۸
واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر
غل خیمہ میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ
تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
بیتاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

۳۹
کہتی تھی سکینہ سے کہ آ اے مری پیاری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری
سن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس سن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہووے
پامال خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہووے

۴۰
یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر ادھر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے
عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

۴۱
پہلے حرؑ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا
پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہل حرم میں
رونے کو بتول آئی تھیں میدان ستم میں

۴۲
میدان میں مسلمؑ کا پسر عوسجہ آیا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھایا
تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

۴۳
ضرغامہ و وہب و انس و مالکِ دیندار
عمران و شعیب و عمرو و شوذبِ ابرار
حجاز و زہیر و اسدی عامر و عمار
قربان حسینؑ ابن علیؑ ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پرا تھا
دو روز تلک دشتِ ستم خون سے بھرا تھا

۴۴
باقی جو رفیق شہِ دیں رہ گئے دو چار
کی بڑھ کے حبیب ابن مظاہر نے یہ گفتار
حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سید ابرار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

۴۵
اوروں نے تو سرور کے بڑا مرتبہ پایا
چھاتی سے انھیں احمدِ مرسل نے لگایا
زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
میں بھی اسی دولت کی ہوں امید پہ آیا
وہ کیجیے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنت میں پہونچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

۴۶
حقا کہ سخی ابن سخی کا ہے یہ دربار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار
محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
حر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبہ کو اکبار
بے قدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو
جس ذرہ کو چاہو اسے خورشید بنا دو

۴۷ پہونچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت
پاتا ہے کوئی حور کوئی حلۂ جنت
محبوب خدا بانٹتے ہیں خلعت رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

۴۸ حضرت نے سنا درد دل اس دوست کا جس دم
فرمایا کہ اے یار قدیم اے مرے ہمدم
اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
اس وقت مجھے اپنی جُدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اک چاہنے والا تو رہے پاس ہمارے

۴۹ منظور نہیں مجکو کہ تو مجھ سے جدا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو
باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

۵۰ اس عالم پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر
مانند کماں خم ہے کمر حال ہے تغییر
رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اُٹھے گی نہ شمشیر
چلے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دم حرب غش آجائے گا رن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چواؤں گا دہن میں

۵۱ ہے عالم طفلی سے تجھے جس سے محبت
ہے یاں سے قریں قبر شہنشاہ ولایت
وہ آج ہے دنیا میں گرفتار مصیبت
جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربار شہ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لیے امن کی جا ہے

۵۲ جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور
ہے پرورش شاہ و گدا ایک سے منظور
پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرما دیا پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

۵۳ ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے
حضرت کا یہ عالم تھا کہ جب کھانے کو کھاتے
آب دم شمشیر سے خوں اس کا بہاتے
کہتے تھے حسنؑ سے کہ اسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
بازو بھی نہ باندھو کہ علیؑ عقدہ کشا ہے

۵۴ جس وقت کہ دربار ید اللہ میں جانا
آداب بجالا کے یہ بابا کو سُنانا
اس مرقد پر نور کو آنکھوں سے لگانا
بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقی کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

۵۵ بیٹھے ہیں لب نہر ستمگاروں کے دستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے
بچے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دور وطن سے بھی جدا ہوں
امداد کو پہونچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

۵۶
پاشاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا
سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا
دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
ہے سخت مصیبت سے مجھے کچھ بن نہیں آتا
جب سر مرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
کیا جانیے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا

۵۷
اے کل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ
تم صاحب اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
پر زینبؑ بیکس کو اسیری سے بچاؤ
پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دختر زہراؑ تو ستم ہے

۵۸
رو دیا یہ سخن سن کے حبیب جگر افگار
قربان ترے اے خلف حیدرؑ کرار
گر کر قدم شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمکخوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

۵۹
کس منہ سے میں دربار ید اللہ میں جاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں
زواروں کو کس طرح سے منہ شکل اپنی دکھاؤں
حیدرؑ کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائینگے شبیرؑ سے منہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچے کو مرے چھوڑ کے آیا

۶۰
میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدرؑ بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرت شبرؑ بھی یہیں ہیں
حمزہؑ بھی یہیں آئے ہیں جعفرؑ بھی یہیں ہیں
زہراؑ یہیں روتی ہیں پیمبرؐ بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دو روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے

۶۱
بچپن سے تو سایہ کی طرح ساتھ رہا ہوں
سر دوں گا کہ میں عاشق نقش کف پا ہوں
آیا جو برا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

۶۲
حضرت کے غلاموں کے لیے عید کا ہے روز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز
دولت سے شہادت کے ہوئے سب شرف اندوز
گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدان ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہ عدم میں

۶۳
ہر چند کہ ہے عالم پیری سے نقاہت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہے طاقت
باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
ہوتا ہے جوانوں کی طرح جوش شجاعت
بے سر دیے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے

۶۴
احوال ہر اک دوست کا ہے آپ کو معلوم
رعشہ فقط اس خوف سے ہے اے شہ مظلوم
مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشق قیوم
رہ جائے بدن زخم شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے
سر بار ہے تن پر کہ اسواسطے خم ہے

۶۵
بچپن کی تو الفت سے مری آپ ہیں آگاہ
ہمسن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ
کچھ یاد ہے اُس روز کا حال اے شہ ذیجاہ
یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہو جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا

۶۶
لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیاں
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ اے شہ ذیشاں
اور پیار سے منہ آپ کا میں تکتا تھا ہر آں
نقش قدم پاک پہ میں ہوتا تھا قرباں
تھی کھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی
خاک کف پا میرے لیے کحل بصر تھی

۶۷
ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلع انوار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوب خدا کی
ہر ذرہ سے آتی تھی صدا صل علیٰ کی

۶۸
ناگاہ وہاں آئے شہ یثرب و بطحا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے یہ تمنا
اور آپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آئیے نانا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے نانا

۶۹
فرماتے تھے احمد کہ میں قربان تمہارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھول سے تلوؤں میں نہ گڑ جائے

۷۰
پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اُٹھایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کو ہونٹوں سے ملایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے

۷۱
مجھ پر نظر فیض اثر پڑ گئی اک بار
اُس دم متعجب ہوئے اصحاب وفادار
خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمد مختار
بیجا نہیں اس طفل پر الطاف نبیؐ کا
یہ جاں دینے والا ہے حسینؑ ابن علیؑ کا

۷۲
تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اس خاک کو لے کر
جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر
شبیرؑ کے عاشق پہ تصدق ہے پیمبر
مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شہدا میں
دیوے گا خدا قبر اسے خاک شفا میں

۷۳
فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمد مختار
مشتاق شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار
کس طرح نہ صدقے ہو غلام شہ ابرار
کفار سے جب لڑنے چلے حیدر کرار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

۷۴
دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
مرنا ترا اس دن کا ہے اللہ کو بھایا
ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لیے آیا
جس روز لڑائی یہ چڑھے گا مرا جایا
ہے صاحب قسمت تری کیا بات ہے بھائی
دامان حسینؑ اور ترا ہات ہے بھائی

۷۵
جب شہ نے سنی ابن مظاہر کی یہ تقریر
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہش تقدیر
بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلک پیر
چھٹتا ہے تو پھر یار موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشق صادق نہیں ملتا

۷۶
خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
منظور نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور
کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے پہ مقدور
تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سر شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

۷۷
فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری
گھبرا کے در خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہ جن و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہراؑ کے پسر کو

۷۸
سنتی ہوں اُدھر فوج پہ فوج آتی ہے ہر دم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم
یاں کم ہوے جاتے ہیں رفیق شہ عالم
جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم
حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا
بچپن کا مرا دوست جدا ہوتا ہے بھینا

۷۹
یہ سنتے ہی کہرام ہوا اہل حرم میں
کامل تھا زبس عشق شہنشاہ امم میں
پہونچا وہ جری شیر سا میدان ستم میں
بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیرؑ کی جانب

۸۰
پیری میں عجب شان تھی اس شیر ژیاں کی
تھی جلوہ گری نور خدائے دو جہاں کی
پڑتی تھی سراپے پہ نظر پیر و جواں کی
گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
پیشانی پر نور پہ عالم تھا قمر کا
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارہ تھا سحر کا

۸۱
باہم صفت تیر و کماں ابروؤ مژگاں
آنکھیں وہ غزالان حرم جن پہ ہوں قرباں
سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
نظروں سے ہو یعنی رخ شبیرؑ نہ پنہاں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کر
رہ جاتی ہیں پلکیں کف افسوس کو مل کر

۸۲
خورشید سے افزوں ہے صفائے رخ نیکو
غنچہ سے زیادہ دہن تنگ میں خوشبو
مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
اور ورد زباں ذکر صفات شہ خوشخو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں جو بیس پہر سے

۸۳
بے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُرِ دنداں | یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچہ میں ہیں پنہاں
وہ ریشِ سپید اور وہ اُس کا رخِ تاباں | آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے | شب گذری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

۸۴
گردن جو جھکی جاتی ہے سر تن پہ گراں ہے | افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے | جھانکے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو | ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

۸۵
سر پر عوضِ خود ہے اللہ کا سایا | زخموں کے لیے تن کو زرہ سے نہ بچایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا | کیا فائدہ ہے چھپنے سے جب ہاتھ اُٹھایا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے | اک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۸۶
اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام | اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
ہشیار کہ اب میاں سے کھنچتی ہے یہ صمصام | وار اس کا ہے دشمن کے لیے موت کا پیغام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رُکے گی | میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رُکے گی

۸۷
یہ سن کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار | آتا ہے بڑا سبطِ پیمبرؐ کا مددگار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زنہار | بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدار
میں تیری طرح دشمنِ شبیرؑ نہیں ہوں | ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

۸۸
گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالمِ گمراہ | گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ | ہے قدر شناس ان کا جگر بندِ یداللہ
پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے | جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

۸۹
میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار | دیکھا ہے محمدؐ کا انھیں آنکھوں سے دربار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرِ کرار | زہراؑ کی نوازش رہی شبیرؑ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دوجہاں ہے | اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیرِ جناں ہے

۹۰
پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں | دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں | دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
بےخوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر | دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

۹۱
مشہور ہے دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب | جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہر دم ہے عنایاتِ خدا سے مددِ غیب | شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب
تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا | اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھروں گا

۹۲
آقا مرا وہ ہے جو امام ازلی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے
مظلوم ہے سید ہے ولی ابن ولی ہے
اُس شبیر کے بیٹے میں پلا ہوں جو علی ہے
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا
ہر طرح سے مر کر اسی میداں میں گڑوں گا

۹۳
منھ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں
نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں
جیتا شہ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاق اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

۹۴
ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زور خدا داد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد
ہے جنگ ید اللہ کا انداز مجھے یاد
پھر جاتا ہے پنجہ سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو دلیروں کا طمانچہ
ہے ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

۹۵
شبیرؑ سے بیکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے بُرائی
اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
پیدا ہوئی ہے جس کے لیے ساری خدائی
فرزند پیمبر پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہرا کا یہ کیا کرتے ہو یارو

۹۶
بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سید پہ اُٹھاؤ
کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ
ہلتی ہے زمیں عرش خدا کو نہ ہلاؤ
شمع حرم لم یزلی کو نہ بجھاؤ
کون اسکے سوا دوش محمدؐ کا مکیں ہے
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

۹۷
سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
تیرے زن و فرزند بھی ہو وینگے مقرر
ہر چند بہادر ہے تو اے رستم لشکر
لازم وہ ہے تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
گو سخت دل صاحب معراج ہے شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہو گا کہ محتاج ہے شبیرؑ

۹۸
کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ
قبضہ میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ
ساتھ اُس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ
دو روز سے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
لازم ہے کنارہ پسر شیر خدا سے
ہو اُس کا ملازم جو پسر بھر دے طلا سے

۹۹
تھرا گیا یہ سن کے جبیب جگر افگار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار
چلا کے کہا دور ہو اے ظالم و غدار
نہ ملک سے مطلب ہے نہ دولت سے سروکار
شبیرؑ کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

۱۰۰
ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
خاک قدم شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں
فاسق کی طرف دولت دیں چھوڑ کے جاؤں
گر کوہ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیا ہے
شبیرؑ سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہے

۱۰۱
یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبک تاز
رنگِ رخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز
اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

۱۰۲
چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی تلوار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار
اُس دستِ زبردست کا رُکتا تھا نہ کوئی وار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گذر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

۱۰۳
کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

۱۰۴
تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

۱۰۵
چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رُکی ہے

۱۰۶
بیکار تھے جلادوں کے نیزے دمِ پیکار
حلقہ کیے اُس شیر کے درپے تھے کماندار
تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
چلے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار
شہباز سا سر پر فرسِ تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

۱۰۷
پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت
تھرانے لگے عضوِ بدن گھٹ گئی طاقت
دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رخِ شبیرؑ کو دیکھا

۱۰۸
پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
چاہا اُسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
دیکھا جو اُدھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرا تھا کہ شبیر کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دوپارا
شیرازۂ اجزائے بدن کھل گیا سارا
رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقت مدد ہے

۱۱۰
ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہ ذیشاں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بہ صد افغاں
دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
اے دوست مرے تیری محبت کا میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

۱۱۱
اس عالم پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا
میرے لیے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا
کس طرح نہ رؤوں ترا احساں نہیں تھوڑا
فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

۱۱۲
آقا کی صدا سن کے اُسے ہوش جو آیا
آنکھوں سے کف پائے مبارک کو لگایا
گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا
اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
حضرت پہ اُٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

۱۱۳
للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ
محبوب خدا آئے ہیں خادم کو اُٹھاؤ
شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
حیدرؑ یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو
فریاد کی زہراؑ کی صدا آتی ہے مجھ کو

۱۱۴
یہ کہتے ہی بس گلشن دنیا سے سدھارے
بازو کو ہلا کر شہ مظلوم پکارے
نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
چھوڑا ہمیں اے یار وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

۱۱۵
ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر
ہے ہے مرے سلماں مرے مقداد و اباذر
ہے ہے مرے عمار مرے مالک اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

۱۱۶
پھر لاش در خیمہ پہ لائے شہ عالم
میداں میں حبیب ابن مظاہر ہوئے بیدم
سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینب پر غم
ماتم کرو بیکس کا بچھا کر صف ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

۱۱۷
خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رلانا
اے ذات خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرت غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رباعی

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باج نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریک معراج نبیؐ
فرماتے ہیں میں تن ہوں علیؑ سر ہے مرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاج نبیؐ

رباعی

کانوں میں صدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے
مشہور علاجِ دردِ سر ہے صندل
یاں خاکِ لحد صندلِ پیشانی ہے

رباعی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

رباعی

ہاں جوشِ غمِ سید عیاں ہو جائے
چہروں پہ ان اشکوں سے جناں ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم
ہر اشک ثمر دہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

رباعی

لاریب یتیموں کا مرقع ہے یہ
سب جس میں بھرے ہیں بیکس وہ مجمع ہے یہ
دیکھو کوئی مومنوں کے چہروں کی ضیا
مانی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

رباعی

امداد کو شبیرِ حقؑ لحد میں پہنچے
اب غم نہیں کچھ کہ اپنی حد میں پہنچے
تربت جو ہوئی بند کھلا خلد کا در
خنداں خنداں جوارِ جدؐ میں پہنچے

رباعی

سرگرم رہوں رسولؐ نبیؐ کی مداحی میں
کام آئے زبان وصیؑ کی مداحی میں
یارب یہ مری دعا ہے کٹ کے قلم
سجدوں میں پڑا رہے علیؑ کی مداحی میں

جب زلف کو کھولے ہوئے یلدائے شب آئی فریاد کناں روح امیر عرب آئی	مرثیہ ۱	پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی غل تھا کہ شب قتل شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غم جانکاہ دکھائے		رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے
کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی مرغان ہوا بر میں طپاں بحر میں ماہی	۲	ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی تربت سے نکل آئے تھے محبوب الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولان سلف میں		یثرب میں تزلزل تھا اداسی تھی نجف میں
صدمے سے ہوا رنگ رخ ماہ کافور غم چھا گیا راحت دل عالم سے ہوئی دور	۳	اختر بھی بنے مردمک دیدۂ بے نور تصویر الم بن گئی جنت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی		تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی
شمع طرب محفل عالم تھی جو خاموش کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش	۴	تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہراؑ		مقتل تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہراؑ
تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا	۵	آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اڑتی تھی منہ پر حرم شیر خدا کے		تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے
جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں	۶	تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے		جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے
بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری	۷	غش ہو گئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں		اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں
تھی سب سے سوا بنت علیؑ مضطر و بیتاب مژگاں سے رخ پاک پہ تھی بارش خونناب	۸	فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورت مہتاب تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جان حزیں پر		اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر
کہتی تھی کبھی آج پیمبر نہیں ہے ہے بیٹی پہ فلک ٹوٹتا ہے مادر نہیں ہے ہے	۹	حال اپنا دکھاؤں کسے حیدر نہیں ہے ہے شبیرؑ مصیبت میں ہے شبرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سنا یہ جو ستم آج ہے لوگو		نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

۱۰ در پیش ہے کل فوج ستمگر سے لڑائی
بے سر دیے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی
یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں اُدھر ساری خدائی
ہو جائے گی حیدر کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے منہ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لیے روتی تھیں اماں

۱۱ تھے دوسرے خیمہ میں اُدھر سبط پیمبر
اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ
دربار میں حاضر تھے رفیقان دلاور
اکبرؑ کے ادھر لختِ دلِ زینبِ مضطر
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسؑ علیؑ سامنے بیٹھے تھے ادب سے

۱۲ سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کل کا مددگار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکر کفار
بی بیوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

۱۳ یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی
دل یاد خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداری شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعت رب کا

۱۴ اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
ہر وقت ہے رب دو جہاں حاضر و ناظر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

۱۵ نام اُس کا رہے ورد سفر ہو کہ حضر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو
موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشق گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

۱۶ چومے لب سوفار جو سینے پہ لگیں تیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشن توقیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیر دم شمشیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دم تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بو الفت اللہ کی نکلے

۱۷ شہ نے سخن معرفت حق جو سنائے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
اشک آنکھوں میں ہر عاشق صادق کے بھر آئے
سجادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکر اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یاد جناب احدی میں

۱۸ تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری
تھا صوت حسن سے کوئی قرآں کا قاری
اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
حرمت سے شریک شہدا کیجیو یا رب
تو حوصلہ صبر عطا کیجیو یا رب

۱۹
ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار
یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار
مرنے کے لیے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے
تجھ سے طلب قوت ثابت قدمی ہے

۲۰
بیکس ہیں مسافر ہیں وطن دور ہے گھر دور
تیروں سے ہوں غربال کہ تیغوں سے بدن چور
ہفتم سے ہیں گھیرے ہے یہ لشکر مقہور
احمدؐ کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
پھر منہ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں
کیونکر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

۲۱
مردوں کے لیے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گذرنا
راحت ہو کہ ایذا یہیں جینا یہیں مرنا
اے کل کے مددگار مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے وغا ہو تو مزا ہے
کچھ حق نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

۲۲
کرتے تھے مناجات اُدھر یاور و انصار
تھی نیت تسبیح بتول جگر افگار
پڑھتے تھے نماز شب ادھر سید ابرار
آواز بکا خیمے سے آنے لگی یکبار
اکبر سے اشارہ کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

۲۳
یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بیتاب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب
راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادر پر نور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

۲۴
سب بیبیاں ہیں اور ہیں بچوں کو لیے پاس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس
ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو وسواس
لوگو مجھے شبیرؑ کے بچنے کی نہیں آس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو
صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو

۲۵
ان کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم
اصغرؑ کی بھی ہے فکر سکینہؑ کا بھی ہے غم
اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بیدم
گودی میں اُٹھائیں اُسے یا اسکو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

۲۶
رو آتی ہیں عابدؑ کے سرہانے کبھی جا کر
قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پا کر
گہوارۂ اصغرؑ پہ کبھی گرتی ہیں آ کر
بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یونہیں روؤں گی اماں
باباہی جب آئیں گے تو میں سوؤں گی اماں

۲۷
بتلاؤ شہ جن و بشر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے ادھر کیوں نہیں آتے
اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سنتے
حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سنتے

۲۸
رو کر علی اکبرؑ نے جو کی شہ سے یہ تقریر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرت شبیرؑ
قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

۲۹
فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال
نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
پیٹو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

۳۰
جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آئے ہوئے گم
یہ کرب یہ دکھ درد یہ زاری یہ تظلّم
خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح مجھے تم
بس صبر کرو جی سے گذر جائیں گے بچے
تڑپو گی تم اسطرح تو مر جائیں گے بچے

۳۱
تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر
گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر
سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر
مر جائے گا بھائی تمھیں ثابت ہوا کیونکر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خدا کی

۳۲
زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے
خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے
بھائی تمھیں اللہ اس آفت سے بچائے
بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتے
بےچین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتے

۳۳
آتا ہے سکینہ کی یتیمی کا مجھے دھیان
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان
ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران
پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لیے جاتا ہے کوئی

۳۴
منہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر
اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوے سر
تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبرؐ
بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینبؑ
شبیرؑ اسی رات کا مہمان ہے زینبؑ

۳۵
یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہ نے پکارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا
سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

۳۶
حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان
اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جاں
بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

۳۷
کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کہیں پائیں
مجبور ہوں ایسے کہ تمھیں چھوڑ کے جائیں
بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

۳۸
جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے یونہیں ماں سے
کوچ ان کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے
سوتے تھے لپٹ کر یونہیں خاتون جناں سے
ماتم سے ملیں وہ نہ بکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا سب کے لیے ہیں

۳۹
رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں وہ چند
کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
کیا زور ہے بندے کا جو مرضی خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

۴۰
یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغ جہاں کی
گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
تلوار چلی گلشن انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلک نیلوفری سے
پھولا گل خورشید نسیم سحری سے

۴۱
گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا
مرغان چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اُس دشت میں رونق تھی جو شبنم شہ دیں پہ
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پہ

۴۲
جلوہ وہ دم صبح کا وہ نور کا عالم
سرخی وہ شفق کی افق چرخ پہ کم کم
دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم
وہ گل کے کٹوروں پہ در افشانی شبنم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
ہر مالک گلزار جناں تشنہ دہاں تھا

۴۳
لشکر میں ادھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہ مظلوم
یاں فرض ادا کرنے لگے عاشق قیوم
صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتر مہ نو ماہ کے ہمراہ

۴۴
خیمہ تھا فلک آپ قمر دوست ستارے
خم ہو گیا تھا پیر فلک شرم کے مارے
تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنی نیر دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

۴۵
جو صف ہے سطر اک ہے وہ قرآن مبیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ ارباب یقیں کی
دیوار ہے قبلہ کی طرف کعبۂ دیں کی
افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

۴۶
اُس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت
نہ پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت
اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
یہ زہد یہ تقویٰ یہ اطاعت یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

۴۷
کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے
دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
تھوڑے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں دلی سے مرے ان سب کو ولا ہے
ان کا وہ صلہ ہے جو رسولوں کو ملا ہے

۴۸
پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لیے ہے
یہ لائق رحمت ہیں ثواب ان کے لیے ہے
میں جس کا ہوں ساقی وہ شراب ان کے لیے ہے
اس نخل ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

۴۹
فارغ جو صلوٰۃ سحری سے ہوئے دیندار
فرمانے لگے حضرت عباس علمدار
پوشاک پہننے کو اُٹھے سیدِ ابرار
ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشن جنت کے سفر پر

۵۰
آمادۂ شر لشکر کفار ہے کل سے
در پیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دَل سے
ہونا ہے تمھیں آج ہم آغوش اجل سے
آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو وقت ہے نصرت کی دعا کا
کھلتا ہے پھریرا علم فوج خدا کا

۵۱
ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں کب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے
اب ہوگی ملاقات شہنشاہ عرب سے
صف باندھ کے آؤ در دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعت نور آج ملیں گے

۵۲
اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی
شیر صف جنگاہ تھا ایک ایک نمازی
اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
نعرے تھے کہ قربان شہنشاہ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلد بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا وداع شہ دیں کا

۵۳
تھے گرد حرم بیچ میں وہ عاشق حق تھا
بانوئے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا
مانند سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
زینبؑ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہؑ

۵۴
شہ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اُٹھ جائے گا سر سے
سینہ مرا شق ہوتا ہے لپٹو نہ پدر سے
ہے ہے میں تمھیں ڈھونڈھ کے لاؤں گی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں اسی خوف سے سوئی نہیں بابا

سمجھاتے تھے حضرت کہ میں صدقے مری پیاری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کے واری
۵۵ میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
در پیش لڑائی نہیں گر فوج خفقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپھی سے

اس آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا
باباؑ مرے پیچھے نہ سکینہؑ کو رُلانا
۵۶ کیوں کہتے تھے زینبؑ اسے چھاتی پہ سُلانا
پانی جو میسر ہو تو پیاس اس کی بجھانا
بہلائیو جب رُو کے، مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

میں سُنتی تھی عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیت
ہے ہے یہ مری عمر یہ صدمہ یہ مصیبت
۵۷ اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
لے لو مجھے ہمراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دارِ محن سے
کوئی مری گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

مادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا
حضرت کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا
۵۸ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے ہی جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

جس دم درِ دولت پہ امیرِ اُمم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا
۵۹ پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی لچکنے میں ضیا عرش تک اس کی
خورشید کو پنجہ میں لئے تھی چمک اس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقان دلاور
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریِ لشکر
۶۰ دیکھیں یہ ہُما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
عباسؑ کو دیں گے شہِ دیں منصبِ جعفرؑ
اک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر کرتے تھے یہ مشورہ باہم
تائید خدا چاہیئے گو عمر میں ہیں کم
۶۱ کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار
۶۲ ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو آماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہ خوش انجام
۶۳ مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
عزت رہے ہے بھائی یہ دُعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

۶۴
روتی تھی جو پردے کے قریں زینبِ دلگیر — سب اُس نے مفصّل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
غصّے سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر — دونوں کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اسے فرصت انھیں گر ہو — عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

۶۵
یہ کہتی تھی زینب کہ خود آئے وہ نکوکار — چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبِ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مِرے دلدار — اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے کہ نہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے — گھر لُٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

۶۶
واللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار — بچّو! تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار — کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار! خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے — دیکھوں گی نہ پھر منھ جو گئے پاس علم کے

۶۷
کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے — تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
اِستادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے — عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے سب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی — میں خوش ہوں بجا لائیں وصیّت کو علیؑ کی

۶۸
دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے — تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت اَلم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمھارا ابھی کم ہے — کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا — کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہ سے کہنا

۶۹
مانا کہ بہت پھبتا ہے تمھیں منصبِ جعفر — آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر — عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گِلہ گر کوئی اسلوب کرو گے — عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

۷۰
زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار — یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار — مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں — ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

۷۱
زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو — بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو — ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا — دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زورِ علیؑ کا

۷۲
صدقے گئی سُن لو کہ میں کہتی ہوں مکرّر — تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ — پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے — کس کام کا وہ لعل جو کام آئے نہ ماں کے

۷۳
اِن میں سے اگر رَن کی طرف ایک سدھارا
جس وقت سنوں گی کہ سر ان دونوں نے وارا
زہراؑ کی قسم مُنھ نہ میں دیکھوں گی تمہارا
اس وقت تمھیں ہوگا مرا دودھ گوارا
بیجاں ہوئے بعد ان کے تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مَروں گی بھی تو ناراض مروں گی

۷۴
ہیں دونوں بھتیجے مرے پیارے مرے محبوب
جینا نہیں بہتر کسی صورت کسی اسلوب
تم اُن پہ تصدق ہو یہی ہے مجھے مطلوب
بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمھیں کیا خوب
ایذا جو اُٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

۷۵
دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار! خبردار
شیروں کے یہ ہیں کام کھنچے جس گھڑی تلوار
جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خوں خوار
توڑی ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنات کے لشکر سے علیؑ یوں ہی لڑے ہیں

۷۶
اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ
اجلالِ حسنؑ شوکتِ شبیرؑ دکھاؤ
تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

۷۷
جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو
جرّار ہو، کرّار ہو، صفدر ہو دلیرو
حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
ضرغام ہو، ضیغم ہو، غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

۷۸
خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
بچے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلب کو

۷۹
خاقاں کا رہا تخت نہ قیصر کا رہا تاج
چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کو معراج
ہاں غازیو! چین و حبش و زنگ سے لو باج
گیتی تہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آتے تھے گھر میں

۸۰
میلے نہ ہوں تیور، یہ سپاہی کے ہنر ہیں
گو عطر میں ڈوبے ہیں گے خون میں تر ہیں
جس کے ہیں بس اس کے ہیں جدھر ہیں بس ادھر ہیں
صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

۸۱
یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ
کس پیار سے منھ دونوں کا تکنے لگے سرور
تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

۸۲
شہ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ
عاشق کو، مددگار کو، یاور کو بلاؤ
پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
جلدی مرے حمزہؑ مرے جعفرؑ کو بلاؤ
یہ اوج، یہ رتبہ، یہ حشم اس کے لئے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے علم اس کے لئے ہے

۸۳
سب تکنے لگے صورتِ عباسؑ فلک جاہ
یعنی مرا حامل ہے نشانِ اسداللہ
نازاں ہوا خود اوج پہ اپنے علمِ شاہ
بالیدہ تھا پرچم تو پھریرا تھا ہوا خواہ
جان آگئی تھی سنتے ہی اس خوشخبری کو
پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

۸۴
خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علیؑ اکبر
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر
جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

۸۵
بوسہ دیا عباس دلاور نے علم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر
تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ امم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

۸۶
اس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پر
یہ ابر مرے سر پہ، یہ طوبیٰ مرے سر پر
اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پر
قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر
سلطانِ دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

۸۷
حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
حصہ یہ تمہارا تھا سو پہنچا تمہیں بارے
حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمھارے
مالک ہو تمھیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

۸۸
یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توسن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن
ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن
اللہ رے ضیا، خانۂ زیں ہو گیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لئے باعثِ ضَو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے

۸۹
زانوں کے اشارے سے لگا کودنے شبدیز
گرما کے جو شبیرؑ نے تازی کو کیا تیز
اسوار کے دل کا تھا اشارہ اسے مہمیز
اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز
ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا علم سر پہ فلک تھا

۹۰
کیا فیض سواری تھا کہ زرریز تھی یہ راہ
مابین دو خورشید تھی فوجِ شہِ ذی جاہ
طالع تھا ادھر مہر ادھر تھا علمِ شاہ
پنجے پہ یہ تجلّی تھی کہ اللہ رے اللہ
بالا تھی چمک مہرِ منوّر کی چمک پر
ضو اس کی زمیں پر تھی ضیا اس کی فلک پر

۹۱
ایک ایک جواں زیورِ جنگی کو سنوارے
جعفرؑ کے جگر بند ید اللہ کے پیارے
نیزوں کی چمک اور وہ سمندوں کے طرارے
رستم سے ہر اک جنگ کرے شیر کو مارے
اسیاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو اک تیر سے ماریں

۹۲
کم سن کئی لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے
روکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے
سوئے بھی نہ تھے دلولۂ جنگ میں شب سے
اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے
ہتیار جو باندھے تھے تو کیا تن تو کھلے تھے
سب نیمچے تولے ہوئے مرنے پہ تلے تھے

۹۳
وہ چاند سا منھ اور وہ گورے بدن ان کے
یوسفؑ کی طرح عطر فشاں پیرہن ان کے
شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن ان کے
مر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن ان کے
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

۹۴
عمریں تو کم و بیش، یہ سب گیسوؤں والے
ذی مرتبہ سیدانیوں کے گود کے پالے
اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
غنچہ تھا وہ سب اکبرِ گل رو کے حوالے
ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے

۹۵
مقتل کو جو پُر نور کیا عسکرِ دیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے
دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
اٹھ اٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

۹۶
کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے
تاروں کو اتارا فلکِ نیلوفری نے
لوٹے گلِ فردوس نسیمِ سحری نے
پرچم جو کھلا کھول دئے بال پری نے
عیسیٰؑ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے منھ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

۹۷
ترتیب صفِ فوج کا جس دم ہوا اعلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گل اندام
باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
کوفے کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفا و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

۹۸
ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکرِ سفاک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبدِ افلاک
تا چرخ گیا غلغلۂ کوس شغب ناک
تھرّا گیا آوازِ دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

۹۹
واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر
ناگاہ سوئے فوجِ خدا آنے لگے تیر
ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
عباسؑ علمدار نے دیکھا رخِ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

۱۰۰
شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ
ہفتاد و دو تن یاں ہیں ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کل کے شہنشاہ
یہ شیرِ نیستانِ علیؑ ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

۱۰۱
فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مرا لشکر
پانی نہیں ملتا کہ لبِ خشک کریں تر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر
غازی نے کہا شیرِ گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے الٹ دیں گے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیاسے ہیں لہو کے

۱۰۲
حضرت نے کہا خیر! لڑو فوجِ ستم سے
معلوم ہے سب آج جدا ہوویں گے ہم سے
دُنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے
کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغِ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

۱۰۳
جس دم یہ سُنی قبلۂ کونین کی گفتار
جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قہار
جوڑی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اُٹھ جاتے تھے سب کے

۱۰۴
لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار
دن چڑھتا تھا یاں گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنسِ شہادت کے طلبگار
بڑھ بڑھ کے خریدار یہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

۱۰۵
آیا جو عزیزوں کے لئے موت کا پیغام
فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کئے نام
اولادِ عقیل آ چکی شبیرؑ کے جب کام
لڑنے کو گئے مسلمِ بیکس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوج عدو کی

۱۰۶
لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار
بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
منھ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار
ہم جائیں گے بعد اُن کے سوئے لشکرِ کفار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

۱۰۷
کچھ اُن سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذیشاں
جو غل ہوا مارے گئے مسلم کے دل و جاں
لاشے بھی اُدھر آ چکے سب خون میں غلطاں
پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھ دیے ماموں کے قدم پر

۱۰۸
حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت
کیا کہتے ہو لٹوا دوں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمھیں اس کا تمھیں اس کی بضاعت
چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت
چھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

۱۰۹
بچّوں نے جو کی جُوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
فرمایا بچھڑتا ہے تمھیں بھی فلکِ پیر
اُن دونوں کا منھ دیکھ کے رونے لگے شبّیرؑ
اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضیِ ہمشیر
وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض ہے ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

۱۱۰
یہ سُن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ
خورشید کے آگے مہِ نو بن گئے دو ماہ
وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلّائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکارِ شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

۱۱۱
سلطانِ دو عالم نے مخلع کیا واری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری
تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
لو دُور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

۱۱۲
تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گُل رو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
پھر دیکھنے پائی نہ اُنھیں زینبِ خوشخو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

۱۱۳
میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے
گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حُسن گرانمایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

۱۱۴
وہ چاند سے منھ اور وہ گیسوئے معنبر
سب شان یداللہ کی سب شوکتِ حیدر
وہ بدر سے رخسار زہے قدرتِ داور
چتون وہی، غصہ وہی، سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

۱۱۵
تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ
شمشاد سے قامت نہ دراز اور نہ کوتاہ
چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو یداللہ
کھیلے ہوئے تیغوں میں فنِ جنگ سے آگاہ
ناخن سے دلیروں کے سب انداز دغا تھے
بچّے تھے مگر بچۂ ضرغام خدا تھے

۱۱۶
تھے حُسن میں ان دونوں کے آئینہ رو ایک
شان ایک، شکوہ ایک، جو رنگ ایک تو بو ایک
پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
دل ایک، جگر ایک، جسد ایک، لہو ایک
اور ان سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

۱۱۷
پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور
ہر بیت تھی دشمن کے لئے تیغِ دو پیکر
اللہ ری فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر مصرعِ برجستہ میں تھی تیزیِ خنجر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
دال قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

۱۱۸
اظہارِ نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام
سب پڑھنے لگے صلِّ علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نامِ علیؑ لے کے وہ گلفام
دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مُجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

۱۱۹
آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبّیرؑ
ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے نے تقریر
تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہیئے تو جُدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

۱۲۰
فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی
تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جُدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی
کر دیتے ہیں سر کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

۱۲۱
نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ
تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ
ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منھ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

۱۲۲
چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر
بس کھینچ لئے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر
نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رد میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

۱۲۳
ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے
تھیں کہنیاں پہونچوں سے جُدا ہاتھوں سے بھالے
مثل اپنی جمائے تھے جو بے مثل رسالے
تھے جائزہ ان سب کا یہی دیکھنے والے
ناز اپنے ہُنر پر تھا شجاعانِ عرب کو
نیزوں کو قلم کر کے ندارد کیا سب کو

۱۲۴
موت آئی اُدھر تیغے دونوں جدھر آئے
جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینے تک آئے تو کبھی تا کمر آئے
خالی نہ پھرے جن پہ گئے خوں میں بھر آئے
ہر تیغہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہِ نو خوں کی شفق میں

۱۲۵
اُٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خوں خوار کی گردن
سر خود کا جھک جاتا تھا تلوار کی گردن
دو چار کے منھ کٹ گئے دو چار کی گردن
اسوار کا سر اُڑ گیا رہوار کی گردن
دو تیغے بجلی سے گذرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

۱۲۶
دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی
معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی
لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی
بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منھ اہلِ جفا کے
دریا کے تھپیڑے تھے طمانچے تھے قضا کے

۱۲۷ گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے
جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
صابون سے دو تار برابر نکل آئے
محراب کے نیچے کسے جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

۱۲۸ ہر غول میں غلطان و پیچاں تھے سر و پیکر
جب تیغے ان دونوں کے اُٹھتے تھے برابر
دستانے کہیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر
منھ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
روکے انھیں طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی
صورت نظر آنے لگی تیغ دو زباں کی

۱۲۹ غارت تھی وہ صف جس سے وغا کر کے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھرے وہ
دو ہاتھ میں تیغوں، تیغوں کو فنا کر کے پھرے وہ
ہر غول میں اک حشر بپا کر کے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

۱۳۰ گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے
یاں تھے جو بگ رو تو اُدھر گرم عناں تھے
پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
بجلی تھے کسی جا تو کہیں آبِ رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

۱۳۱ بے آب تھے دو دن سے یہ جاندار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے، کبھی اُس پار تھے گھوڑے
ہر مرتبہ اُڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
نقطہ تھے وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دن بیٹھ جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطہ سے اجل کے

۱۳۲ تانے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں
تلواروں کی موجوں سے گذر جاتے تھے دونوں
سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی

۱۳۳ دم لے کے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرّار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرّار
اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرّار
دو کرتے تھے یکتا جسے پاتے تھے وہ جرّار
شیروں نے جو مارا ابھی تورہ داروں کو مارا
جب آنکھ لڑی چن کے نموداروں کو مارا

۱۳۴ جمعیتِ لشکر کو پریشاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دم میں
جو فوج کی جاں تھے انھیں بے جاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بے دست تھے علموں کو جو لے دین لئے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

۱۳۵ دو لاکھ کو دونوں نے کیا تہ و بالا
اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا
تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
دم اِس نے لیا اس نے لڑائی کو سنبھالا
یک جا فرسِ تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

۱۳۶
وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا
جب شیر سا ہو نچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا
دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جاں آ گئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

۱۳۷
کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی الفت کا ادا کرتا تھا بھائی
بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

۱۳۸
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب
بھائی میں بھگادوں ابھی ان کو جو ملے آب
سینے میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ مستحق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

۱۳۹
کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پیئیں جام
ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
غش ہم کو بھی آ جائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

۱۴۰
اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل
پُل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل
رو دیں گی ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے کیا دل
بتلائیے پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

۱۴۱
اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب
ہر دم ہے رضا مندیٔ مادر ہمیں مطلوب
منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اُٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

۱۴۲
جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہلِ جفا سے
کچھ ہم علی اکبرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہت تھا یہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

۱۴۳
ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذیجاہ
پردے سے کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے جنگ گاہ
اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیوں کر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

۱۴۴
اس بی بی کے فاقوں سے ہیں پالے ہوئے یہ لال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن و سال
دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گل ہو گئے پامال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفرؑ کے چمن میں
مر جائے گا باپ ان کی خبر سن کے وطن میں

145
رو کر دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار
آگاہ صعوباتِ سفر سے نہیں زنہار
میں شاہ کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
اے دخترِ زہرا مرے بیٹوں سے خبردار
میں کہہ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں
اتنا ہے یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

146
شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد
ہے ہے مری الفت میں لٹی زینبِ ناشاد
ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیونکر
منہ زینبِ دلگیر کو دکھلائیں گے کیونکر

147
عباس نے کی عرض کلیجہ ہے دوپارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اکبر کو پکارا
ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

148
حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروروں میں گھریں گے
بے جان دیئے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

149
بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذیجاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمہ جانکاہ
اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
رستے پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

150
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینب یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری
سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
تبلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسمِ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباس دلاور بھی نہ جائیں

151
زہرا کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان
وہ آئے تو سو اس سے دل ہوگا پریشان
بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

152
میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر
مرجاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمِ دلگیر
سمجھاؤ میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیر
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لئے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

153
شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ
ہے شرم کی یہ وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ
میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ للہ
سو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذیجاہ
ممتاز ہے فدیہ ہے جو زہرا کے پسر کا
شان اس کی بڑھے فخر ہو جو جد و پدر کا

۱۵۴
باپ اُن کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا
بیٹوں کو یوں ہی میری طرح نذر کو لاتا
زہرا کے کلیجے کے عوض برچھیاں کھاتا
اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا
جو پاس ہے اس کے وہ عطائے شہِ دیں ہے
کہدے مرے ماں جائے کہ حق کس پہ نہیں ہے

۱۵۵
بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

۱۵۶
یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو اِن دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

۱۵۷
یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے تھیں پاس
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہوگئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجف پر
زینب کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

۱۵۸
ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
زینب بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتے ہو پُرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مرجائیں گے شبیرؑ

۱۵۹
تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی
دامانِ مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمِ صف کا

۱۶۰
سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس
شبیرؑ تو سر پر ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس
اک شب کی دُلہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
اکبرؑ مری اُمید ہے قاسمؑ ہے مری آس
اب خلد میں نانی کے قریب جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

۱۶۱
باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
یہاں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

۱۶۲
رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلوّر سے بازو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہِ نو سے وہ ابرو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سہ پہلو
پھنکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

۱۶۳
ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر
ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ صفدر
بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

۱۶۴
سن کے یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار
دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

۱۶۵
یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے شبیرؑ پکارے
بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے
پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

۱۶۶
حضرت کے جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی
رانڈوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
فضہ یہ پکاری کہ دُہائی ہے دُہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کے لاشوں کو لئے آتے ہیں شبیرؑ

۱۶۷
بیٹھی صفِ ماتم پہ اُدھر شاہ کی خواہر
لاشوں کو لئے آئے جو گھر میں شہِ صفدر
سیدانیوں نے اُٹھ کے اُدھر کھول دیے سر
زینبؑ کے قریب بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمھارے

۱۶۸
شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام
ہر چند کیا ضبط پہ تھرا گیا اندام
آپ ان سے رضامند ہیں یا شاہ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے
میں ان سے خوشی ہوں مرا اللہ خوشی ہے

۱۶۹
عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں
بچے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
حیدرؑ کی طرح صفدر و جرار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینبؑ
دونوں یہ نہیں مر گئے میں مر گیا زینبؑ

۱۷۰
افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی
ہوتی ہے بہت زخموں کو تشنہ دہانی
میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی
پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

۱۷۱
ہمشیر سے یہ کہہ کے جو رو دیے شہِ ابرار
تھراتی ہوئی خاک سے اٹھی وہ دل افگار
بس آگیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
منھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

۱۷۲
دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی امنڈ آئی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اس نے دکھائی
نزدیک تھا مرجائے ید اللہ کی جائی
سب سے یہ کہا نیک تھی میری کمائی
بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

۱۷۳
رو کر شہ والا نے کہا صدقے میں تم پر
بانو نے اشارہ کیا اے سبطِ پیمبرؐ
دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے مرجائیں گی زینبؑ

۱۷۴
روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ
فرزندوں کو چلّانے لگی زینبِؑ ذیجاہ
صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جاں اپنی میں دوں گی
اچھا میں تمھیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی

۱۷۵
لو بچے کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو
گو پیاسے ہو دو دن کے پہ ہمت کو نہ ہارو
تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اتارو
اٹھ بیٹھو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دولھا نہیں سوتے

۱۷۶
سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل
بچو! تمھیں کیا سن کے کہیں گے شہِ عاقل
سلجھاؤ یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

۱۷۷
پھر دونوں کے سر زانوؤں پر رکھ کے پکاری
بیہوشی میں کچھ مجھ کو خبر تھی نہ تمھاری
لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آ گئی بچو!
ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

۱۷۸
بچو! تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا
حسرت رہی ماں نے تمھیں دولھا نہ بنایا
دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمنِ دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

۱۷۹
میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم
ہے ہے دلہنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم
دروازے پہ دم بھر کے لئے آ نہ گئے تم
پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گذر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مرجانے کے دن تھے

۱۸۰
خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
کافی ہے رلانے کو ترے درد کی گفتار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ ۱

زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے
دل ہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
مسلمؑ کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
آنسو رُخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آتا تھا جو سن کے خجل ہوتی تھی زینبؑ
فرزندوں کا منھ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

۲

کچھ منھ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اسے دھیان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

۳

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا
مشہور ہے زینبؑ شہِ مظلوم کی شیدا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
کس کو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ
لاش آتی ہے اوروں کی مری جاتی ہے زینبؑ

۴

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی نہ یہ تقریر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
ماموں کے عوض سینے پہ کھائیں تبر و تیر
اس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں محبت میں تو کام آئیں گے دونوں
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

۵

ماموں نے انھیں دل کی طرح گود میں پالا
کیا دل میں نہیں ان کے ولائے شہِ والا
آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دوبالا
پروان چڑھے نام خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں
یا آپ سے ان دونوں کے مر جانے کے دن ہیں

۶

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیّدِ ابرار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات پہ تکرار
کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھے ہیں تلوار
کھلتی ہیں نہ کہیں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

۷

میرے لئے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری
مرجانے کی ہمت دے انھیں ایزدِ باری
ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں ہے انھیں پیاری
میں گرد پھروں ان کے جو منگوائیں سواری
بیٹا ہو، بھتیجا ہو، غنی ہو، کہ گدا ہو
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

۸

کیا زوجۂ مسلمؑ کی بھی تھی نیک کمائی
ممنون ہوئی احمدِؐ مختار کی جائی
شبیرؑ کے جو کام بُرے وقت میں آئی
رُتبہ ملا، عزت ملی توقیر بھی پائی
کس طرح نہ ہو مادرِ غمناک رضامند
چاروں سے ہوئے پنجتنِ پاک رضامند

۹

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عونؑ نے گفتار
اتنے میں پسر آ کے گرے قدموں پہ اک بار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

۱۰
کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں
زخم و تبر و تیر سناں سینے پہ کھاؤں
سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے آساں
لڑے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

۱۱
یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا یک بار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
کی عرض سنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

۱۲
ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منھ نہیں موڑا
فرما کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید یہ ہمیں جنگ کے قابل نہیں سمجھے

۱۳
چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دور
نہ فوجِ ستم دور، نہ یہ دور، نہ ہم دور

۱۴
دُنیا میں کوئی اور بھی ہے ہم سا دلاور
اک حملے میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھریں گے
یاں سے سرِ شمر و عمر لے کے پھریں گے

۱۵
بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینبؑ
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب
ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھلا اب
ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمھیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

۱۶
آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو
جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
سرداروں کے سر جوتی سے تیغوں سے اُتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شہ پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

۱۷
جاتے تھے مہم پر جو کبھی احمدِ مختار
کرتے تھے وغا ایک طرف جعفرِ طیّار
اور لشکرِ اسلام پہ چڑھ آتے تھے کفّار
لڑتے تھے علیؑ ایک طرف کھینچ کے تلوار
مشکل نہیں کچھ فوجِ دغاباز سے لڑنا
صدقے گئی تم بھی اُسی انداز سے لڑنا

۱۸
اک شیر سا تیروں کے نیستاں میں در آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے
اک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک اِدھر آئے
میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہنر اپنا

19
حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے
تم اُس کے مددگار ہو وہ تم کو بچالے
اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
شیرانہ رہے ایک، دلیرانہ رہے ایک
جب بھیڑ پڑے ایک کا پروانہ رہے ایک

20
جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے
چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
چھاتی نہ ہٹے سینے پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو رٹتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

21
نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
جل جائے وہ صف، وار جدھر تیغ کا چل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ جب وراس چڑھے جائیو واری
روکے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

22
نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

23
دیکھوں تو پرا زیر و زبر کردیا کس نے
خوں میں عمر و شمر کو تر کردیا کس نے
دو حملوں میں اس جنگ کو سر کردیا کس نے
تلواروں میں سینے کو سپر کردیا کس نے
سر حق سے بہت کون سے دلدار نے کاٹے
چار آئینہ کس شیر کی تلوار نے کاٹے

24
نیزے کے ہلانے کا تو فن سیکھے ہو واری
تقریر شہنشاہِ زمن سیکھے ہو واری
اکبرؑ سے لڑائی کا چلن سیکھے ہو واری
عباسؑ سے اندازِ سخن سیکھے ہو واری
تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

25
پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر
دیجو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بداختر
پانی تمھیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدمِ شہ پہ گریں گے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھریں گے

26
غصّے سے میں کہتی ہوں خبردار! خبردار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمھیں دریا سے سروکار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشوں گی زنہار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذّت ہے نہ پانی میں مزا ہے

27
دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیرؑ
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
اللہ نے بخشی ہے تمھیں عزت و توقیر
جیتے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کم سن ہو بہت اس لئے سمجھاتی ہوں واری

۲۸
مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
میدان میں عاجز سپہِ شام ہو تم سے
سر سبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
حیدرؑ کی طرح رونق اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل ابھی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

۲۹
فرما کے یہ ارشاد کیا اے مرے پیارو
خلعت تو میں لے آؤں یہ ملبوس اُتارو
عمامے رکھو فرق پہ زلفوں کو سنوارو
دولھا سا یہ ماں تم کو بنا لے تو سدھارو
غم خواریِ فرزند ید اللہ کا دن ہے
مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے

۳۰
آخر انھیں زینبؑ نے وہ پوشاک پہنائی
آگے ہی سے جو بیاہ کے خاطر تھی بنائی
منھ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی
روؤں گی مگر شاد بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے آؤ میں قربان تو ہو لوں

۳۱
چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
پھر کاہے کو شکلیں نظر آئیں گی تمہاری
اس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

۳۲
منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے کئے پاک
سب اہلِ حرم رونے لگے با دلِ غمناک
فرمانے لگی خواہرِ سبطِ شہِ لولاک
بیٹے مرے پہنے ہوئے ہیں بیاہ کی پوشاک
سُن لیں نہ کہیں شاہ یہ کیا ہوتا ہے لوگو
شادی میں کسی کی بھی کوئی روتا ہے لوگو

۳۳
مُجرے کئے دونوں نے جو جھک جھک کے برابر
سب بیبیاں کہنے لگیں اے شاہ کی خواہر
سہرے بھی ذرا باندھ دو ان دونوں کے سر پر
بیٹوں نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
صندوق سے اماں نہ ابھی لائیو سہرے
اب بیٹوں کے تابوت پہ بندھوائیو سہرے

۳۴
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا کیا ہے میں قرباں
شاید ہے مرے بھائیوں کے بیاہ کا ساماں
اچھا ہوا مدت سے یہی تھا مجھے ارماں
میں باندھوں گی دستاروں پہ سہرے کو پھوپھی جاں
حق ہے مرا جھگڑا میں کئے بن نہ رہوں گی
خوش ہو کہ خفا نیگ لیے بن نہ رہوں گی

۳۵
صد شکر کہ یہ دن مجھے قسمت نے دکھایا
جو ساتھ ہی ان دونوں کو نوشاہ بنایا
اس بیاہ میں صغراؑ کو وطن سے نہ بُلایا
شربت کے لئے پانی بھی پایا کہ نہ پایا
پیاسی ہوں بہت عرض کروں کچھ جو رضا دو
لو نیگ کے بدلے ہمیں پانی ہی پلا دو

۳۶
بانوؑ نے سکینہؑ سے کہا چپ رہو واری
ہوتی ہیں خجل تم سے پھوپھی جان تمہاری
میداں کی طرف جاتی ہے بیٹوں کی سواری
شادی نہیں ماتم ہے کرو گریہ و زاری
فدیہ انھیں دیتی ہوں شہ کون و مکاں کا
کیا کہتی ہو تم بیاہ کہاں نیگ کہاں کا

۳۷
کچھ سوچ کر اتنے میں اٹھی بنتِ یداللہ
روتے ہوئے سب اہلِ حرم بھی ہوئے ہمراہ
بیٹوں کو چلی لے کے حضورِ شہِ ذیجاہ
عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینبؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہیں زینبؑ

۳۸
بس اتنے میں آئی شہِ مظلوم کی خواہر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبر
بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گردِ برادر
صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قرباں ہیں تم پر
قسمت سے یہ دو نورِ نظر پائے ہیں تم نے
ہتیار انھیں کس لئے بندھوائے ہیں تم نے

۳۹
واللہ مری جان ہیں فرزند تمھارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے
ہیں برجِ شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاعِ ازلی ہیں
یہ جوشنِ بازوئے حسین ابنِ علیؑ ہیں

۴۰
زینب نے یہ کی عرض کہ اے سیدِ ابرار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار
کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
باپ ان کا نمک خوار ہے یہ بھی ہیں نمک خوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

۴۱
آپ ان کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبرؑ
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبرؑ
یہ دونوں ہیں خاکِ کفِ پائے علی اکبرؑ
سو ایسے پسر ہوں تو فدائے علی اکبرؑ
اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے
دنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے

۴۲
بیٹوں کی محبت سے میں کہتی نہیں یا شاہ
نے باپ کی ایسی ہے محبت نہ مری چاہ
زہرا کی قسم مجھ کو بروحِ اسداللہ
کہتے ہیں فقط آپ کے عاشق ہیں یہ واللہ
قایم رہیں ماموں یہ دعا کرتے ہیں دونوں
سوتے میں بھی حضرت کا یہ دم بھرتے ہیں دونوں

۴۳
اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی
تشویش میں تا صبح انھیں نیند نہ آئی
کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے تھے دونو
سمجھاتی میں کیا خود مجھے سمجھاتے تھے دونو

۴۴
سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی
ساتھ ان کو وطن سے میں اسی واسطے لائی
حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ہوتی ہے بُرے دن کے لئے نیک کمائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے

۴۵
کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
گو ہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

۴۶
کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
محروم نہ رکھیئے کہ سخی کی ہے سرکار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی

۴۷
کس دن کے لئے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش
میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہرِ دل ریش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجے کہ مری دل شکنی ہو

۴۸
یہ سن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر
فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
دُر اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

۴۹
اک دل ہے سو کس کس کا بھلا داغ اُٹھائے
رو کے کسے یہ خستہ جگر کس کو بچائے
اب خود متردد ہوں کہ جلدی اجل آئے
جو بچھڑے سو بچھڑے جسے جانا ہو سو جائے
کچھ غم نہیں گو راہ عدم خوف کی جا ہے
پیچھے جو رہے جاتے ہیں ان کا بھی خدا ہے

۵۰
زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ
لو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویراں کئے جاتے ہو پیارے
زینت مرے لشکر کی لئے جاتے ہو پیارو

۵۱
وہ پاؤں پہ گرنے کے لئے دوڑ کے آئے
منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

۵۲
ڈیوڑھی میں جو پہونچی تو کہا عونؑ سے رو کر
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر
ٹھہرو کہ پھرا لوں تمھیں گردِ علیؑ اکبر
تم جا کے نہ ہو آئے نثارِ علی اصغر
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس سے خفا ہو
صدقہ تمھیں دیتی ہوں کہ ردّ انکی بلا ہو

۵۳
ہم شکلِ پیمبرؐ پہ ہوا عونؑ تو قرباں
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں نہ رہا دھیاں
چھوٹے نے کہا دستِ ادب جوڑ کے اس آں
اولاد یہ ماموں کی تصدّق ہے مری جاں
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں واریو اماں

۵۴
یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہ رو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو
اس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
چلّاتی تھی پردے سے لگی زینبؑ خوشخو
دو روز کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدرؑ کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

۵۵
ہاں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نہ جانا
آداب شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا
سیکھے ہوئے کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

۵۶
یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
تن تن کے جو کاندھے پہ رکھے بچوں نے بھالے
گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

۵۷
سرعت وہ سمندوں کی، وہ چھل بل، وہ طرارے
سُم ایسے کہ قدموں پہ فلک بدر کو وارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اتارے
اڑ جانے کو افلاک پہ تیار یہی تھے
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیارہ یہی تھے

۵۸
گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمّل
قد ایک سے دو سرو ہیں رُخ ایک سے دو گل
غل تھا یہ جری ہیں پسرِ صاحبِ دُلدل
پایا ہے عجب زلفِ مسلسل نے تسلسل
ان گیسوؤں میں نکہتِ مشکِ تتری ہے
سنبل کو بھی گلزار میں شوریدہ سری ہے

۵۹
پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
خم ابروؤں کے نشتر و خنجر سے زیادہ
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ
پلکیں کہیں سر تیزیِ نشتر سے زیادہ
آفت میں غزالوں کو گرفتار کیا تھا
نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

۶۰
لشکر میں یہ تھا شور کہ لیں دونوں نے باگیں
جو بیٹھے ہیں اٹھیں جنھیں غفلت ہو وہ جاگیں
غل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
یہ وہ ہیں جنھیں ہیں عمر و شمر سے لاگیں
دعویٰ ہے انھیں مثل علیؑ صف شکنی کا
ہاں غازیو یہ وقت ہے شمشیر زنی کا

۶۱
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے سارے
یہ شیر ہیں دونوں اسد اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفا کار پکارے
اسپ و زر و جاگیر وہ لے جو انھیں مارے
پیچھے نہ ہٹو گو یہ جواں مرد بڑے ہیں
دو طفل کہیں لاکھ سواروں سے لڑے ہیں

۶۲
یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اٹھا کر
لو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
ایک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر
روکے تو کوئی وار بھلا سامنے آ کر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں

۶۳
ہم سا بھی کوئی اور ہے دنیا میں جواں مرد
گرماتے ہیں گھوڑوں کو جو اپنے دمِ ناورد
ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہے جہاں گرد
ہو جاتا ہے بازار شجاعانِ جہاں سرد
لاشوں ہی سے میدانِ وغا پاٹ دیے ہیں
اک ضرب میں جبریلؑ کے پر کاٹ دیے ہیں

تلوار جنھیں حق نے عطا کی ہے وہ ہم ہیں	۶۴	جن غازیوں نے دیں کی بنا کی ہے وہ ہم ہیں
نو جن میں شہِ عقدہ کشا کی ہے وہ ہم ہیں		دولت جو رسولِ دوسرا کی ہے وہ ہم ہیں
کیا عرشِ الٰہی یہ جگہ آج ملی ہے		کاندھے پہ نبیؐ کے ہمیں معراج ملی ہے
بُت توڑ کے کعبے کو صفا کر دیا کس نے	۶۵	دم میں حق و باطل کو جدا کر دیا کس نے
عالم کو طلبگار خدا کر دیا کس نے		اسلام کی قوت کو سوا کر دیا کس نے
درِ کفر کا خالق کی عنایات سے توڑا		عزّا کا سرِ نحس و نجس لات سے توڑا
تقسیم ہوئی دولتِ دیں گھر سے ہمارے	۶۶	شاہوں کو ملا تاج و نگیں گھر سے ہمارے
ہے پیشِ نظر خلدِ بریں گھر سے ہمارے		تعلیم ہوا روح امیںؑ گھر سے ہمارے
دیر آئے کہ مسکن تھا بہت دور ہمارا		آدم سے جو پہلے تھا وہ ہے نور ہمارا
خوشنود رہا ایزدِ باری اسی گھر سے	۶۷	سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے
کفار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے		احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے
آتے ہیں زباں پر وہی جو کلمۂ حق ہیں		ہم مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق ہیں
یوسفؑ کو گرفتاریِ زنداں سے بچایا	۶۸	یعقوبؑ کو تیغِ غمِ ہجراں سے بچایا
چاہی جو مدد نوحؑ کو طوفاں سے بچایا		اندامِ خلیل آتشِ سوزاں سے بچایا
کونین میں ہے آج تلک شور ہمارا		خیبر کا در اُکھڑا تو کھلا زور ہمارا
وہ کون سا لشکر تھا ظفر جس پہ نہ پائی	۶۹	کفار نے خندق میں شکست آتے ہی کھائی
لاحد ہے اُحد والوں کو قوت جو دکھائی		اور بدر کی بھی شمس سے روشن ہے صفائی
مشہور ہے فطرس پہ جو احسان کیا ہے		مشکل کو فرشتوں کی بھی آسان کیا ہے
بیر العلم اک چاہ ہے مابین بیاباں	۷۰	واں کود پڑے تیغ پکڑ کر شہِ مرداں
انساں کا تو کیا ذکر ہے جن ہو گئے بیجاں		جب لڑ نہ سکے وہ تو کیا سب کو مسلماں
جب سے نہ ذرا گھٹتے ہیں نے بڑھتے ہیں جنّات		اس روز سے ابتک کلمہ پڑھتے ہیں جنّات
زہرا سی تو نانی اسد اللہ سا نانا	۷۱	جس شیر کی تلوار کو سب نے خلق مانا
دادا وہ مُقر جس کی شجاعت کا زمانا		ماموں شرفِ کون و مکاں عالم و دانا
ماں صبر میں اور زہد میں مریمؑ سے زیادہ		کس کا ہے زمانے میں شرف ہم سے زیادہ
تیغوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں الٹ جائیں	۷۲	آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کے ہٹ جائیں
سر تن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں		للکاریں تو شیروں کے کلیجے ابھی پھٹ جائیں
اُمت پہ کرو رحم یہ حکمِ شہِ دیں ہے		ناچار ہیں سبقت کا ہمیں حکم نہیں ہے

۷۳ ہم کو یہی سمجھاتے ہوئے دور تک آئے
راضی ہوں اگر جان مری جائے تو جائے
تب لڑیو کہ جب تم پہ کوئی ہاتھ اٹھائے
کوئی مرے نانا کی نہ امت کو ستائے
نافہمی سے دشمن کو تو وہ چند ہیں میرے
پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرزند ہیں میرے

۷۴ کچھ ہٹ گئے کچھ رونے لگے سن کے یہ گفتار
نیزوں کی ادھر اور ادھر سے ہوئی بوچھار
تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفاکار
حیدر کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
نیزے جو سواروں کے چپ و راس سے چمکے
دو نیمچے بھی پرچۂ الماس سے چمکے

۷۵ چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی
اس وقت الگ ہو کہ نہایت ہے لڑائی
ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جدائی
اماں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اس فوج کی صف کو
میں دہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

۷۶ ارشاد کیا عونؑ نے اللہ نگہبان
اے جان برادر میں ترے عزم کے قربان
پر کیا کروں قالب میں رہے گی نہ مری جان
لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیان
تکبیر کی ہر بار صدا دیجیو بھائی
گھر جاؤ تو بھائی کو بلا لیجیو بھائی

۷۷ یہ کہہ کے کیے دونوں طرف شیروں نے حملے
کیا دخل تھا حلقے میں انھیں فوج ستم لے
لہراتے تھے کاکل کی طرح دوش پہ شملے
ملتی نہ تھی مہلت کہ کوئی ٹھہر کے دم لے
بجلی کی طرح نیمچے چل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتے تھے دونوں

۷۸ آیا جو سوئے عونؑ کوئی تیغ اٹھا کر
خم ہو گیا مردود سپر چہرے پہ لا کر
دو کر دیا پہنچے کو بس اک ہاتھ میں جا کر
پھر خط شکست اس پہ لکھا تیغ نے آ کر
قرطاس سا پرزے تن سفاک ہوا تھا
سر سینے تلک مثل قلم چاک ہوا تھا

۷۹ آیا جو محمدؑ کی طرف کوئی ستمگار
اتنے میں ادھر سے تو ستمگر نے کیا وار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی شیر کی تلوار
تیزاب کا اس شعلۂ آتش میں اثر تھا
آنکھ اس کی جھپک کر جو کھلی خاک پہ سر تھا

۸۰ اک شیر سا جاتا تھا جو شمشیر زنوں پر
ہوتی تھی فدا روح علیؑ صف شکنوں پر
اک گھوڑے کو دوڑاتا تھا ناوک فگنوں پر
نہ واں نظر آتے تھے نہ یاں سر بدنوں پر
ان تیغوں سے سب فوج نے منہ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

۸۱ وہ لڑکے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا
مارا اسے اس نے جو ادھر سے ادھر آیا
لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
بھاگا جو ادھر سے وہ ادھر دو نظر آیا
تھی ساتھ اجل انکی جہاں بھاگ کے جاتے
گرتی ہوئی بجلی سے کہاں بھاگ کے جاتے

۸۲
چن چن کے نمودار ستمگاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا
لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
تیروں کو قلم کر کے کمانداروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

۸۳
غل میں جو نہ بھائی کی صدا بھائی کو آئی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سنائی
دونوں کے کلیجے پہ چلی تیغ جدائی
کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آتی نہیں ہم کو

۸۴
قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
لب سوکھ گئے ہوں گے بہت تشنہ دہاں ہو
کس غول میں، کس فوج میں، کس صف میں نہاں ہو
میداں میں ہو یا نہر پہ ہو یاں ہو کہ واں ہو
غش آیا ہے یا جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
آواز دو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

۸۵
بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس وقت سناں سینے سے باہر نکل آئی
نیزے کی انی پشت محمد پہ لگائی
چلایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

۸۶
لڑنے میں سنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
گھوڑے کو اٹھا کر وہ چلا صورت شہباز
نزدیک تھا یہ روح کرے جسم سے پرواز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
حائل تھیں صفیں زور سے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اسے مار کے نکلا

۸۷
بھائی کی تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
چلاتا تھا اے غنچہ دہن سبز قبا پوش
الفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
آواز سنا کر ہمیں کیوں ہو گئے خاموش
ماں سے ہمیں شرمندہ کئے جاؤ گے بھائی
کیا ساتھ نہ بھائی کو لئے جاؤ گے بھائی

۸۸
ہردم یہ دعا تھی وہ دلاور نظر آئے
حلقہ کئے اک جا پہ ستمگر نظر آئے
مظلوم برادر کو برادر نظر آئے
ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر نظر آئے
آلودہ لہو میں تنِ صد پاش کو دیکھا
رتی پہ تڑپتے ہوئے اک لاش کو دیکھا

۸۹
زانو کو دھرے ننھی سی چھاتی پہ ستمگر
وہ کہتا ہے ہاتھ اپنے دمِ تیغ پہ دھر کر
کرتا ہے ارادہ کہ کرے تن سے جدا سر
بس بھائی سے مل لوں تو پھرا حلق پہ خنجر
ہم ساتھ چلے مرنے کو ساتھ آئے وطن سے
بے ان کے ملے جان نہ نکلے گی بدن سے

۹۰
جس وقت سنی عون نے بھائی کی یہ تقریر
گھوڑے سے تلے کود پڑا پھینک دی شمشیر
خنجر تو چلا دل پہ، کلیجے پہ لگا تیر
آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر
اک جا جو بچھڑ کر ہوئے ماں جائے برادر
دونوں نے گلے مل کے کہا ہائے برادر

۹۱
کہتا تھا بڑا اے مرے جانی مرے پیارے
منھ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے
زخمی تری اس چھاتی پہ کوئی مجھے وارے
اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمھارے
کیا بھائی لبِ لعل کو کھولا نہیں جاتا
کرتا تھا اشارا وہ کہ بولا نہیں جاتا

۹۲
ناگاہ بڑھا شمرِ لعیں فوج کی صف سے
دونوں پہ چلے تیرِ ستم چار طرف سے
وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہراؑ نکل آئی

۹۳
پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی انی پار
کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرِ کرّار
ملتے تھے گلے پیار سے منھ چوم رہے تھے
لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

۹۴
نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا
پاس آکے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا
گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
چھاتی کے تلے اس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر منھ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونو
تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونو

۹۵
تلوار لگانے جو لگا ایک ستمگر
ہیہات کہ ہاتھ اس کے گرے خاک پہ کٹ کر
چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پر
دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عونؑ کا بھی سر
اس کو تو ملا حیدرؑ کرّار کا رتبہ
ہاتھ آیا اسے جعفرؑ طیار کا رتبہ

۹۶
غل طبل ظفر کا صفِ دشمن میں ہوا جب
اور کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہلِ حرم سب
پردے سے لگی رن کی طرف دیکھنے زینبؑ
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یا رب
وہ کہتی تھی دنیا سے سفر کر گئے دونو
تم جن کو دعا کرتی ہو وہ مر گئے دونو

۹۷
میں خوب سمجھتی ہوں یہ ماتم کے ہیں انداز
دونوں ہوئے خلعت سے شہادت کے سرافراز
جنت کو سدھارے مرے صفدر، مرے جانباز
صاف آتی ہے اماں کی مجھے رونے کی آواز
آثار ہیں فریادِ رسولؐ دوسرا کے
نعروں کو میں پہچانتی ہوں شیرِ خدا کے

۹۸
ہے ہے مرے پیارو جو صدا آتی ہے ہر بار
لوگو کوئی دیکھو تو کدھر ہیں شہِ ابرار
یہ روتے ہیں پوتوں کے لئے جعفرؑ طیار
عباسؑ سے کہہ دو مرے بھائی سے خبردار
ہنگامہ ہے واں برچھیاں کھانے کو کہیں نہ جائیں
رن سے بھی وہ لاشوں کے اٹھانے کو نہ جائیں

۹۹
بس اتنے میں فضہ نے یہ کی آن کے تقریر
گھر لٹ گیا ہے ہے مری شہزادی کی تقدیر
لو دونوں کی لاشیں تو لئے آتے ہیں شبیرؑ
نزدیک تھا غش کھا کے گری زینبِ دلگیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر
چپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

۱۰۰
شہ لاشوں کو چھاتی سے لگاتے ہوئے آئے
آنسو رُخِ انور پہ بہاتے ہوئے آئے
دونوں کو عبا اپنی اُڑھاتے ہوئے آئے
زینبؑ کے قریں سر کو جھکاتے ہوئے آئے
فرمایا بہن اب انھیں آغوش میں لو تم
دو شیر مرے مر گئے پُرسا مجھے دو تم

۱۰۱
وہ بولی کہ ہے ہے یہ نہ فرمایئے بھائی
کونین میں عزّت مرے فرزندوں نے پائی
حضرت کے کہاں لال کہاں میری کمائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی
ماتم کا بھرے گھر میں نہ سامان کروں گی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کروں گی

۱۰۲
اکبرؑ جئے کیوں پیٹ کے سر میں انھیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں مضطر انھیں روؤں
ہو نیند میں اصغرؑ کے خلل گر انھیں روؤں
دیکھوں انھیں یا گود میں لے کر انھیں روؤں
ان دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کروں گی
ہاں آپ کے فدیہ ہیں انھیں پیار کروں گی

۱۰۳
پھر گود میں لاشوں کو لیا ہاتھ بڑھا کر
سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
لپٹا کے گلے پیار سے زانوں پہ رکھا سر
تھا شور کہ لوٹی گئی شبیرؑ کی خواہر
سب رو رہے تھے کچھ منھ سے نہ فرماتی تھیں زینبؑ
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھی زینبؑ

۱۰۴
مخدومۂ عالم کی صدا آئی یہ اُس آن
فرزندوں کو جی کھول کے رو لے ترے قرباں
میں آئی ہوں پُرسے کے لئے با سرِ عُریاں
ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کے نکل جائے مری جاں
اولاد کسی کی نہ جدا ہوئے کسی سے
بیٹی کوئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے

۱۰۵
زہراؑ کی صدا سن کے پڑا اور بھی کہرام
حالِ شہِ دیں نظم کیا کر سحر و شام
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ ارقام
اس کام سے بہتر نہیں دُنیا میں کوئی کام
عزّت مری اللہ کو منظور نظر ہے
شبیرؑ کے مدّاح کا فردوس میں گھر ہے

رُباعی

غافل تجھے کیوں خواہشِ دنیائے دنی ہے
جو تاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

رُباعی

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

مرثیہ

جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں
تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہراؑ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ

۲
دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی
منہ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی
نے روئی، نہ ماتم کیا، نہ خاک اڑائی
پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

۳
فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا
بے دم ہوئے دو لعل پہ دم اس نے نہ مارا
جن بیٹوں کی عاشق تھی انھیں بھائی پہ وارا
پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدھارا
چادر نہ گری سر سے نہ چیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کئے جھک جھک کے زمیں پر

۴
پرسے کے لئے آئیں جو سب بیبیاں باہم
ہے ہے نہ کرو صاحبو کچھ مجھ کو نہیں غم
فرمایا بھرے گھر میں منا سب نہیں ماتم
مانگو یہ دعا خلق میں بھائی کا رہے دم
کونین میں رتبے مرے پیاروں کے بڑے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

۵
کچھ قاسمؑ و اکبرؑ سے سوا ان کا نہ تھا پیار
دو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار
کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار
میں شاد ہوں رحم ان پہ کرے ایزدِ غفار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو ان پر مرا حق تھا

۶
تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہوگا الٰہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تباہی
پر دونوں نے جو بات کہی تھی وہ نباہی
میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی
سر دینے کو رن میں نہ شہِ جن و بشر جائیں
میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مر جائیں

۷
کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وغا کی
سنتی ہوں الٹ دیں تھیں صفیں اہلِ جفا کی
ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
میں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
ہاں صاحبِ ہمت تھے وفا کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

۸
مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ
قاسمؑ کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ
پائیں ظفر اس لشکرِ کیں پر شہِ ذی جاہ
اب دھوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روتی نہیں لوگو
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

۹
جب مر چکے زینبؑ کے پسر فوجِ ستم میں
تاریک جہاں تھا نظرِ شاہِ امم میں
اور گلشنِ ہستی سے گئے باغِ ارم میں
زینبؑ نے برا حال کیا بیٹوں کے غم میں
چلاتی تھی دولت مری سب لٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھٹ گئی لوگو

۱۰
ان باتوں پہ زینب کی حرم کرتے تھے ماتم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم
میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
قاسم کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم
پر شدتِ گرمی سے نہ یارا تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا

۱۱
مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کچھ آپ سفارش کریں اب ان سے ہماری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذن وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

۱۲
رخصت کا سخن منہ سے نکلتا نہ ہمارے
کچھ منہ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے
فرزند پھوپھی جان کے دنیا سے سدھارے
حوریں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دلہن کی
اب سیر کرو اٹھ کے شہادت کے چمن کی

۱۳
ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا
واللہ کہ صدمے سے کلیجہ ہے دوپارا
جز خواہش تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا
باتیں بھی نہ کیں تھیں کہ پیام اجل آیا

۱۴
فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلہن صورتِ تصویر
بانوؑ نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
دولھا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

۱۵
جوں شمع لگی آتشِ غم فرق سے تا پا
تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا
رنگ اڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈاپا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈسالہ ہے تن میں
کنگنے سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں

۱۶
آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آ گیا ساماں
خود ہو گئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں
سینے پہ چلی وصل میں تیغ غم ہجراں
ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
وہ رشکِ چمن غم سے جو سرگرم فغاں تھی
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

۱۷
غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی
کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ ناز کی پالی
اب سہرے پہ رنڈاپے کی بلا چرخ نے ڈالی
یہ ہونٹھ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
آپڑتے تھے اشک آنکھوں سے رخساروں پہ ڈھل کر
رہ جاتی تھی وہ مہندی لگی ہاتھوں کو مل کر

۱۸
زانوں پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اتارے
سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
رو رو کے سکینہؑ سے یہ کرتی تھی اشارے
اس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پنہا دو

۱۹
کھلواسے کنگنے سے بس اب ہاتھ اُٹھایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پھنسایا
کیوں ہائے یہ کنگنا مجھے اماں نے پنہایا
کیا ان کا بگاڑا جو دُلہن مجھ کو بنایا
مر جانے کی رخصت کے طلبگار ہیں مجھ سے
سونپا تھا جنھیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے

۲۰
اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیے زیور
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر
کالی کفنی بر میں ہو اور نیلی سی چادر
قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہروں میں دردر
کیا کہیے مقدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

۲۱
دولہا نے جو دیکھا کہ دُلہن غم سے ہے مضطر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور
جلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
جھک کر کہا زانو سے اُٹھاؤ تو ذرا سر
لِلّٰہ نہ روؤ تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

۲۲
اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی
تقدیر نے آئینہ میں صورت تو دکھائی
حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
پھر شان نہ اس مصحفِ رُخ کی نظر آئی
لب بند ہی رکھے درِ گفتار نہ کھولا
ان نرگسی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

۲۳
کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم
راحت سے خوشی سے جو گذر جائے کوئی دم
ہو جائے گا شادی کا مکاں خانۂ ماتم
زندانِ مصیبت تمھیں رونے کو ملے گا
اور گوشۂ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

۲۴
تلواروں سے واں جسم مرا ہووے گا صد چاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک
لوٹیں گے عدو آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا
رنڈ سالہ نہ تم کو نہ کفن ہم کو ملے گا

۲۵
ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے
اس گل سے کفِ پا سے سدا آنکھوں کو ملتے
سایے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
کیا کیجیے ہیں تیر بچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقے تو نہ حق ان کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

۲۶
انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے
دُنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے
عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج کھڑی ہے
دل پاس تمھارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقتِ اجل ہووے گی مشکل
رخصت ہمیں اب دوگی تو حل ہووے گی مشکل

۲۷
اک جان ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے
سنتا ہوں کہ عباسؑ کو رخصت کی طلب ہے
فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو ادھر کھینچے ہے اور موت ادھر کو

۲۸
چلاتی ہیں زہراؑ مرے گل پیرہن آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ
سہرا مجھے دکھلائے کو ابن حسنؑ آؤ
اس بیاہ کے خلعت کو بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے چراغ آج محمدؐ کی لحد کا
اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا

۲۹
جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری
دولھا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری
تا دیر تو بولی نہ دلہن شرم کی ماری
آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی ہیں یہ بس مجھ کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب

۳۰
ہے آپ کو منظور مرا رانڈ بنانا
آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا
راس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا
روکوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات
دولھا نے کہا حشر میں اب ہوگی ملاقات

۳۱
کبراؑ نے کہا میں تمھیں واں پاؤں گی کیوں کر
ہوگا وہیں پیاسا شہ مظلوم کا لشکر
وہ بولے کہ آنا طرف چشمۂ کوثر
زہراؑ بھی وہیں ہوں گی وہیں ہوں گے پیمبرؐ
صف ہوگی فرشتوں کی در باغ ارم تک
حوریں تمھیں پہونچائیں گی فردوس میں ہم تک

۳۲
فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
چلائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
بولی نہ دلہن کچھ یہ ہوا ماں کا عجب حال
فریاد ہے مجھ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال
پردیس میں چھوڑے چلے جاتے ہیں دلہن کو
اے بیبیو روکو کوئی فرزند حسنؑ کو

۳۳
واں پرسے کو زینبؑ کے جو تھے جمع حرم سب
کبراؑ کو رنڈاپے سے بچا لیجو یا رب
غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب
بیٹھا نہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینبؑ
بیٹی کے لئے غم سے ہوئی جاتی تھی بانوؑ
بچے کو لئے گود میں تھراتی تھی بانو

۳۴
سب خیمۂ قاسمؑ میں جو آئے بہ دل زار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل افگار
دولھا نظر آیا انھیں باندھے ہوئے ہتھیار
اس وقت رہیں آپ ذرا ان سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

۳۵
ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور
قاسمؑ سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر
عباسؑ سے فرمایا کہ اے جان برادر
رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر
اب صبر ہو کیوں کر دل مضطر سے ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

۳۶
بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ
لپٹا کے گلے سے اسے شبیرؑ نے کی آہ
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للہ
فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

۳۷

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی
گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی
تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو
تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

۳۸

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے
سائے ہیں پلے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
مرجھائے جو سبزے کے نکلنے کے دن آئے
رُت پھر گئی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالمِ فانی کا نہ دیکھا
کچھ تم نے ثمر باغِ جوانی کا نہ دیکھا

۳۹

صدقے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے
بیتاب ہے دل گرد پھروں گا میں تمھارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے جھکا شرم کے مارے
لپٹا کے گلے سے شہِ والا یہ پکارے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو
اُمت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

۴۰

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ مجھ کو نہیں غم
خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
ہے لطف ترا زخمِ جگر کا مرے مرہم
مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم
ہرچند کہ ہدیہ ہے یہ کیا اور میں کیا ہوں
سَو بار جیوں مر کے تو سَو بار فدا ہوں

۴۱

یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریباں
فرمایا کفن ہے یہی پوشاک مری جاں
ماں ڈیوڑھی پہ چلّائی کہ اللہ نگہباں
کس شان سے گھوڑے پہ چڑھے قاسمِ ذیشاں
مقتل میں جو ضیغم کی طرح نعرہ زن آئے
تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حسنؑ آئے

۴۲

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو
اک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بہ کف خیمے سے رن کو
اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشکِ چمن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے

۴۳

شمعِ حرمِ لم یزلی تھا قدِ بالا
پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا
اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

۴۴

تھا صولتِ شوکت سے لعینوں کا جگر آب
لڑنا تو کجا آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گلِ شاداب
غیرت سے اُڑا جاتا تھا رنگِ رُخِ مہتاب
حق نے رُخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

۴۵

حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے
گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے
پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

۴۶
بولا کوئی بے درد کہ لڑکا ہے یہ جانباز
تیور میں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز
نکلا ہے نہ سبزا، نہ مسیں ہیں ابھی آغاز
برگشتہ ہے اس سے فلک تفرقہ پرداز
آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے
کس وقت میں دولھا کو چھڑاتا ہے دُلہن سے

۴۷
گذری جو شبِ عقد تو قسمت نے رُلایا
قسمت نے اُسے مسندِ شادی سے اُٹھایا
جاگے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
مرنے کے سوا اور بنے کو نہ بن آیا
دیکھا ہے دلہن کو جو محبت کی نظر سے
اب دیکھتے ہیں خیمے کو حسرت کی نظر سے

۴۸
حسنِ حسنؑ و شانِ حسینی ہے نمودار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار
کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
کرتی ہے زرہ خوبیٔ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بندِ شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

۴۹
فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رَن میں
رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گذرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

۵۰
رخسارۂ روشن ہیں کہ دو آئینۂ نور
جبیں کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور
ٹھہرے نہ کبھی جن کی صفا پر نظرِ حور
گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دُور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں ہے
گویائی بھی یک سو یہ مسیحائی کہاں ہے

۵۱
غنچوں نے کہا پائے لب ایسے دہن ایسا
ہے عکس سے ملبوس گلابی بدن ایسا
باتوں میں مزہ قند کا شیریں سخن ایسا
غل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پیرہن ایسا
انداز سراپا سے عجب لطف ملا ہے
جنّت کا چمن سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

۵۲
یوسف نے یہ ترکیب یہ صورت نہیں پائی
ہے سرو بھی خوش قد پہ یہ قامت نہیں پائی
یہ بُو، یہ صباحت، یہ ملاحت نہیں پائی
گُل نے یہ لطافت، یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستۂ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولھا کا پسینہ ہے کہ ہے عطرِ دُلہن کا

۵۳
آنکھیں وہ غزالانِ ختن جن پہ تصدّق
لب ایسے کہ ہو لعلِ یمن جن پہ تصدّق
رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدّق
دانت ایسے کہ درہائے عدن جن پہ تصدّق
دانتوں سے لڑا لے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جائیں گے یاقوت کے نگ کوئی گھڑی کو

۵۴
دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف
خالوں کی ہے شوکت سے عیاں شانِ حسنؑ صاف
یہ شمع تجلّی ہے کہ ہے گردنِ شفاف
ہاتھوں کے یداللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجے کے لئے ہیں نہ کلائی کے کئے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لئے ہیں

۵۵ ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ
روشن صفتِ روشنیٔ طور ہے سینہ
اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
نے بدر میں یہ نور، نہ یہ مہر میں ضو ہے
تکمہ تو تارا ہے گریباں مہِ نَو ہے

۵۶ باریک ہے کیا ذہن میں وصفِ کمر آئے
یہ فکرِ رسا جائے کہاں اور کدھر آئے
سو رنگ سے باندھیں اسے جو نہ نظر آئے
ممکن ہی نہیں یہ کہ عدم کی خبر آئے
واں پیکِ خرد حکمِ رسائی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

۵۷ ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر
ہے اس کے لئے کاہ سے کم کوہ کا لشکر
ٹل جائے زمیں، پر یہ نہیں ہٹنے کا صفدر
جانباز ہے لختِ جگرِ حیدرِ صفدر
زور ان کا کسی جنگ میں گھٹتے نہیں دیکھا
پیچھے کبھی اس قوم کو ہٹتے نہیں دیکھا

۵۸ اتنے میں رجز پڑھنے لگا قاسمِ نوشاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ یداللہ
آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ،
عمّو ہیں حسینؑ ابن علیؑ سیدِ ذی جاہ
میں لختِ دلِ فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اُس کا پسر ہوں

۵۹ دادی شرفِ آسیہ و مریم و سارا
میں ہوں فلکِ صبر و شرافت کا ستارا
خود نور سے اپنے جسے خالق نے سنوارا
روشن ہے نسب صورتِ خورشید ہمارا
حیدرؑ سے جُدا ہیں نہ پیمبرؐ سے جدا ہیں
قرآن سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

۶۰ سب جانتے ہیں پنجتنِ پاک کا رُتبا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسیٰؑ
آدمؑ سے کیا پہلے خدا نے انھیں پیدا
تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوا
داخل سخن اپنا یہ تعلّی میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلّی میں نہیں ہے

۶۱ عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دینے کو تیار رہے ہیں
اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

۶۲ ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیر جری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں
ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بَری ہیں
کیا سمجھیں جو وہ مست مئے بے خبری ہیں
دلوائے گا خدا داد جو بیداد کرو گے
بھولے ہو ابھی تو یہ بہت یاد کرو گے

۶۳ جان دلِ زہراؑ کے عبث در پئے جاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو
جس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر
دُنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر

۶۴
سیّد نے جو کی ہو کوئی تقصیر تو کہہ دو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو
جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
اُمت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

۶۵
حق چھین لیا بعد پیمبر وہ نہ بولے
شمشیر سے زخمی ہوئے حیدر وہ نہ بولے
پہلو پہ گرا فاطمہؑ کے در وہ نہ بولے
ٹکڑے ہوا سم سے دلِ شبّرؑ وہ نہ بولے
دم دیتے تھے بھائی پہ و لے دم نہیں مارا
جب تیر جنازے پہ چلے دم نہیں مارا

۶۶
آمادہ تھے مرجانے پہ سب ہمدم و یاور
تابوت پہ بابا کے لگے تیر جو ستّر
فرمایا کہ اُمت سے لڑائی نہیں بہتر
لے جا کے انھیں دفن کیا ان کے برابر
کیا صبر ہے دو بھائی بچے بے جان پڑے ہیں
اس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

۶۷
تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے عاری
ہے غیظ ہمارا غضبِ ایزدِ باری
باعث ہے فقط یہ کہ ہے اُمت انھیں پیاری
جبریلؑ سے رُکتی نہیں تلوار ہماری
جن روزوں میں دادا سے مری جنگ ٹھنی تھی
دہشت سے بنی جان کی جانوں پہ بنی تھی

۶۸
وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو کو مارا
معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
اللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اس دم ہوسِ ملکِ عدم ہو

۶۹
سردارِ اُمم محرمِ اسرارِ محمدؐ
دلدار و دل آرام مددگارِ محمدؐ
مہر و اسد اللہ کا دلدارِ محمدؐ
ممدوح ملک مالکِ سرکارِ محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اُس مالکِ کل کو
آرام دو اک دم دلِ سردارِ رسل کو

۷۰
کس کا اسد اللہ سا ہوا والدِ مرحوم
صدرِ دو سرا رحم دل و سرورِ ہموم
حلّالِ مہم مالکِ کل طاہر و معصوم
آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ وہ محروم
معصوم کا دلدار ہو سالارِ اُمم ہو
اولاد کا اس عالم و عادل کو اَلم ہو

۷۱
اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
وہ مصدرِ الہامِ احد محرمِ اسرار
اس طرح کا عالم کا مُمد اور مددگار
وہ اصلِ اصولِ کرمِ داورِ دادار
حاصل اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

۷۲
قبضے پہ اگر ابنِ علیؑ ہاتھ دھرے گا
اک دم میں یہ میدانِ ستم خوں سے بھرے گا
دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
جو تیغ سے بچ جائے گا دہشت سے مرے گا
لشکر کو اُلٹ دیں گے انھیں غیظ جب آیا
تیغِ اسد اللہ کھنچی اور غضب آیا

۷۳
ان کا تو ہے کیا ذکر اگر حکمِ وغا دیں
ضربِ اسد اللہ کا انداز دکھا دیں
واللہ غلام ان کے ابھی تم کو بھگا دیں
ستّو ستّو کے سر اک دم میں تنوں پر سے اڑا دیں
اک ان میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو
سن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

۷۴
کیا دیر ہے منہ پر مری شمشیر کے آؤ
بولا پسرِ سعد سواروں سے کہ جاؤ
دیکھوں تو بھلا کچھ ہنرِ جنگ دکھاؤ
ہاں قاسمِ نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ
داماد کا دو داغ امامِ مدنی کو
ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغِ حسنی کو

۷۵
باتوں پہ نہ جاؤ سخن ان کے ہیں اثر دار
پھل پائیں گے اس سرو کے کاٹے سے تبردار
پیچھے نہ ہٹے پاؤں دمِ جنگ خبردار
سر لائے گا جو اس کا کروں گا اسے سردار
نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو
شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

۷۶
دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار
تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ کفار
بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
بیٹھا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

۷۷
اب برقِ اجل فوجِ ستمگار پہ آئی
آری کیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی
تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

۷۸
جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہرِ ہلاہل
تھرّاتے تھے سینوں میں جگر کانپتے تھے دل
کیا لڑتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت
مل جاتی تھی ہاں راہِ عدم لینے کی مہلت

۷۹
نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی
تلوار نے آفت سرِ کفار پہ ڈالی
حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
لڑنے کے لئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زیں پر

۸۰
اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اول
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل
وہ ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہل چل
سر کٹ گئے یہ برچھیوں بھالوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ سر ان لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

۸۱
سمجھے یہ کماندار کہ رخ جنگ سے پھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا
چلّائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی رد کرے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں!

۸۲
تھا مضطر و حیراں پسرِ سعد ستمگر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر
پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آ کر
دریا تلک آ پہونچا ہے لختِ دلِ شبّرؑ
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

۸۳
کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں
دو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں
کس ڈھال پہ شمشیرِ شرر بار کو روکیں
تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برقِ جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

۸۴
گھبرا کے کہا اس نے کہ ازرق کو بلا لا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا
آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدر و جرّار کو مارے
نزدیک ہے آ کر کسی سردار کو مارے

۸۵
ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام
سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
دولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آب دمِ تیغ کا اس کے لبِ جو ہے
گر یاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

۸۶
سالارئ لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم
رستم سے سوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم
ہے چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
تو جا تو ہو بے سر پسرِ سیدِ مسموم
داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو
دیکھا نہیں سر پیٹتے اک شب کی دلھن کو

۸۷
یوں کہنے لگا چیں بہ جبیں ہو کے وہ مغرور
اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے معمور
لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

۸۸
مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد
جلّادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منھ زرد
ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
پٹکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سرمہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

۸۹
تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب
پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

۹۰
بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان
یہ شیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
جانباز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھینچے ان کی تو سر تن سے جدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

۹۱
آنکھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب
اوروں کے نہ سو وار نہ ان لوگوں کی اک ضرب
نے خوف بلا ان کو نہ رنج و الم و کرب
ایسا کوئی جرّار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں اُتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو ان پر
تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

۹۲
اس شیر کے فرزند ہیں یہ شیر
تلوار یہ کھنچی ان کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر
اللہ نے بھیجی ہے جسے عرش سے شمشیر
یہ سب سے زبردست ہیں اور ان سے ہیں سب زیر
ہم لوگوں کی ہے موت جو زندہ ہیں یہ غازی
گر تیغ نہ ہو شیرِ درندہ ہیں یہ غازی

۹۳
آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی
بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
رستم سے بھی ضرب ان کی اٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

۹۴
سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے
سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

۹۵
گو طفل ہیں پر تیغ زنی ورثہ ہے اِن کا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جان کی پروا
یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے وغا کرتے ہیں تنہا
طفلی میں جوانوں کے کئے کام علیؑ نے
گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

۹۶
ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار
پر میں تو نہ لڑ کے یہ کبھی کھینچوں گا تلوار
روئیں تن و زور آور و نام آور و جرّار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزند حسنؑ کا

۹۷
یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا
تو زور میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
یہ سن کے جفا جو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

۹۸
بجنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا
دیتا ہے شجاعوں کو مزا خون میں بھرنا
کڑکا ہوا نکلے وہ جواں ہو جسے مرنا
ہاں تا ابد نام رہے آج وہ کرنا
غیرت کی ہے جا نام بزرگوں کے بڑے ہیں
یاں شمر و عمر واں شہِ مظلوم کھڑے ہیں

۹۹
نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار
قاسمؑ اُسے رد کر کے پکارے کہ خبردار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی تیغِ شرربار
روکے کسے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ پوری نہ سناں تھی

۱۰۰ تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر
خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
نے تیغ، نہ پنجہ، نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

۱۰۱ سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر
قاسمؑ نے لپیٹا اسے پنجے میں لپک کر
تھے بال بڑے کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

۱۰۲ ارزق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا
سب کو رخ قاسم کا اجالا نظر آیا
دن چشم ستمگار میں کالا نظر آیا
یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابن حسنؑ کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

۱۰۳ اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی
اس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
آیا وہ ادھر سے کہ ادھر سے اجل آئی
ڈھونڈھا کئے قاسمؑ بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

۱۰۴ فرزند سوم فوج سے نکلا صفت شیر
دولھا سے رہی ردّ و بدل تیروں کی تا دیر
تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؑ نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اس کا بچا کر
رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

۱۰۵ لب پر جو ادھر بے ادبانہ سخن آیا
اس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا
سنتے ہی ادھر غیظ میں ابن حسنؑ آیا
بالا لیے وہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہر سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی

۱۰۶ نیزے کو دبایا تو فرس سے ابھر آیا
مچھلی سا بھرے میں تڑپتا نظر آیا
سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
قاسمؑ نے کہا نخل دغا میں ثمر آیا
تلوار کو امت کے جو سردار پہ کھینچا
خلاق دو عالم نے اسے دار پہ کھینچا

۱۰۷ چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے
تلوار علم کر کے چلا طیش کے مارے
تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تھے ڈھنگ ادھر جنگ یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمن دیں کو
اک ضرب میں دو کر کے کیا چار لعیں کو

۱۰۸ چاروں پسر ارزق کو نظر آئے جو بے دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصت ماتم
اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اس دم
باندھا کمر نحس کو زنجیر سے محکم
جیتے ہوئے سر پر جو نہ قتال عرب سے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوش غضب سے

آیا وہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورت اژدر	۱۰۹	شانے پہ کماں، رُخ پہ جھلم، فرق پہ مغفر بر میں تو زرہ اور کمرِ نحس میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخنِ سخت زباں پر		اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر
نیزہ صفتِ مار زباں منہ سے نکالے تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو کھالے	۱۱۰	ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے		چار آئینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے
اور زیر زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستمگر	۱۱۱	خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر حلقے میں ہو جس طرح لئے کوہ کو اژدر
وہ رشکِ تہمتن تو فرس پیل دماں تھا		اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہِ رواں تھا
چنگھاڑ کے رن میں صفت دیو پکارا قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا	۱۱۲	کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا الفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا		تو ازرقِ شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا
شبیرؑ نے ازرق کو جو آتے ہوئے دیکھا فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا	۱۱۳	بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا وہ دیو یہ کمزور وہ سیراب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گود کے پالے پہ ہمارے		اب بیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے
یارب مرے قاسمؑ کو اس آفت سے بچالے کبریٰؑ کو رنڈاپے کی مصیبت سے بچالے	۱۱۴	بیکس کو ستمگار کی ضربت سے بچالے بچ جائے جو تو اپنی عنایت سے بچالے
اُمت پہ خدا کر چکا اولاد بہن کی		یہ لعل مرے پاس امانت ہے حسنؑ کی
یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہ خوش اقبال زہراؑ کی بہو بیٹیوں نے کھول دیے بال	۱۱۵	غل پڑ گیا لو باغِ حسنؑ ہوتا ہے پامال ماں خاک پہ یہ کہہ کے گری ہائے مرے لال
بیٹی جو دُلہن سر کو تو گھبرائی سکینہؑ		روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہؑ
یاں ہونے لگی قاسمؑ و ازرق میں لڑائی ازرق کی تو کرتا تھا عمر مدح سرائی	۱۱۶	نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی اکبرؑ کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے ازرق		تم شبیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ازرق
پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب	۱۱۷	رَد کر دیا نوشاہ نے وار اس نے کیا جب جرأت میں ید اللہ یہ تھے اور وہ مرحب
اٹھتے تھے تتق گرد کے میدان بلائیں		چنگاریاں اُڑتی تھیں سنانوں سے ہوا میں

۱۱۸
نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل اُن میں برابر
گھوڑے بھی تنگ دیو سے پسینے میں ہوئے تر
تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سرور
تھے غیظ میں نوشاہ تو غصے میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

۱۱۹
قاسمؑ پہ اُٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلاتے تھے ہر بار
گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
عمو ترے قربان مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمھیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

۱۲۰
نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں
حلقے تھے یہ شالوں سے نہ سرکیں تھیں کمانیں
جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑ کر
غصے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

۱۲۱
قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
خالی گئے گو نیزۂ و گرز و تبر و تیر
مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے بچائے جہاں ہو
تو مور سے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں

۱۲۲
قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیر دو دستی
پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی
اک دم میں نہ یہ زور رہے گا، نہ یہ مستی
دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

۱۲۳
بل کھا کے ستمگار نے غصے سے کہا ہاں
بولا یہ اُٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں
قاسمؑ نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں
لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر پھر بھی نہ اس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار کو تلوار پہ روکا

۱۲۴
چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی
ٹلنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی
احسنت کا غل فوج کی انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابر سیہ کوہ سے اُٹھا

۱۲۵
عباسؑ صدا دیتے تھے عمو ترے قرباں
وہ دیو ہے ضربت کے بچانے کا رہے دھیاں
کس شان سے کرتے ہو وغا واہ مری جاں
ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آن
زد پر دمِ شمشیر کے آنے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں مار لیا دشمنِ دیں کو

۱۲۶
ہاں مغفرِ دشمن پہ گئی تیغ سپر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے
مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفاکار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو یداللہ نے مارا

۱۲۷
بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر
یاں خاک پہ سجدے کے لئے جھک گئے شبیرؑ
للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
شادی سے ہوا سُرخ رُخ اکبرؑ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

۱۲۸
زہراؑ کی صدا آئی کہ دولھا ترے واری
ماں ڈیوڑھی سے لے لے کے بلائیں یہ پکاری
اور گرد پھری روح حسنؑ کی کئی باری
قاسمؑ ترے قربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سیدِ ذی جاہ کے صدقے
پھیر آنکھیں قسمت نے یداللہ کے صدقے

۱۲۹
زینبؑ کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں
بانوؑ نے کہا جا کے دُلہن سے کہ مری جاں
پھولی نہ سمائی یہ ہوئی خرّم و شاداں
لو شکر کا سجدہ کرو مشکل ہوئی آساں
زہرا کا ترے فرق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صد و سی سال سہاگن رہے بیٹی

۱۳۰
ماں خلق میں آباد تجھے چھوڑ کے مرجائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے
دولھا ترا قائم رہے تو خلق میں سکھ پائے
ہنستا ہوا میدانِ شہادت سے بنا آئے
کھلتے ہوئے بر میں گلِ اُمید کو دیکھوں
مسند پہ قرانِ مہ و خورشید کو دیکھوں

۱۳۱
بیٹھی تھی دُلہن شکل جو رانڈوں کی بنائے
مژدے جو خوشی ہونے کی قسمت نے سُنائے
تھا سوچ کہ کیا دیکھئے تقدیر دکھائے
یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آئے
دولھا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگھٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

۱۳۲
سچ کہتے ہیں ہیں شادی و غم خلق میں توام
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم
معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں باہم
تیر آئے تھے سینے پہ، کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

۱۳۳
زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
پانی کے لئے تن میں لگی روح پھڑکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے پیاس سے تکنے
سینے پہ سناں گُرز لگا کاسۂ سر پر
تیورا کے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

۱۳۴
عمّو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو
ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
ذرّیتِ حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

۱۳۵
آواز حسنؑ آنے لگی ہائے مرے لال
گھبرائے اُدھر کھول دئے گوندھے ہوئے بال
سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
دوڑے طرفِ فوج شہنشاہِ خوش اقبال
داماد کا ماتم تھا کمر ضعف سے خم تھی
تیغ دو زباں دستِ مبارک میں علم تھی

۱۳۶
اعدا کو بھگا کر جو گئے ڈھونڈھنے سرور
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر
پامال ملے قاسمِ نوشاہ سراسر
رو کر پسرِ فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے لپٹے
چلّائے حسینؑ ابنِ علیؑ لاش سے لپٹے

۱۳۷
رو کر کہا صدقے ہو چچا منہ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منہ سے تو بولو
کیا حال ہے اے ماہ لقا منہ سے تو بولو
گر اُٹھ نہیں سکتے تو بھلا منہ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیے جاتے ہو قاسمؑ
بیٹی کو مری رانڈ کیے جاتے ہو قاسمؑ

۱۳۸
یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سُنائی
منہ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
میں ساغرِ کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اسے اے لعل کہ تر خشک گلا ہو
دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

۱۳۹
لب بند کیے قاسمؑ نوشاہ نے یک بار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئینہ رُخسار
یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
لاش اس کی چلے لے کے شہِ بیکس و بے یار
ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا دیکھ کے سب کو
وہ آئے ہیں دولھا تھا بنایا جنھیں شب کو

۱۴۰
ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو دَر پر
فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر
بانوؑ نے کہا لٹ گئی لوگو مری دُختر
سر پیٹتی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنتِ علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دُلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

۱۴۱
اک شور اُٹھا ہائے غضب مر گئے قاسمؑ
شہ بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسمؑ
سب خون میں سرتابہ قدم بھر گئے قاسمؑ
پیاسے مرے گھر سے لبِ کوثر گئے قاسمؑ
لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشکِ چمن کو
شرم آتی ہے میں منہ نہ دکھاؤں گا دُلہن کو

۱۴۲
ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہِ بحر و بر آئے
آغوش میں تھے لاشۂ نوشاہ اُٹھائے
روتے ہوئے اور شرم سے گردن کو جھکائے
اکبرؑ بھی تھے ہمراہِ پدر اشک بہائے
خاموش انیسؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی
حالت کہوں کس منہ سے شہِ کون و مکاں کی

رُباعی

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیسؔ
ہم ہووینگے اور قبر کا کونا ہوگا

مرثیہ

۱
یوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے — فرقت ہوئی یعقوبؑ کو اُس رشک قمر سے
رنگ رُخ پُرنور اُڑا دردِ جگر سے — دُنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں — بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

۲
تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب — برہیں دلِ مجروح تپاں صورتِ سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب — فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے رو دئے — تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے رو دئے

۳
پیراہنِ یوسفؑ کبھی آنکھوں سے لگاتے — کرتے کو کبھی سونگھ کے تھے اشک بہاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے — پوشاک یہ جس کی ہے اُسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے — کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

۴
جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر — بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسّر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رُو کر — ملتا نہیں گم ہو گیا یوسفؑ مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی — فرزند سے لِلّٰہ ملا دے مجھے کوئی

۵
ہر بات پہ رُو کر کفِ افسوس کو ملتے — ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے — گہ ضعف سے گرتے، کبھی اُٹھتے، کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے تھے نہ اس رشکِ قمر کو — صحرا کی طرف ڈھونڈھنے جاتے تھے پسر کو

۶
سایے میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے — اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے — دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے — تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

۷
تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا — چلّاتے تھے اے لعل تو کس قبر میں سویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا — خود گم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں سے کھویا
کچھ تیرا پتہ اے مرے مہ رُو نہیں ملتا — سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

۸
کیا جانیے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہے سایا — کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا — آرام مرے ہجر میں کیوں کر تجھے آیا
راحت بھی کوئی دم ہے کہ دُکھ سہتے ہو بیٹا — جنگل ہے کہ بستی ہے کہاں رہتے ہو بیٹا

۹
گر نام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے — تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے — تو کون سی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے
حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو — جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

۱۰
اللہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ
اے لعل کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رُلاؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ
چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھوٹتا

۱۱
برسوں جو اسی طرح رہے مضطر و دلگیر
تھے فرق سے تا ناخنِ پا درد کی تصویر
طاقت جو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہوئے پیر
اب جائیں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر
زور اپنا دکھایا کمرِ راست کے خم نے
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے

۱۲
بیت الحزن اور آپ نہ کھانا تھا نہ سونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منھ اشکوں سے دھونا
گر دن تھا تو رونا تھا جو تھی رات تو رونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا
آرام نہ بے گریہ و زاری کوئی دم تھا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

۱۳
افراطِ الم سے یہ جوانی میں ہوا حال
اک طائرِ روح اور رگوں کا تھا فقط جال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیر کہن سال
کوئی نہ رہا ریش مبارک میں سیہ بال
روئے یہ شب و روز جدائی میں پسر کی
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اسی نور نظر کی

۱۴
فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی زائل
یوسفؑ کی نظر آئی نہ جب شکل و شمائل
بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مرا دل
بینائی سے کیا فائدہ کیا آنکھوں سے حاصل
جو نور نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہے
ان آنکھوں کے حجرے نہ کھلیں اب تو بجا ہے

۱۵
پوچھا کبھی گر کوئی ملاقات کو آیا
افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا
بتلاؤ کہ یوسفؑ کا پتہ ہے کہیں پایا
ایسا نہیں بچھڑا کہ ملے گا مرا جایا
کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو
اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

۱۶
ہرچند کہ یعقوبؑ کے گیارہ تھے پسر اور
یعقوبؑ محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور
آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
آتا یہ تمہارے ہوئے کیا کیا ستم و جور
حقا کہ رضا جوئے خداوند شہِ دیں تھا
اس لعل کو کھویا کہ جو یوسفؑ سے حسیں تھا

۱۷
یعقوبؑ کے آگے جو پسر برچھی کو کھاتا
فرزند کا دکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا
ہے دل کو یقیں منھ سے کلیجہ نکل آتا
اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گل ہو اگر خاک کے نیچے
رکھتے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے

۱۸
یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
اُٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگِ پسر سے
موت آکے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے
جاتا نہیں یہ داغ مرے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبرؐ کا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۹
غیروں کے لئے اپنی کمائی کوئی کھوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے
دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
فرزند جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے
فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

۲۰
یعقوبؑ پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند
تھی اُن سے سوا بیٹے کی الفت انھیں دوچند
یوں روتے تھے جس طرح کہ مر جاتا ہے فرزند
لیکن پسرِ فاطمہؑ تھا خرّم و خرسند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی
دینے میں ہے کیا عذر امانت ہے خدا کی

۲۱
کرتا ہے سفر یوسفؑ شاہنشہِ عالی
تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی
کنعانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوتا ہے خالی
ہاتھوں سے جگر تھامے ہے ماں پالنے والی
کرتی ہے نظر یاس سے جب روئے پسر پر
چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پر

۲۲
پلکوں کے کلیجے ہیں در آتے ہیں جو بھالے
بیٹے سے اشارہ ہے کہ اے گیسوؤں والے
بسمل کی طرح لوٹتی ہے دل کو سنبھالے
واری تجھے اس پیچ سے اللہ نکالے
جنّت میں ہمیں ساتھ نہ لے جاؤ گے بیٹا
کیا چھوڑ کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا

۲۳
حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی ہے اظہار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار
رہ جاتا ہے روکر پسرِ بیکس و ناچار
فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار
فرزند بھی گھر بار بھی سب نذرِ خدا ہے
مادر سے کہو باپ تو راضی بہ رضا ہے

۲۴
ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو اے اکبرؑ گلفام
کردے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام
تم شوق سے سر دے کے کرو خلد میں آرام
میرا تو یہ مطلب ہے کہ اُمت کا بنے کام
حق تم پہ ہے زینبؑ کا وہ واں روکے تو روکے
ہم تم کو نہ روکیں گے جو ماں روکے تو روکے

۲۵
میں باپ ہوں الفت مری کیا اے مرے پیارے
مشکل ہے کہ دو چاہنے والے ہیں تمھارے
یکساں ہے رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
جاں ایک کی اور ایک کی ہو آنکھوں کے تارے
دامن جو وہ پکڑیں تو چھڑا سکتے ہو بیٹا
بے دونوں کے راضی ہوئے جا سکتے ہو بیٹا

۲۶
یہ ہم نہیں جو تم نے کہا منھ سے وہ مانا
اشکوں کے بہانے کو بھی سمجھیں گے بہانا
دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہے جانا
دشوار ہے مشکل ہے رضا جنگ کی پانا
جو ماں کا وہی زینبِ دلگیر کا حق ہے
یاں پالنے کا حق ہے تو واں شیر کا حق ہے

۲۷
نزدیک ہمارے تو ہے رخصت میں تامّل
بالوں کو جو بکھرائیں گی وہ صورتِ سنبل
دو قمریاں اک سرو ہے دو بلبلیں اک گل
ہوئے گا بپا نالہ و فریاد کا اک غل
صدقے کوئی ہوگی کوئی قدموں پہ گرے گی
ماں پکڑے گی دامن تو پھوپھی گرد پھرے گی

۲۸
لو مان لیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا
ہو جائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانا
ہوئے گا گوارا تجھے زینبؑ کا رُلانا
تو جان ہے سب گھر کی مناسب نہیں جانا
مرجائیں گے گر دیر ہوئی آنے میں بیٹا
ڈو جانوں کا نقصاں ہے ترے جانے میں بیٹا

۲۹
ڈو جانیں تلف ہوتی ہیں اس جانے سے حاصل
واں جاؤ تو جاؤ مرے پاس آنے سے حاصل
رخصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل
تدبیر نکالو کوئی غم کھانے سے حاصل
اک ہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو
ان سے تو سنبھالا نہیں جائے گا جگر کو

۳۰
ہو ایک تو کوئی اُسے سمجھائے مری جاں
اور ماں کی جو پوچھو اُسے سَو طرح کے ہیں دھیان
بہنیں تری صدقے ہیں پھوپھی ہیں ترے قرباں
بوٹے کے کھلانے کی ہوس بیاہ کا ارماں
منصف ہو یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
راتیں یہ مرادوں کی ہیں یہ مرنے کے دن ہیں

۳۱
اکبرؑ نے کہا باپ سے یہ ماں کو سُنا کر
وہ آپ کہیں گی کہ فدا ہو مرے دلبر
خادم کو نہ روکے گی پھوپھی اور نہ مادر
حضرت سے زیادہ انھیں پیارا نہیں اکبرؑ
زہراؑ کی بہو یہ ہیں تو وہ بنتِ علیؑ ہیں
جو چاہیں سو دیں یہ بھی سخی وہ بھی سخی ہیں

۳۲
فرزندوں کو حضرت پہ پھوپی جان نے وارا
اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کرنے کی پیارا
بیٹھی ہوئی رانڈ اُن کی مگر دم نہیں مارا
ہاں آپ کی فرقت نہیں ہونے کی گوارا
دھڑکا ہے رنڈاپے کا جو رنجیدہ ہیں اماں
ناداں نہیں فہمیدہ و سنجیدہ ہیں اماں

۳۳
وارث ہے جو سر پر تو ہے عورت کے لئے تاج
کوکھ اُجڑے تو اُجڑے یہ نہ دنیا میں لُٹے راج
ہوتی ہے رنڈاپے میں ردا کے لئے محتاج
سایہ ہے فقط آپ کا ان کے لئے معراج
یہ آپ کی خدمت کو پسر حق نے دئے ہیں
فرزند اگر ہیں تو اسی دن کے لئے ہیں

۳۴
ممکن ہے کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں
یہ وہ ہیں کہ مرضی جو ذرا آپ کی پائیں
اور فاطمہؑ کے لال کو ہاتھوں سے گنوائیں
اصغرؑ کو بھی جھولے سے ابھی نذر کو لائیں
تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو
خود بھیجدیں تلواروں میں بیمار پسر کو

۳۵
حضرت کو پھوپھی جان کی جیسی ہے محبت
ہیں آپ کے بدلے یہ گرفتارِ مصیبت
یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں اُلفت
کیا دور ہے بن مانگے اگر دیں مجھے رخصت
آخر کے لئے سجادے پہ مشغول دُعا ہیں
جو آپ پہ قرباں ہو یہ اُس پہ فدا ہیں

۳۶
مطلق نہیں دھیان ان کو رہے یا کوئی جائے
کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے ڈو لعل گنوائے
اُن کو تو وہ پیارا ہے جو کام آپ کے آئے
اس کی ہیں وہ جو یا کہ بہن بھائی کو پائے
کیا ذکر خفا ہونے کا خوشنود ہیں وہ تو
جاں اپنی فدا کرنے کو موجود ہیں وہ تو

٣٧
بانوئے کہا زینبؑ بیکس سے کہ ہمشیر
ہر بات ہے یہ میرے کلیجے کے لئے تیر
سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
میں کیا کروں کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
اکبرؑ سے محبت کے گلے مجھ کو بڑے ہیں
ہے پاسِ ادب سبطِ نبیؐ پاس کھڑے ہیں

٣٨
کیا ہوئے گا سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
اس وقت مدد کیجیے کہ آساں ہو یہ مشکل
کیوں لائے ہیں ہمراہ پسر کو شہِ عادل
بے آس کریں گے ہوئے جب بیاہ کے قابل
کچھ آپ بھی سمجھائیے اس غنچہ دہاں کو
گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو

٣٩
یہ آپ سے کر سکنے کے ہرگز نہیں تکرار
زینبؑ نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار
میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلوائیے تلوار
وہ کیا کرے ہے باپ مصیبت میں گرفتار
رخصت نہ اگر دو گی تو قدموں پہ جھکے گا
یہ صاحبِ غیرت نہ رُکے گا نہ رُکے گا

٤٠
لُٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یہ کمائی
دُولھا نہ بنایا نہ دُلہن بیاہ کے لائی
ہو جائے گا پھر بے کس و تنہا مرا بھائی
لے جاؤں گی ہے ہے علیؑ اکبرؑ کی جدائی
میں خوش تھی کہ اب ساتھ دلہن لیکے چلیں گے
کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ پھلیں گے

٤١
بانوؑ سے بھی زینبؑ سے بھی کہنے لگے سرور
چپ رہ گئی زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر
کیا کہتی ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبرؑ
بانوئے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر
میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی
مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

٤٢
واجب ہے اطاعت مجھے یا سیّد ابرار
میں آپ کی گھر آپ کا اور آپ کے دلدار
طاقت ہے میں اس امر میں کر سکتی ہوں تکرار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اکبرؑ کے بھی مختار
شکوہ نہیں گر ہیں تو محبت کے گلے ہیں
یہ لعل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں

٤٣
ہے کام کا وہ ان میں جو کام آپ کے آئے
فرماؤ تو لونڈی علی اصغرؑ کو بھی لائے
ارشاد جسے کیجیے وہ مرنے کو جائے
حسرت ہے کہ ماں اور انھیں نوشاہ بنائے
پُر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں

٤٤
شہ بولے نہیں جس میں خوشی ہوئے تمہاری
بانوؑ نے کہا میں تو رضامند ہوں واری
اکبر رہیں ہم جائیں سوئے لشکرِ ناری
کہہ دیجیے ان سے کہ نہ منگوائیں سواری
سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
خاتونِ قیامت کا رُلانا نہیں منظور

٤٥
گر کہیے تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں
ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں
بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
روتی ہوئی چھپانے کو در تک بھی نہ جاؤں
اولاد جو پیاری ہے تو حضرت ہی کے دم تک
کہیے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک

۴۶
پھٹ جائے کلیجہ بھی تو منھ سے نہ کروں آہ
گو دل پہ گرے ہجر میں کوہِ غمِ ناگاہ
دامن بھی نہ پکڑوں جو یہ میدان کی لیں راہ
نے روؤں نہ پیٹوں نہ کہوں ہائے مرا ماہ
سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہو گیا مجھ سے
پالا تھا کسے کون جدا ہو گیا مجھ سے

۴۷
شہ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمہارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا
ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اک رنج میں راضی بہ رضا ہیں
یہ کام انھیں کا ہے جو خاصانِ خدا ہیں

۴۸
جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہے مرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا
مشکل ہے مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگ گلستانِ جہاں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

۴۹
کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ گل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے
کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

۵۰
مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر
ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر

۵۱
مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک
اس گل پہ گرا دیتے ہیں خود سیکڑوں من خاک
وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا

۵۲
بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے
بے ان کے کوئی آن نہ دنیا میں ٹھہرتے
کوچ ان کا نہ ہوتا کہ سفر خلق سے کرتے
یہ غسل و کفن دے کے ہمیں قبر میں دھرتے
پر دخل ہمیں مرضیِ معبود میں کب ہے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبرؑ کی طلب ہے

۵۳
منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی
عباسؑ کو روئیں گے جو مر جائے گا بھائی
دھیان آئے گا اکبرؑ نے سناں سینہ پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

۵۴
فرزند صغیر اُن کا تلف ہوگا کوئی گر
ہو جائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
ہیں دوست مرے یاد کریں گے غمِ اصغرؑ
کبراؑ کے رنڈاپے پہ وہ روئے گا مقرر
بھولیں گے مرے غم میں الم خویش و پسر کا
مرہم بھی اُن لوگوں کے ہے زخمِ جگر کا

۵۵
تھا مجھ کو تردّد کہ نہ دوں گی انھیں رخصت
بانوؑ نے کہا ختم ہے زہراؑ پہ سخاوت
پر کیوں نہ ہو زہراؑ کی بہو صاحبِ غیرت
کیا صبر مرا، کیا مرا دل، کیا مری ہمّت
خوشنودیٔ خالق جو مجھے مدِّ نظر ہے
صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے

۵۶
اس گھر میں نہ ہوتی کبھی اس صبر کے قابل
شوہر تو ملا ابنِ علیؑ سا شہِ عادل
یہ فیض اسی گھر سے ہوا مجھے حاصل
بیٹا علی اکبرؑ سا ملا حور شمائل
ہاتھ آگیا خورشید تو ایسا قمر ایسا
کس بی بی نے پایا ہے گھر ایسا پسر ایسا

۵۷
شہزادہ کہ جس شیر کے قبضے میں خدائی
ساس ایسی کہ جو احمدِ مختار کی جائی
نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپ سا بھائی
کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی
خود مصحفِ اکبر میں بیاں جن کا کیا ہے
رشتہ مجھے ان موتیوں سے حق نے دیا ہے

۵۸
جب خواب میں آئی تھیں مرے آپ کی مادر
ارشاد کیا تھا یہ دلہن مجھ کو بنا کر
کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا مرا سر
میں فاطمہؑ ہوں، ہے ترا دولھا مرا دلبر
لائی ہوں کمائی کو شہِ عقدہ کشا کی
لے دیکھ لے صورت کو مرے ماہ لقا کی

۵۹
لونڈی نے جو گردن سرِ زانو سے اٹھائی
اس حسن کے نظارے کی میں تاب نہ لائی
حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
پر بیکسی و یاس سی تھی چہرے پہ چھائی
قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھل آئے
حضرت تو ہنسے اور مرے آنسو نکل آئے

۶۰
زہراؑ نے کہا ہے یہ مری آنکھوں کا تارا
کیجو مرے پیارے سے کمائی کو نہ پیارا
فرزند کو احمدؐ نے اِسی لعل پہ وارا
صدقے گئی وہ آج کھلا مجھ پہ اشارا
حق ان کی محبت کا ادا کرتی ہے بانوؑ
دولت یہی اک ہے سو فدا کرتی ہے بانوؑ

۶۱
بانوؑ نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقّت
فرمایا کہ ان سے بھی تو لو مرنے کی رخصت
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو چپ ہے مگر اس کو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

۶۲
زینبؑ نے کہا جس میں رضائے شہِ عالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے ماں سے تو رضا لی
میں نے تو کوئی بات نہیں منھ سے نکالی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے کیے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

۶۳
بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے
کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کے لیے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے
کیوں روتے ہیں یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار ہیں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

۶۴
سی کرتے کُرتے انھیں کس روز پہنائے
رکھتی تھی میں کس دن اُبٹنیں دولھا سا بنائے
اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
ناز ان کی پھوپھی نے کبھی کاہیکو اُٹھائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلووں سے یہ دیدۂ تر کس نے ملے تھے

۶۵
راتوں کو رہا کون چھٹی چلّوں میں بیدار
پہلو میں رہا دل کی طرح کس کے یہ دلدار
کس نے کہو سُرمہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
کس بی بی نے گیسو ہیں یہ منّت کے رکھے چار
لے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں
پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں

۶۶
جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام
قرباں رہے اٹھارہ برس جو سحر و شام
اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں سرانجام
پوچھا بھی نہ ہاں سچ ہے اب اس بی بی سے کیا کام
کیوں ان کی بلا لے کے نہ پہلے ہی موئی میں
سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نہ ہوئی میں

۶۷
یا بے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لئے ہتھیار
یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
مجبور ہمیں پا کے یہ ایسے ہوئے مختار
بھیجیں گی جو میں موت کا پیغام یہی تھا
آغاز خطِ سبز کا انجام یہی تھا

۶۸
خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لے اپنے پدر سے
میں سات ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے
الفت کے سبب تب نہ چلا ماں کا بسر سے
کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کئے ہیں
اس لعل پہ دو لعل فدا میں نے کئے ہیں

۶۹
ابتک مری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل
میں جیتی ہوں یہ جائیں گے کیوں کر سوئے مقتل
اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
سرسبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

۷۰
مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس
نے عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ
زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
اب تو یہی میری ہے مُراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کرلیں تو سدھاریں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھرلیں تو سدھاریں

۷۱
سن کر یہ سخن بیبیاں رونے لگیں ساری
بانوئے دو عالم پہ یہ رقّت ہوئی طاری
حضرت کے بھی اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
غش ہوگئی اور ہوش میں آئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ اصغرؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبرؑ پہ نظر تھی

۷۲
بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بیدم
رخصت نہ ملے گی تمھیں کیوں کہتے نہ تھے ہم
مرجائے گی اس دردرسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی بھی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
زینبؑ کی خوشی حضرتِ زہراؑ کی خوشی ہے

۷۳
لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ
کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
خود جاتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ
دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں برچھیاں کھاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
امّت پہ فدا ہوں گے ہمیں آپ کے بدلے

۷۴
لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
بہنوں سے خبردار، برادر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آلِ پیمبرؐ سے خبردار
بنتِ اسد اللہ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

۷۵
کہرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب
سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب
بانوؔ نے کہا ہائے مرا راج لٹا اب
اکبرؑ کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینبؑ
روئی جو سکینہ قدمِ شہ سے لپٹ کر
کبرا بھی لگی پیٹنے گھونگھٹ کو الٹ کر

۷۶
زہراؑ کی صدا آئی کہ فریاد ہے! فریاد
سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہے برباد
فکر اپنی ہے سب کو مرا دکھ درد نہیں یاد
ایسی مری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد
بہنیں نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی
شبیرؑ کا کیا روکنے والا نہیں کوئی

۷۷
اس وقت ہے کس سوچ میں زینبؑ مری جائی
منظور نہیں گود کے پالے کی جدائی
کی میری کمائی سے عزیز اپنی کمائی
دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی
فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کے قریں ہے
معلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہے

۷۸
جس وقت سنی حضرتِ زہراؑ کی یہ تقریر
روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
کی عرض بہ صد عجز کہ یا حضرتِ شبیرؑ
صدقہ علی اکبرؑ کا مری بخشیے تقصیر
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبرؑ کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا

۷۹
کیا اس لئے روکا تھا ہیں اکبرؑ ذی جاہ
اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگ گاہ
حضرت تو ہیں واقف بہن ایسی نہیں یا شاہ
گر جان بھی کام آئے تو موجود ہے واللہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبر ہیں تو کیا ہیں
سو ایسے پسر کوکھ پہ زہراؑ کی فدا ہیں

۸۰
ہم شکل یہ جن کے ہیں اگر آج وہ ہوتے
میدان میں حضرت کے لئے جان کو کھوتے
اس لشکرِ اعدا کو علیؑ خوں میں ڈبوتے
وہ چاہنے والے تو ہیں سب قبر میں سوتے
کس درد سے فریاد و بکا کرتی ہیں امّاں
سن لیجئے بیٹی کا گلا کرتی ہیں امّاں

۸۱
اکبرؑ سے کہا لو مری جاں رن کو سدھارو
زینبؑ کا بنا کام بگڑتا ہے سنوارو
جو دشمنِ اولادِ علیؑ ہیں انھیں مارو
اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیر دلوں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

۸۲
تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرؑ ذیجاہ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ
دل تھام کے غش ہو گئی بنتِ اسد اللہ
ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

۸۳
گھوڑے پہ چڑھے شاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
فرزند یداللہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
شہ پھرتے نہ تھے راہ سے رخصت ہوئے اکبر
کتنا دلِ بیتاب کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ مُڑ مُڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

۸۴
چلاتے تھے اب بھی جو بلا لو تو چلے آئیں
اے نورِ بصارت تمھیں ڈھونڈھیں تو کہاں پائیں
کیوں پھیر دیا راہ تو بتلا دو کدھر جائیں
وہ کہتا تھا تکلیف بس آپ نہ فرمائیں
مجھ کو جو اجل کا نہ پیام آئے گا بابا
خود آپ کی خدمت میں غلام آئے گا بابا

۸۵
یہ کہہ کے بڑھے رن کی طرف اکبرؑ دلگیر
روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر
طاقت جو نہ تھی بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر
نورِ رُخِ احمدؐ جو دوبارہ نظر آیا
خورشید جہانتاب ستارہ نظر آیا

۸۶
کہتا تھا کوئی موسئ عمرانؑ ہے یہ غازی
کتنوں کو یقیں تھا مہِ کنعاں ہے یہ غازی
اک سو تھا یہ غل عیسئ دوراں ہے یہ غازی
چلاتی تھیں پریاں کہ سلیمانؑ ہے یہ غازی
کچھ متفق اس پر تھے کہ یہ نوح نبیؑ ہیں
کہتے تھے سلماں کہ رسولِ عربیؐ ہیں

۸۷
وارث ہے رسولوں کے تبرک کا یہ ذی جود
آدمؑ کا کمر بند و کلہ خود سر ہودؑ
عمامۂ محبوب خدا سر پہ ہے موجود
پیراہنِ یوسفؑ، زرہِ حضرتِ داؤدؑ
شانِ نبوی عزت و توقیر حسینی
نیزہ جو حسنؑ کا ہے تو شمشیر حسینی

۸۸
گیسوئے مسلسل رُخِ روشن پہ جو ہیں چار
یہ مصحفِ رُخسار کی سطریں ہیں نمودار
ہے ان سے عیاں سلسلۂ احمدِ مختار
ہیں معنئ پیچیدہ کھلے گر تو ہو تلوار
زلفوں میں کرو غور ذرا رُخ کی ضیا کو
دیکھو شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو

۸۹
چہرے کو اگر صبح کہیں زلف کو گر رات
دُنیا میں سدا شام سے ہے تا بہ سحر رات
دن ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
یاں بیچ میں خورشید اِدھر رات اُدھر رات
گیسوئے رسا روئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

۹۰
دُنیا میں کوئی آج نہیں ثانئ اکبرؑ
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے کہ پیشانئ اکبرؑ
یوسف کی زباں پر ہے ثنا خوانئ اکبرؑ
خورشید ہے یا چہرۂ نورانئ اکبرؑ
یہ جلوہ گری مہر کے پرتو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے وہ مہِ نو میں نہیں ہے

۹۱
سجدے کا نشاں اور یہ پیشانیٔ انور
حقا کہ یہ ہے تاج سرِ عرش کا گوہر
طالع سرِ خورشید پہ ہے زہرۂ ازہر
دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا اختر
حصے میں ستارہ یہ نہیں اور کسی کے
تارا یہ وہ ہے گھر میں جو اترا ہے علیؑ کے

۹۲
ابرو جو کماں ہیں تو ہیں مژگانِ سیہ تیر
ہے دیدۂ ابرو سے عیاں جنگ کی تصویر
ہے جن کے ہر اک گوشے پہ قرباں دلِ شبیرؑ
دو مردمِ خوں ریز ہیں کھینچے ہوئے شمشیر
اب دیکھیں تو کون آنکھ ملا سکتا ہے ان میں
الٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں

۹۳
آغاز ہے سبزہ اٹھیں اٹھارواں ہے سال
اک نورِ مجسم ہے زہے حشمت و اجلال
کس فصل میں اس گل کو خزاں کرتی ہے پامال
خورشید پہ لقطے ہیں کہ رخساروں پہ ہیں خال
سیارے ہوں اسپند جو سارے تو بجا ہے
تاروں پہ فلک ان پہ اتارے تو بجا ہے

۹۴
سبزہ رخِ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
موسم بھی لڑکپن کا بدلنے نہیں پایا
یہ نخل ذرا پھولنے پھلنے نہیں پایا
ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا
چہرے سے عیاں ہے نہ جوانی میں بھی کم ہے
دو سال سے بھی عشرۂ ثانی میں بھی کم ہے

۹۵
بستہ ہے یہ غنچہ کہ دہن عقل ہے یاں گم
دانتوں کی چمک دیکھ کے ہنگامِ تکلم
لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ تبسم
اشکوں کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہیں انجم
تابش میں جو دندانِ سخن برق ہوئے ہیں
دریائے خجالت میں گہر غرق ہوئے ہیں

۹۶
بے مثل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش
ہے ضو سے ہتیلی کی قمر ابر میں روپوش
ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اڑے ہوش
یہ انگلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہوئیں خاموش
ناخن نے دکھایا جو رخِ جلوہ گر اپنا
شرما کے مہِ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

۹۷
سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے
کب قرصِ مہ و مہر میں یہ جلوہ گری ہے
نور اس میں ہے یا آئینہ میں عکسِ پری ہے
یاں روشنیٔ طور چراغِ سحری ہے
دیکھے جو اسے علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دیکھے

۹۸
بے مثل ہے سینے کی طرح یہ شکم صاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اسے صاحبِ انصاف
ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف
خورشید سے روشن ہے تو آئینہ ہے شفاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

۹۹
ہیں ان کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہے لائقِ تعظیم
ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں زہے عزت و تکریم
ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہے تعلیم
روشن جو زمیں ہے تو یہ پرتو ہے انھیں کا
جو راہِ خدا میں ہے وہ پیرو ہے انھیں کا

۱۰۰
ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیرِ غضبناک
دادا مرا حیدرؑ ہے وصیِّ شہِ لولاک
میں شیر کا فرزند ہوں اے لشکرِ سفّاک
ہر رجس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
عیسیٰؑ کو نہ موسیٰؑ کو نہ آدمؑ کو ملا ہے
جو فضلِ الٰہی سے شرف ہم کو ملا ہے

۱۰۱
مشہور ہیں جو صاحبِ توقیر وہ ہم ہیں
بھیجی جنھیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں
ہے جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
آیا ہے جنھیں آیۂ تطہیر وہ ہم ہیں
ناری ہے وہ اس گھر سے جو الفت نہیں رکھتا
عالم میں کوئی ہم پہ فضیلت نہیں رکھتا

۱۰۲
ہے نورِ الٰہی کی ضیا گھر میں ہمارے
نعمت کے طبق آئے سدا گھر میں ہمارے
اترے ملکِ عرشِ علا گھر میں ہمارے
نازل ہوا قرآنِ خدا گھر میں ہمارے
خورشید کو رجعت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں
قرآں زباں جس کی ہے ہم اس کی زباں ہیں

۱۰۳
روشن اگر آئینۂ دیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعدِ نبیؐ تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں
گر مہرِ نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اسرارِ الٰہی کے امیں ہیں تو ہمیں ہیں
قدسی ہیں معرف سحر و شام ہمارے
جو عرش پہ لکھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

۱۰۴
ہر شخص کی مشکل میں ہمیں عقدہ کشا ہیں
مُردوں کو جلایا ہے وہ اعجاز نما ہیں
خورشیدِ سخا ابرِ کرم عینِ عطا ہیں
ہم طرّۂ دستارِ سرِ عرشِ خدا ہیں
عالم پہ ازل سے ہے عنایات ہماری
ہے خلقتِ آدمؑ سبب ذات ہماری

۱۰۵
حال اپنی شرافت کا ہے سب خلق پہ حالی
فردوس کے مختار ہیں کونین کے والی
اللہ نے بخشا ہے ہمیں رتبۂ عالی
ہیں نورِ خدا ہم سے کوئی جا نہیں خالی
گہ تحت ثریٰ اوجِ ثریا پہ کبھی ہیں
یاں ہیں کبھی اور طارمِ اعلیٰ پہ کبھی ہیں

۱۰۶
اسرارِ الٰہی کے جو ماہر ہیں تو ہم ہیں
ہر آئینۂ مصحف کے اگر سر ہیں تو ہم ہیں
باطن میں ہیں تو ہم ہیں جو ظاہر ہیں تو ہم ہیں
قاری ہیں تو ہم ہیں جو مفسّر ہیں تو ہم ہیں
قرآں کو جو پوچھو تو وہ حصّہ ہے ہمارا
توریت اور انجیل میں قصّہ ہے ہمارا

۱۰۷
طالب ہو تو اعجاز رسولوں کے دکھا دیں
بیمارِ چہل سال کو لاؤ تو شفا دیں
ہم مُردوں کو عیسیٰؑ کی طرح دم میں جلا دیں
اور خضرؑ سے رہبر کو بھی ہم راہ بتا دیں
پتھر کو کریں موم بلا لیویں شجر کو
ٹکڑے کریں انگلی کے اشارے سے قمر کو

۱۰۸
معبود کو خود اوج ہے منظور ہمارا
گویا ہیں مکیں پر ہے مکاں دور ہمارا
کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طور ہمارا
ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا
اللہ کے ہم ظاہر و باطن میں ولی ہیں
گہ سر خفی اس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں

۱۰۹
غل عرش پہ ہے رتبۂ برتر کا ہمارے
خاقان ہے ادنیٰ سا گدا گھر کا ہمارے
درباں ہے جبرئیلِ امیں گھر کا ہمارے
قیصر بھی غلام ایک ہے قنبر کا ہمارے
اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحبِ زر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

۱۱۰
اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے
کونین کو بخشیں وہ سخاوت ہمیں دی ہے
عزت ہمیں بخشی ہے شرافت ہمیں دی ہے
قائل ہیں عرب جس کے وہ جرأت ہمیں دی ہے
روباہوں کے بلوے سے تردّد ہمیں کیا ہے
ہم شیر ہیں اس شیر کے جو شیرِ خدا ہے

۱۱۱
زیبا ہے ہمارے ہی لئے رتبۂ شاہی
ہے آلِ محمدؐ کا غضب قہرِ الٰہی
ہیں علمِ شریعت کے ہمیں امر و نواہی
برہم ہوں تو آ جائے زمانے پہ تباہی
برقِ غضبِ حضرتِ باری نہیں رُکتی
لاکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رُکتی

۱۱۲
ہیں فاتحِ بدر و احد و خندق و خیبر
اک ضرب میں کاٹا سرِ عمرو سرِ عنتر
ان ہاتھوں سے مارا گیا مرحب سا دلاور
دو اُنگلیوں سے چاک کیا کلۂ اژدر
منصور و مظفر رہے تائیدِ احد سے
کعبے میں سرِ لات کو توڑا ہے لگد سے

۱۱۳
شہرہ ہے ہمارا عرب و روم و عجم میں
باندھا ہے گلا دیو کا طاقت ہے وہ ہم میں
تلوار سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں
اور گاڑ دیا دیں کا نشاں بیرِ الم میں
جنّات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں
پانی کے لئے آگ میں ہم کود پڑے ہیں

۱۱۴
میں اس کا پسر ہوں جو خدا کا ہے شناسا
جان اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا سا
فرزند ہوں اس کا جو نبیؐ کا ہے نواسا
میں وہ ہوں پدر جس کا ہے دو روز سے پیاسا
دلدار ہوں خاتونِ قیامت کے پسر کا
ٹکڑا ہوں محمدؐ کے کلیجے کے جگر کا

۱۱۵
اے قوم ابھی اٹھارہ برس کا ہے مرا سن
ماں باپ کو راحت نہیں اک آن مرے بن
راتیں ہیں جوانی کی مرادوں کے ہیں یہ دن
پر جان کا سرقہ میں کروں یہ نہیں ممکن
کھانے کی نہ پروا ہے نہ پینے کی ہوس ہے
میں وہ ہوں جسے مرگِ جوانی کی ہوس ہے

۱۱۶
فرما کے رجز شیر نے شمشیر علم کی
تعریف کرے کیا کوئی اس کے چم و خم کی
اور نادِ علیؑ پڑھ کے دم تیغ پہ دَم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
کیا آگ تھی اس شعلۂ پُر قہر کے اندر
چنگاریاں اُڑ اُڑ کے گریں نہر کے اندر

۱۱۷
ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی گھنگور
گرجے صفتِ رعد جوانانِ سلح شور
تیروں کے برسنے کا ہوا مینھ کی طرح شور
اکبرؑ جو بڑھے شام کے بادل کا گھٹا زور
جاتے ہی وہ شمشیر نہ پھرتی نظر آئی
اک برق سی ہر غول پہ گرتی نظر آئی

۱۱۸
تھا حملۂ اکبرؑ کہ غضب حضرتِ باری
اک برق خمیدہ تھی وہ روکیں کسے ناری
دو ہو گیا شمشیر جسے شیر نے ماری
ڈھالیں تو شکستہ تھیں وہ تلواریں تھیں عاری
دشمن کو گرا کر کبھی نہ منھ موڑتے تھے وہ
دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوڑتے تھے وہ

۱۱۹
اک معجزۂ موسیٰ عمراں تھی وہ شمشیر
بجلی تھی کبھی یاں تو کبھی واں تھی وہ شمشیر
شعلہ تھی کہیں اور کہیں ثعبان تھی وہ شمشیر
گو تھی سر کفار تو چوگاں تھی وہ شمشیر
اک حشر کا عالم تھا غضب جنگ ہوئی تھی
افراط سے کشتوں کے زمیں تنگ ہوئی تھی

۱۲۰
تھے فوج شقاوت کے پرے مضطرب الحال
تھا ہول کے مارے یہ ستمگاروں کا احوال
تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے ڈھال
سوفار اور ہر تیر کا چلّے کی طرف پھال
رخ پھیرتے تھے جو قدر انداز بڑے تھے
چلّوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے

۱۲۱
غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
چلّاتے تھے یہ تیر کہ ہم چلّہ نشیں ہیں
شہزادے ترے خون کے درپے یہ لعیں ہیں
بدکیش و خطاکار یہی دشمنِ دیں ہیں
کس طرح سے تابوئے زبردست سے نکلیں
بس ہو جو ہمارا تو نہ ہم شست سے نکلیں

۱۲۲
ہر وار پہ اکبرؑ کو صدا دیتے تھے شبیرؑ
ٹکڑے کیے یوں ڈانڈ کے کٹ کٹ گئے بے پیر
شاباش مرے شیر یہ تھی جنگ کی تدبیر
یہ بند نہ کھلتے کبھی جز ناخنِ شمشیر
فردوس میں جنت کا محل ملتا ہے تم کو
کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہے تم کو

۱۲۳
رو رو کے یہ کہتے تھے ابھی سیدِ ذیجاہ
اک ظلم کی برچھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
اکبرؑ پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ گمراہ
دل تھام کے غازی نے کہا یا اسداللہ
آلودہ بہ خوں کھینچ کے جو برچھی کا پھل آیا
کٹ کٹ کے جگر سینے سے باہر نکل آیا

۱۲۴
برچھی کو تو اس شیر نے جلاد سے چھینا
دی باپ کو آواز کہ اے شاہِ مدینا
پر ڈوب گیا خون میں وہ چاند سا سینا
برچھی سے جگر چھد گیا دشوار ہے جینا
اٹھارہ برس آپ کے سایہ میں پلے ہم
جلد آیئے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم

۱۲۵
آوازِ پسر سنتے ہی حالت ہوئی تغیر
برچھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبرؑ دلگیر
چلّا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرتِ شبیرؑ
تھا کون اٹھاتا جو زمیں سے انھیں آکر
اٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے ٹھوکریں کھا کر

۱۲۶
میداں میں جو شہ آئے تو اکبرؑ کو نہ پایا
ڈھونڈھا کیے ہم شکلِ پیمبرؐ کو نہ پایا
لاشوں میں کہیں لاشۂ صفدر کو نہ پایا
غازی کو، بہادر کو، دلاور کو نہ پایا
دریا پہ گئے جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
لیکن نہ کہیں جلوہ گر اس ماہ کو دیکھا

۱۲۷
اعدا سے کہا کیا ہوا یارو مرا پیارا
کس ظالمِ بے رحم نے اس لعل کو مارا
میدان سے کس سمت مرا شیر سدھارا
بتلاؤ سلامت ہے کہ سر تن سے اُتارا
صورت نہ دکھاؤ گے جو اس تشنہ گلو کی
ندی اسی میداں میں بہادوں گا لہو کی

۱۲۸
یہ کہتے ہی لی میان سے شمشیر شرربار
آئی یہ صدا حیدرِ کرّار کی یک بار
اور غیظ میں آیا پسرِ احمدِ مختار
اکبرؑ کا پتا دیتا ہوں میں اے مرے دلدار
صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تر ہے
آغوش میں زہراؑ کے ترا نورِ نظر ہے

۱۲۹
ناگاہ نظر پڑ گئی اس نورِ نظر پر
اک کوہ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
بس ہائے پسر کہہ کے گرے لاش پسر پر
چلّائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
ہے ہے یہ پدر جیتا ہے تم مرتے ہو بیٹا

۱۳۰
سمجھا یہ پدر پاؤں رگڑنے کا اشارا
جن آنکھوں کو ان خاک بھرے تلووں پہ وارا
میدانِ شہادت میں قدم آپ نے مارا
دیکھیں انھیں آنکھوں سے اب ہم کوچ تمہارا
ہاتھوں کو زمیں پر جو پٹکتے ہو اُٹھا کے
کیا ہاتھ نہیں چھوٹتے پنجے سے قضا کے

۱۳۱
پلٹے علی اکبرؑ یہ سخن سن کے پدر سے
دیکھا شہِ مظلوم کو حسرت کی نظر سے
اشک آنکھوں سے جاری ہوئے کی آہ جگر سے
بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے
چلّائے شہِ دیں کہ سفر کر گئے اکبرؑ
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہاں مر گئے اکبرؑ

۱۳۲
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
جانکاہ ہے یہ ماتمِ فرزندِ خوش اطوار
غش ہو گئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار
ہے حق پہ طرف روئیں اگر سیدِ ابرار
واحسرت و دردا کہ عجب غنچۂ دہاں مُرد
ایں ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مُرد

سلام

سلامی چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے
غمِ سجادؑ بیکس دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے

سلامی چشم میں آنسو ہیں، یا دریا چھلکتا ہے
جگر میں داغ ہیں یا کھیت لالے کا لہکتا ہے

دمِ تحریر گل ریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر
صریرِ کلک ہے یا باغ میں بلبل چہکتا ہے

پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
وگرنہ راہبرِ عالم کہیں رستا بہکتا ہے

حرم روئے کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے
علی اکبرؑ اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے

کہا صغراؑ نے شاید میرے بابا جان پیاسے ہیں
گلے میں ساتویں تاریخ سے پانی اٹکتا ہے

زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہیں
شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

شہِ دیں دیکھتے ہیں شوقِ حُرّیں یوں سوئے میداں
کہ جیسے کوئی آنے کی کسی کی راہ تکتا ہے

علی اکبرؑ طلب کرتے ہیں رخصت کوئی کیا جانے
لگی ہے ماں کو ہچکی غم سے اور زینبؑ کو سکتا ہے

گلِ زہراؑ کے غم سے نوحہ خواں ہیں بلبلیں ساری
صدا فریاد کی آتی ہے جب غنچہ چٹکتا ہے

تنِ رنجور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہیں سکتی
تپِ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

وہاں بٹتا ہے غلّہ، قحط ہے یاں آب و دانے کا
اِدھر فاقہ ہے اور کھانا اُدھر لشکر میں پکتا ہے

سکینہؑ ناز پرور قید کی آفت کو کیا جانے
یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے

کہا بانوؑ نے سر سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر
مرا مخدوم جب یہ بچّہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں تیغوں پر
مسوڑھے ہو گئے ہیں نیلگوں تالو لپکتا ہے

بچالو واسطہ زہراؑ کا صاحب میرے اصغرؑ کو
نہ بچّہ دودھ پیتا ہے نہ اب آنکھیں جھپکتا ہے

صراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بن پانی
گلے میں سانس جب رُکتی ہے سر دے دے پٹکتا ہے

وغا میں حضرتِ عباسؑ یوں جاتے تھے دشمن پر
گرسنہ شیر جیسے جانبِ آہو لپکتا ہے

بہو زہراؑ کی کہتی تھی یہی جا جا کے ڈیوڑھی پر
ارے پانی کوئی لا دو مرا بچّہ بلکتا ہے

یہ غل تھا شام کے لشکر میں دیکھو شہ کی پیشانی
نشاں سجدے کا ہے یا صبح کا تارا چمکتا ہے

اندھیرے میں جو گھبراتا ہے دم ایامِ گرما میں
ہر اک بچّہ درِ زنداں پہ سر دے دے پٹکتا ہے

انیس اللہ تجھ پر سہل کر دے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل دھڑکتا ہے

رُباعی

ہے روحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمترین ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آملتا ہے
دن کو ذرّوں میں شب کو پروانوں میں

مرثیہ ۱

جب دم شرف اندوز شہادت ہوئے عباسؑ
آقا کے قدم چوم کے رخصت ہوئے عباسؑ
تصویر جو نظروں سے چھپی شیر خدا کی
غل تھا کہ نثارِ سرِ حضرت ہوئے عباسؑ
جعفرؑ کی طرح داخلِ جنت ہوئے عباسؑ
صدمے سے کمر جھک گئی شاہ شہدا کی

۲

اکبرؑ سے کہا جانِ پدر ہم نہ جئیں گے
پائیں گے نہ اس داغ کا مرہم نہ جئیں گے
بھائی کو نہ بھائی سے جدا کیجیو بیٹا
جینے نہیں دیوے گا یہ غم ہم نہ جئیں گے
بیدم ہوئے عباسؑ اب اک دم نہ جئیں گے
میری بھی یہیں قبر بنا دیجیو بیٹا

۳

اس وقت ہے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
زینت مرے لشکر کی مرے گھر کا اُجالا
مرتے ہوئے جس وقت مجھے پیار کیا تھا
اس طرح کا ملتا ہے کوئی چاہنے والا
بھائی بھی وہ بھائی جسے آغوش میں پالا
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیا تھا

۴

فرمایا تھا اس میری امانت سے خبردار
ہے ہے مرا شیدا مری راحت کا طلبگار
اب خلق میں ترسیں گے زیارت کو علیؑ کی
اے لعل کسے ملتا ہے ایسا دُرِ شہوار
دُنیا سے گیا ہائے علمدار خوش اطوار
ہم ہاتھوں سے کھو بیٹھے امانت کو علیؑ کی

۵

یہ قتل ہوئے اور نہ سکینہ کی بجھی پیاس
اس کو یہ توقع تھی کہ اب آتے ہیں عباسؑ
ماتم کا جو حق ہے وہ ادا ہو نہیں سکتا
ڈیوڑھی پہ کھڑی نہر کو تکتی ہے بہ صد یاس
سُن پایا تو مر جائے گی وہ بیکس و بے آس
عباسؑ کو چلّا کے بھی میں رو نہیں سکتا

۶

پانی بھی بہا خوں بھی بہا جسم سے سارا
گھوڑے سے گرا خاک پہ ہے ہے مرا پیارا
اس بھائی پہ قربان نہ ہم ہو گئے ہے ہے
جب کٹ گئے بازو ہمیں اس وقت پکارا
نیزہ مری چھاتی پہ نہ جلّاد نے مارا
پہلے مرے بازو نہ قلم ہو گئے ہے ہے

۷

اس نے مرے بچوں کے لئے مشک اُٹھائی
افسوس ہے پہلے نہ ہماری اجل آئی
عباسؑ کے مرتے ہی اجل پیش نظر ہے
دریا پہ کٹی حیدرِ صفدر کی کمائی
ہم جیتے ہیں اور قتل ہوا شیر سا بھائی
بابا کو سنبھالو کہ ہمارا ابھی سفر ہے

۸

بچپن سے کبھی منھ مری خدمت سے نہ موڑا
اس عالمِ پیری میں کمر کو مری توڑا
کھلتی ہوئی پامال لٹا باغ علی کا
قدموں پہ جھکے گاہ کبھی ہاتھوں کو جوڑا
تینتیس برس بعد ہمیں بھائی نے چھوڑا
تازہ ہوا پھر آج ہمیں داغ علیؑ کا

۹

عاشق تھے برادر کا الم دیکھ نہ سکتے
تیغوں سے مرے ہاتھ قلم دیکھ نہ سکتے
کچھ رنج یہ تقدیر برادر میں لکھا تھا
جو دیکھتے ہیں ہم وہ ستم دیکھ نہ سکتے
وہ ہم کو تہِ تیغ دو دم دیکھ نہ سکتے
یہ داغ ہمارے ہی مقدر میں لکھا تھا

۱۰ کیا کیا نہ مرے امریں کی شمر سے تقریر
شو بیٹے نثارِ قدمِ حضرتِ شبیرؑ
کس غصے سے کہتے تھے کہ او ظالم بے پیر
کیا مال ہے سالاری و سرداری و جاگیر
سالک نے بھی چھوڑا ہے کہیں راہ خدا کو
قبلہ سے پھراتا ہے رُخِ قبلہ نما کو

۱۱ عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قمری کو بجز سرو چمن کون ہے پیارا
بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
گردن سے کبھی طوقِ غلامی نہ اُتارا
سر تن سے جدا ہو یہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

۱۲ کعبے کو کوئی چھوڑ کے جاتا ہے سوئے دیر
دوزخ میں چلے کوئی کہ جنت کی کرے سیر
ہوں قتل تو ہو جائے مرا خاتمہ بالخیر
منصف ہو عزیز اپنے کہاں اور کہاں غیر
کون اور مرا خلق میں بھائی سے سوا ہے
یا حضرتِ شبیرؑ ہیں یا شیرِ خدا ہے

۱۳ اے شمر امامِ ازلی ہے مرا آقا
سیّد ہے ولی ابنِ ولی ہے مرا آقا
لختِ دلِ زہراؑ و علیؑ ہے مرا آقا
شمعِ حرمِ لَم یَزَلی ہے مرا آقا
منھ قبلۂ ایماں سے بھی موڑا ہے کسی نے
آقا کو بُرے وقت میں چھوڑا ہے کسی نے

۱۴ فرزندِ محمدؐ ہے مرا مالک و مختار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اک بار
فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں رہوار
گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سے تلوار
رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو انکا
بندہ ہوں تو اُن کا جو برادر ہوں تو ان کا

۱۵ عباسؑ سا دل سوز نہیں پاؤں گا کہاں ہائے
بے دست ہوا حیدرِ صفدرؑ کا نشاں ہائے
یوں مجھ سے چھٹا ہائے مرا مرتبہ داں ہائے
سوتا ہے ترائی میں مرا شیر جواں ہائے
اس زیست سے آجائے اجل کاش ہماری
عباسؑ کے پہلو میں رہے لاش ہماری

۱۶ یہ کہہ کے تڑپتے تھے ادھر سیّدِ ابرار
تھا شور کہ دریا پہ ہوا قتلِ علمدار
اور واں دُہلِ فتح بجاتے تھے ستمگار
فرزند یداللہ کے بازو ہوئے بیکار
اب وہ نہیں جس سے ہمیں اندیشۂ جاں تھا
بس فوجِ حسینی میں یہی ایک جواں تھا

۱۷ اس سرو سے تھی رونقِ گلزارِ شجاعت
دکھلا گیا وہ شیر جو تھے کارِ شجاعت
چہرے سے عیاں ہوتے تھے آثارِ شجاعت
اب سرد ہوئی گرمیِ بازارِ شجاعت
سب یوں تو بہادر ہیں یہ وہ طور نہیں ہے
ویسا تو اولوالعزم کوئی اور نہیں ہے

۱۸ اب دیر ہے کیا گھیر کے شبیرؑ کو مارو
جو بھاگ گئے ہیں عباسؑ سے اُن کو بھی پکارو
ہاں ابن یداللہ کا سر تن سے اُتارو
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے یارو
عباسؑ کو مارا انھیں بے سر نہیں کرتے
سب کھینچ کے تیغیں یہ ہم سر نہیں کرتے

فرزند محمدؐ کا گلا کاٹنے جاؤ ہاں قبر میں خاتونِ قیامت کو رُلاؤ	19	شمع لحدِ شیرِ الٰہی کو بجھاؤ رد کے گا کوئی تم کو یہ خاطر میں نہ لاؤ
بے یار و مددگار شہنشاہِ اُمم ہیں		ہم شکل پیمبرؐ نے پکارا ابھی ہم ہیں
بہتر نہیں یہ لاف و گزاف اے سپہِ شام پوتا ہوں علیؑ کا علی اکبرؑ ہے مرا نام	۲۰	کٹ جاؤ گے جس وقت چلے گی مری صمصام تنہا نہیں مخدومۂ عالم کا گل اندام
اکبرؑ سا ابھی صاحبِ شمشیر ہے باقی		اک شیر ہوا قتل تو اک شیر ہے باقی
گھبرا کے لگے دیکھنے منھ بیٹے کا شبیرؑ بہتر ہے مناسب ہے مرے قتل کی تدبیر	۲۱	فرمایا کہ کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں بے پیر رکھ دے گا حسینؑ اپنا گلا خود تہِ شمشیر
اک بھائی مرے ایک جئے سخت الم ہے		عباسؑ کے ماتم میں کسے جان کا غم ہے
مظلوم کے فرزند ہو غصے میں نہ آؤ یہ مشک و علم لے کے تم اب خیمے میں جاؤ	۲۲	بابا کے لئے آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ گھر لٹنے نہ دو چادرِ زینبؑ کو بچاؤ
تیغوں سے نہ بابا کو بچانے کو اب آنا		آنا تو مری لاش اُٹھانے کو اب آنا
اکبرؑ تمھیں دنیا میں رکھے خالقِ اکبر زینبؑ نہیں خیمے سے نکلنے کی کھلے سر	۲۳	تم ہو گے تو بچ جائے گا لٹنے سے مرا گھر غربت میں ہمیں غسل و کفن ہو گا میسر
جب شیر سے آؤ گے تو ہٹ جائیں گے اعدا		گھوڑے نہ مری لاش پہ دوڑائیں گے اعدا
تھرا گئے سن کر یہ سخن اکبرِ ذیجاہ میں آپ پہ دیکھوں ستمِ لشکرِ گمراہ	۲۴	کی عرض یہ بندے سے نہ فرمائیے یا شاہ اس دن کو زمانے میں نہ رکھے مجھے اللہ
حضرت کو قسم دیتا ہوں محبوبِ خدا کی		اب مجھ کو رضا دیجئے میدانِ وغا کی
کس طرح غلام آپ کو یاں چھوڑ کے گھر جائے کٹوا کے گلا باپ زمانے سے گذر جائے	۲۵	بچپن سے جو قدموں سے نہ چھوٹا وہ کدھر جائے اٹھارہ برس تک جسے پالا ہے وہ مر جائے
بے سر دیئے ممکن ہے کہ قدموں سے جدا ہوں		غیر آپ پہ قربان ہوں اور ہم نہ فدا ہوں
رخصت کا جو اکبرؑ نے سخن منھ سے نکالا فق ہو گئے گویا کہ لگا قلب پہ بھالا	۲۶	صدمے سے ہوا شہ کا کلیجہ تہ و بالا ہاتھوں سے کمر چھوڑ دی اور دل کو سنبھالا
حالت ہوئی تغییر شہنشاہِ زمن کی		کی آہ اک ایسی کہ زمیں ہل گئی رن کی
فرمایا تڑپ کر یہ کیا کہتے ہو پیارے جن سے مجھے قوت تھی وہ دنیا سے سدھارے	۲۷	کیا تم بھی نہیں رہنے کے اب پاس ہمارے بتلاؤ یہ مظلوم جئے کس کے سہارے
فرزندِ جواں باپ کی قوت کا سبب ہے		پیری کا عصا ہاتھ سے چھوٹا تو غضب ہے

۲۸
تصویر ید اللہ کو ان ہاتھوں سے کھویا
وہ قتل ہوا کیا ہمیں اب مر گئے گویا
جاگا ہوا راتوں کا اب آرام سے سویا
جی بھر کے ابھی بھائی کو اپنے نہیں رویا
اب جاتی ہے تصویر پیمبرؐ مرے گھر سے
بھائی سے جدا ہوتے ہیں چھٹتا ہوں پسر سے

۲۹
اُمت پہ فدا کر چکے شبیرؑ کے پسر کو
اب بھائی کو روؤں کہ برابر کے پسر کو
گھیرے ہے اجل بانوئے بے پر کے پسر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں حیدرؑ کے پسر کو
مقتل میں مرے قتل کی باری نہیں آئی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آئی

۳۰
حضرت کا سخن سن کے دل اکبرؑ کا بھر آیا
آداب سے سر پائے مبارک پہ جھکایا
خوناب جگر نرگسی آنکھوں سے بہایا
کی عرض کہ حق سر پہ رکھے آپ کا سایہ
خیمے کی طرف فوجِ ستم جاتی ہے بابا
رونے کی سکینہؑ کے صدا آتی ہے بابا

۳۱
ایسا نہ ہو خیمے میں دھنسے لشکرِ ناری
عمو کی تو داخل ہوئی جنت میں سواری
ناموس کی عزت کو رکھے ایزدِ باری
اب تابہ کجا لاش پہ یہ گریہ و زاری
ایسے نہیں بچھڑے ہیں کہ پھر آن ملیں گے
محشر کے سوا اب نہ چچا جان ملیں گے

۳۲
سنتا ہوں کہ خیمے میں غش آیا ہے پھوپی کو
دکھلائے خدا داغ نہ وارث کا کسی کو
اب چل کے وہیں روئیں گے عباس علیؑ کو
عباسؑ کا پُرسا ابھی دینا ہے بچی کو
عمو ہی کا دم غش میں بھی بھرتی ہے سکینہ
اب دیکھئے بچتی ہے کہ مرتی ہے سکینہؑ

۳۳
آگے ہوئے اکبرؑ علم و مشک کو لے کر
مڑ مڑ کے سوئے لاش یہ چلاتے تھے سرور
اور پکڑے کمر پیچھے چلے سبطِ پیمبرؐ
اللہ کو سونپا ترے لاشے کو برادر
ہم چاک گریبان کئے جاتے ہیں بھائی
اکبرؑ تمہیں خیمے میں لئے جاتے ہیں بھائی

۳۴
تنہا میں تمھیں چھوڑ کے خیمے میں نہ جاتا
خنجر سے گلا میں بھی یہیں اپنا کٹاتا
شرمندہ ہوں بھاوج کو منھ اپنا نہ دکھاتا
روتی ہے سکینہؑ مجھے کچھ بن نہیں آتا
کم حشر کے دن سے یہ تلاطم نہیں بھائی
خیمے میں علم جاتا ہے اور تم نہیں بھائی

۳۵
بتلاؤ سکینہؑ تمھیں پوچھے تو کہوں کیا
خیمے میں جو ہے چاند سا فرزند تمھارا
سمجھاؤں میں کس بی بی کو دوں کس کو دلاسا
کیا اس سے کہوں جب کہے کیا ہو گئے بابا
تم نہر سے کوثر کے کنارے گئے عباسؑ
میں کہہ نہیں سکنے کا کہ مارے گئے عباس

۳۶
ناگاہ صدا حیدرؑ صفدر کی یہ آئی
مخدومۂ عالمؑ نے یہ آواز سنائی
میں پاس ہوں بیٹا نہیں تنہا ترا بھائی
موجود ہے یاں احمدِ مختار کی جائی
سایہ تنِ بے دست پہ چادر کا کئے ہوں
میں لاشۂ عباسؑ کو گودی میں لئے ہوں

۳۷
تم جاؤ کہ زینبؑ نہ کھلے سر نکل آئے
عباسؑ کے فرزند کو چھاتی سے لگائے
مارا گیا بھائی صفِ ماتم کو بچھائے
بیوہ ہوئی بھاوج اسے رنڈ سالہ پہنائے
اس سن میں وہ لوٹی گئی غم کھاتی ہوں میں بھی
پُرسا اُسے دینے کے لئے آتی ہوں میں بھی

۳۸
مادر کی صدا سن کے چلے خیمے کو سرور
غل پڑ گیا لو مشک و علم لاتے ہیں اکبرؑ
یاں جمع تھے ڈیوڑھی پہ حرم کھولے ہوئے سر
زینبؑ نے کہا کیا نہیں عباسؑ دلاور
فضہ نے کہا ہاں وہ خوش اطوار نہیں ہے
سردار تو آتا ہے علمدار نہیں ہے

۳۹
زینبؑ نے کہا دیکھ تو ہے بھائی کا کیا حال
صدمے سے کمر خم ہے اور آنکھوں پہ ہے رومال
وہ بولی کہ ہے خاک بسر فاطمہ کا لال
چلاتے ہیں افسوس علمدار خوش اقبال
گرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا شہِ دیں سے
اکبرؑ جو اٹھاتے ہیں تو اٹھتے ہیں زمیں سے

۴۰
فضہ سے یہ سننا تھا کہ بس پڑ گیا ماتم
عباسؑ علمدار کی زوجہ میں نہ تھا دم
سر پیٹتی خیمے میں گئی زینبِؑ پُرغم
سب بیبیاں حلقے میں لئے تھیں اسے باہم
وہ کہتی تھی وارث مرا کام آیا ہے لوگو
میں بھی رنڈاپے کا پیام آیا ہے لوگو

۴۱
روتے ہوئے اتنے میں امامِ اُمم آئے
زینبؑ سے کہا لو بہن اسباب غم آئے
پیچھے علی اکبرؑ لئے مشک و علم آئے
لشکر کی جو رونق تھی اسے کھو کے ہم آئے
پہونچا لبِ کوثر تو علمدار ہمارا
دنیا میں نہیں کوئی بھی غمخوار ہمارا

۴۲
گاڑا جو علم صحن میں غم چھا گیا سب پر
دامانِ علم خونِ علمدار سے تھا تر
سب بیبیوں نے زیرِ علم کھول دیئے سر
اک شور پڑا ہائے علمدار دلاور
سر پیٹ کے ہاتھوں کو بلکتی تھی سکینہؑ
تیروں سے چھدی مشک کو تکتی تھی سکینہؑ

۴۳
صدمہ تھا عجب بیبیوں کی جانِ حزیں پر
جب خون پھریرے سے ٹپکتا تھا زمیں پر
چھائی تھی اداسی علمِ سرورِ دیں پر
گرتا تھا فلک غم کا شہِ عرش نشیں پر
پھاڑا تھا گریباں جو شہنشاہِ اُمم نے
ماتم کے لئے ہاتھ نکالا تھا علم نے

۴۴
ہلتا تھا ہوا سے کبھی دامن کبھی پرچم
چلاتی تھی یوں زوجۂ عباسؑ بصد غم
عباسؑ کی بو اس سے چلی آتی تھی پیہم
ہے ہے مرے والی مرے مونس مرے ہمدم
صورت بھی سکینہؑ کو دکھاتے نہیں صاحب
گھر میں علم آیا ہے تم آتے نہیں صاحب

۴۵
کیا خوش تھے کہ ہاتھ آئی علمداری سرور
صاحب مرے آقا پہ تصدق ہے مرا سر
کہتے تھے یہ آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
بھائی نے مجھے آج کیا ثانیِ جعفر
ہے ہے شہِ والا کی کمر توڑ گئے تم
جنت میں سدھارے یہ علم چھوڑ گئے تم

۴۶
گھبرا گیا غل سُن کے یہ عباسؑ کا دلبر
گردن میں تو تھیں ہنسلیاں اور کانوں میں گوہر
اُرخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینے میں تھر تھر
اس بھیڑ میں بابا کو لگا ڈھونڈھنے آ کر
کہتا تھا کدھر مجھ سے نہاں ہیں مرے بابا
اماں کسے روتی ہو کہاں ہیں مرے بابا

۴۷
کہتی ہیں پھوپی کس کو کہ ہے ہے مرے بھائی
بیکس ہے کوئی لاش ہے جس کی نہیں آئی
حضرت تو سلامت ہیں ہوئی کس سے جدائی
دریا پہ تو بابا نے بڑی دیر لگائی
بیتاب ہے دل سینے میں گھبراتے ہیں اماں
بابا کی خبر لینے کو ہم جاتے ہیں اماں

۴۸
تنہا پہ ہزاروں کی چڑھائی نہ ہوئی ہو
برباد ید اللہ کی کمائی نہ ہوئی ہو
دریا پہ کہیں اُن سے لڑائی نہ ہوئی ہو
بابا کے سر و تن میں جدائی نہ ہوئی ہو
کیوں لا کے علم صحن میں گاڑا ہے چچا نے
کیوں اپنے گریبان کو پھاڑا ہے چچا نے

۴۹
ماں بولی کہ تم کس لئے گھبراتے ہو واری
وہ کہتا تھا کیوں کر نہ کریں گریہ و زاری
عباسؑ کی میداں سے اب آئے گی سواری
اب تن سے نکل جانے کو ہے جان ہماری
تنہا کبھی گھر میں شہِ والا نہیں آئے
یہ کیا کہ علم آیا ہے بابا نہیں آئے

۵۰
کاندھے پہ جسے رکھ کے گئے تھے مرے بابا
بو آتی ہے بابا کی تڑپتا ہے کلیجا
اماں یہ وہی ہے علمِ سیدِ والا
بتلاؤ تو یہ مشک سکینہؑ کی نہیں کیا
گر اُن پہ نہیں تیر چلے فوجِ عدو سے
یہ سبز علم سُرخ ہوا کس کے لہو سے

۵۱
یہ سنتے ہی سب بیبیوں نے شور مچایا
اور پھاڑ کے کُرتے کا گریباں یہ سنایا
زینبؑ نے اُسے زیرِ علم لا کے بٹھایا
عُریاں کرو سر کو کہ اُٹھا باپ کا سایا
بیٹو کہ علمدار سفر کر گیا بیٹا
ماں رانڈ ہوئی باپ ترا مر گیا بیٹا

۵۲
سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ معصوم پکارا
اب آس رکھیں کس کی رہا کون ہمارا
فریاد ہے اعدا نے مرے باپ کو مارا
جو پالنے والا تھا وہ دنیا سے سدھارا
اب بیکسی و غم کی گھٹا چھا گئی ہم پر
بچپن میں یتیمی کی بلا آ گئی ہم پر

۵۳
بیجاں مرے بابا ہوئے واحسرت و دردا
ہم ہیں سے پدر کیا ہوئے واحسرت و دردا
بن بھائی کے آقا ہوئے واحسرت و دردا
ہم بیکس و تنہا ہوئے واحسرت و دردا
رونے کو نہ ہوگا تنِ صد پاش پہ کوئی
چل کر ہمیں قربان کرے لاش پہ کوئی

۵۴
عمّو تو مرے باپ کا لاشہ بھی نہ لائے
دریا کی ترائی نہیں کوئی راہ بتائے
وہ چاند سی تصویر ہمیں کوئی دکھائے
لاشے پہ پدر کے یہ پسر رونے کو جائے
تربت میں ابھی تو نہ گڑے ہوویں گے بابا
جلتی ہوئی ریتی پہ پڑے ہوویں گے بابا

۵۵
معصوم کے اس بین سے برپا ہوا کہرام
اب صبر کرو صبر یہ ہے صبر کا ہنگام
یوں کہنے لگے بیبیوں سے اکبرؑ گلفام
درپیش ہمیں بھی ہے شہادت کا سرانجام
پُرسا مرا دے کر شہِ ابرار کو رونا
اب ساتھ ہمیں اور علمدار کو رونا

۵۶
گھبرا کے یہ بانوئے دل افگار پکاری
اکبرؑ نے کہا جان نہیں باپ سے پیاری
اماں نہیں جینے کی یہ کیا کہتے ہو واری
اب قطع کریں آپ محبت کو ہماری
روکو گی اگر ہم کو تو لٹ جاؤ گی اماں
زہراؑ کے جگر بند سے چھٹ جاؤ گی اماں

۵۷
ہے سبطِ پیمبرؐ پہ عجب صدمۂ جانکاہ
منت سے کرو عرض کہ اے ابن ید اللہ
خود لے کے چلو مجھ کو حضورِ شہِ ذی جاہ
بھیجو علی اکبرؑ کو میانِ صفِ جنگ گاہ
یاں صبح سے خاتونِ جناں روتی ہے اماں
اولاد اسی دن کے لئے ہوتی ہے اماں

۵۸
بانوؑ نے کہا مجھ کو نہ سمجھاؤ، بلا لوں
کھوؤں اسے اٹھارہ برس تک جسے پالوں
کیوں کر تری رخصت کا سخن منھ سے نکالوں
میں دل کو سنبھالوں کہ کلیجے کو سنبھالوں
ٹھہرو کہ دم اُکھڑا ہوا سینے میں ٹھہر جائے
ایسی نہ کرو بات کہ مادر ابھی مر جائے

۵۹
ممکن ہے کوئی دولتِ اولاد کو کھوئے
اکبرؑ نے کہا حشر بپا خیمے میں ہوئے
ماں جیتی رہے اور پسر قبر میں سوئے
تم روؤ نہ بیٹے کے لئے فاطمہ روئے
پر دل میں جو ٹھانی ہے وہ کر جائیں گے ہم بھی
بابا نہیں جینے کے تو مر جائیں گے ہم بھی

۶۰
روکا جو ہمیں سیدِ اکرم کو بھی روکو
لختِ دلِ مخدومۂ عالم کو بھی روکو
زاری نہ کرو دیدۂ پُرنم کو بھی روکو
بابا کو اگر روک سکو ہم کو بھی روکو
یہ کہہ کے گرا قدموں پہ ہم شکل پیمبرؐ
مادر نے کہا خیر سدھارو علی اکبرؑ

۶۱
خوش ہو کے چلا خیمے سے بانو کا وہ دلدار
اعدا سے کہا جا کے کہ اے فرقۂ اشرار
سب رہ گئے روتے حرمِ سیدِ ابرار
بابا مرے شبیرؑ ہیں کونین کے مختار
جوہر ہیں جو ان میں وہ زمانے پہ عیاں ہیں
تیغ ان پہ نہ کھینچو کہ یہ خود سیف زباں ہیں

۶۲
آفاق میں ہوتے نہ اگر پنجتنِ پاک
کس شخص کے نانا کا لقب ہے شہِ لولاک
فرماتا ہے خالق نہ زمیں ہوتی نہ افلاک
جب نور خدا اُٹھ گیا پھر کیا ہے بجز خاک
اللہ و محمدؐ کے جو پیارے ہیں تو یہ ہیں
بالائے زمیں عرش کے تارے ہیں تو یہ ہیں

۶۳
سب خلق پہ احساں ہیں شہِ عرش نشیں کے
تلوار سے پَر کاٹے ہیں جبریلِ امیں کے
ماحی ہیں یہی کفر کے، بانی یہی دیں کے
چاہیں تو اُلٹ دیں ابھی طبقوں کو زمیں کے
بچپن سے ہیں اللہ کی سرکار کے مالک
کونین کے مختار ہیں تلوار کے مالک

۶۴
وہ کون تھا شمشیر جسے عرش سے آئی
سر کس سے ہوئی خیبر و خندق کی لڑائی
کفار کے لشکر پہ ظفر کس نے ہے پائی
کس شخص نے ہے کفر کی بنیاد مٹائی
رائج ہوا دیں کس شہ ذی جاہ کے گھر سے
بت کس نے نکلوا دئے اللہ کے گھر سے

۶۵
اصنام پرستی کو زبوں کر دیا کس نے
اسلام کے رتبہ کو فزوں کر دیا کس نے
سرلات اور عزیٰ کا نگوں کر دیا کس نے
خیبر دل کا جگر خوف سے خوں کر دیا کس نے
باطل کے سوا حق کا کہو نام کہاں تھا
یہ دین یہ آئین یہ اسلام کہاں تھا

۶۶
یہ فیض اسی گھر سے ہوا خلق میں جاری
نازل نہ کہیں ہو غضب ایزدِ باری
لازم ہے عداوت تمھیں یا شکر گزاری
چلتی ہے تو رکتی نہیں تلوار ہماری
ہم وہ ہیں کہ تنہا ہی ہزاروں سے لڑے ہیں
یہ صبر کے جوہر ہیں کہ خاموش کھڑے ہیں

۶۷
سنکر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
بابا کے لئے کھوتے ہو کیوں اپنی جوانی
مشہور ہے تم لوگوں کی اعجاز بیانی
تم پی لو یہ ہم دیں گے نہ شبیر کو پانی
پانی نہ تمھیں دیں تو بڑی بے ادبی ہو
آتا ہے ہمیں رحم کہ ہم شکل نبی ہو

۶۸
اعدا سے یہ سنکر وہ دلاور ہوا برہم
بابا کو تو پانی نہ ملے اور پئیں ہم
فرمایا کدھر دھیان ہے اے فرقۂ اظلم
اکبر کی جوانی ہے نثارِ شہِ عالم
حضرت سے کبھی جان کو پیارا نہ کروں گا
جینے کے لئے ننگ گوارا نہ کروں گا

۶۹
لو میان سے لیتا ہوں میں تلوار خبردار
عرصہ نہیں چلتا ہے مرا وار خبردار
اب گرتی ہے یہ برق شرربار خبردار
آیا میں خبردار! خبردار! خبردار
ان بازوؤں میں زور ہے خیبر شکنی کا
روکے مجھے دعویٰ ہو جسے تیغ زنی کا

۷۰
لشکر کی صفیں آکے نقیبوں نے جمائیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں
دریائے بلا خیز کی موجیں نظر آئیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سایہ کو جاگہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بہ جبیں تھی

۷۱
یوں ناریوں سے گرم ہوا قتل کا میدان
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجرِ برّاں
ملبوس بدن پھینک کے تیغیں ہوئیں عریاں
اور صورتِ اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اُٹھتا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

۷۲
اطباق فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے
خاروں کو جو کاوش تھی یداللہ کے گل سے
تھراتا تھا دل رعد کا آواز دہل سے
برگشتہ تھے ہم شکل شہنشاہ رسلؐ سے
ہر صف سے چلے تیر ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

۷۳
بڑھ بڑھ کے ستمگاروں نے بھالوں کو سنبھالا
تلوار کو اکبرؑ نے کمر سے جو نکالا
اور قبضے پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
دہشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
غصّے میں جو ابنِ خلفِ شاہ نجف تھا
العظمۃ للہ کا غل چار طرف تھا

۷۴
لشکر میں در آئے علی اکبرؑ صفتِ شیر
بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
بجلی سی چلی شام کے بادل پہ جو شمشیر
لاشوں کے چپ و راس نظر آنے لگے ڈھیر
چیدہ جو بہادر تھے وہ بیدم ہوئے دم میں
دس بیس صفیں بجھ گئیں میدانِ ستم میں

۷۵
یوں تیغ نے سرناریوں کے تن سے اُتارے
تلوار تھی پر برق کے انداز تھے سارے
جس طرح اُڑیں شعلۂ آتش کے شرارے
اک ضرب سے مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
قبضہ میں اسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
آئی وہ ادھر کو تو ادھر جان ہوا تھی

۷۶
ایک ایک قدم سر پہ سر اور لاش پہ تھی لاش
ٹھہرے نہ قدم ان کے جو تھے بر سرِ پرخاش
ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
مند جاتی تھیں آنکھیں جو چمک جاتی تھی تلوار

۷۷
حلقے میں اگر لے کے کمانداروں نے گھیرا
فرمایا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
رُخ ڈھال سے جگر گوشۂ سرور نے نہ پھیرا
مقتل میں ہوا ابر کی ڈھالوں سے اندھیرا
مہلت نہ کسی کو ملی اس برقِ اجل سے
ہر شاخِ کماں قطع ہوئی تیغ کے پھل سے

۷۸
بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
سر کٹ کے گرا جس کا اسے ٹاپ سے توڑا
تھا سایۂ زلفِ علی اکبرؑ سے کوڑا
ماتھے پہ لگے تیر پہ منھ اس نے نہ موڑا
اُڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
معلوم ہوا کبکِ دری کوہ سے نکلا

۷۹
یہ صف ہوئی پامال تو اس صف میں در آیا
یاں سے جو گیا واں تو ادھر سے ادھر آیا
طاؤس خیال اس سے نہ سرعت میں بر آیا
نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
اُڑنے میں مہک گل کی تنِ صاف سے آئی
ہر غول میں غل تھا کہ پری قاف سے آئی

۸۰
کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت
پہونچا وہیں وہ شیرِ نیستانِ شجاعت
لڑنے میں نظر آئی جدھر تیروں کی کثرت
تلوار میں تھی برقِ جہاں سوز کی خصلت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی

۸۱
اس صف سے کمانداروں پہ آیا جو پلٹ کر
صفدر نے کیا وار جو گھوڑے کو ڈپٹ کر
چلّوں کو جفا کیش لگے کھینچنے ہٹ کر
نیزوں کی طرح تیر قلم بن گئے کٹ کر
کچھ ہو نہ سکا جنگ میں ناوک فگنوں سے
قبضوں سے کمانیں تھیں جدا ہاتھ تنوں سے

۸۲
ہر سو صفتِ برقِ اجل جاتی تھی تلوار
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تلوار
گہ سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے نہ کم تھا
میدانِ ستم آگ کے دریا سے نہ کم تھا

۸۳
اُس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دو پارا
غل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا
اور بچ گیا جو اس کو ملی عمر دوبارا
صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
عالم کے ڈبو دینے کا ساماں کیا ہے
آبِ دمِ شمشیر نے طوفاں کیا ہے

۸۴
اکثر جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے
رعب ان پہ یہ چھایا تھا بہادر جو بڑے تھے
جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
زندہ تھے مگر فوج کے مُردوں میں پڑے تھے
بازار سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی
نیزہ کہیں، خنجر کہیں، تلوار کہیں تھی

۸۵
دہشت سے نگوں تھے علمِ لشکرِ بے پیر
منہ موڑ کے عاری ہوئی ہر شام کی تصویر
تھا ہاتھ میں نیزوں کے بھی رعشہ صفتِ پیر
گوشوں میں کہیں نیزے تھے ترکش میں کہیں تیر
تیغیں کہیں ہنگامِ زد و کشت نہاں تھیں
ڈھالیں بھی سواروں کی پسِ پشت نہاں تھیں

۸۶
پہونچی جو چمک کر کسی ظالم کی سپر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اس کو خبر تک
بجلی سی سپر سے وہ گئی کاسۂ سر تک
یہ سر سے گئی سینے پہ سینے سے کمر تک
اُکائی کمر اس طرح سے دو کر کے زرہ کو
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو

۸۷
صف برچھیوں والوں کی لبِ نہر کھڑی تھی
سر کھولے ہوئے ڈیوڑھی پہ ماں غش میں پڑی تھی
چلتی تھی ادھر تیغ ادھر آنکھ لڑی تھی
فریاد کا تھا شور قیامت کی گھڑی تھی
یہ دردِ جگر تھا کہ نہ اُٹھ سکتے تھے شبیرؑ
دل تھامے ہوئے رن کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

۸۸
چلّاتی تھی زینبؑ کہ مرا لعل کدھر ہے
دو روز کے فاقے سے ہے اور تشنہ جگر ہے
لوگو علی اکبرؑ کی کسی کو بھی خبر ہے
اعدا میں کہیں گھر نہ گیا ہو مجھے ڈر ہے
تنہا پہ مرے لشکرِ کیں ٹوٹ پڑے گا
اس دھوپ میں کب تک وہ ہزاروں سے لڑے گا

۸۹
نکلا ہے دمِ صبح سے دن ڈھل گیا ہے ہے
مظلوم پہ کیا وار کوئی چل گیا ہے ہے
وقت اس کے تو آرام کا بھی ٹل گیا ہے ہے
اب کھینچتی ہوں آہ جگر جل گیا ہے ہے
بکھرائے ہوئے بال چلی جاؤں گی رن میں
میں اس کے عوض تیر و سناں کھاؤں گی رن میں

۹۰
زینبؑ کی صدا سن کے اُٹھی بانوئے ناشاد
چلتے ہیں مرے لعل پہ کیا نیزۂ بیداد
چلّائی ارے بیبیو کیسی ہے یہ فریاد
گھر کس کا لٹا کس کی کمائی ہوئی برباد
کیوں خاک پہ زینبؑ نے ردا پھینکی ہے سر سے
میں ساتھ چلوں گی جو نکلتی ہیں وہ گھر سے

۹۱
وہ غم سے جو مضطر ہیں تو گھبرائی ہوں میں بھی
وہ درد رسیدہ ہیں تو دکھ پائی ہوں میں بھی
اکبرؑ کی وہ عاشق ہیں تو شیدائی ہوں میں بھی
فرزند تو ان کا ہے مگر دائی ہوں میں بھی
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہی لے کے ٹلے ہیں
چھاتی پہ مری سوئے ہیں گودی میں پلے ہیں

۹۲
دیکھا یہ تلاطم تو پکارے شہِ والا
ہم نے بھی تو ہے اپنے کلیجے کو سنبھالا
بانوؑ ابھی لڑتا ہے ترا گیسوؤں والا
آزردہ وہ ہوگا جو قدم گھر سے نکالا
میداں میں سواروں سے تو لڑ بھڑ کے پھرے ہیں
سنتا ہوں کہ اب برچھیوں والوں میں گھرے ہیں

۹۳
اتنے میں بجا طبل پکارے ستم آرا
یہ سنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط کا یارا
لو احمدؐ مختار کے ہم شکل کو مارا
سر پیٹ کے چلّائے کہ ہے ہے مرا پیارا
دوڑے پہ نہ میدان نہ ڈیرا نظر آیا
دن تھا مگر اس وقت اندھیرا نظر آیا

۹۴
سیماب سا سینے میں تڑپنے جو لگا دل
تھک کر کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے شہِ عادل
گر گر کے کئی بار اُٹھے صورتِ بسمل
برچھی تو لگی لعل کے خود ہو گئے گھائل
تھراتے ہوئے زخمیوں کی چال سے پہونچے
لاشِ علی اکبرؑ پہ عجب حال سے پہونچے

۹۵
دو بیبیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
چلّاتی تھیں سر پیٹ کے ہاتھوں سے برابر
بکھرے ہوئے تھے بال نہ برقع تھا نہ چادر
ہے ہے علی اکبرؑ! علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
اک چاک گریبان تو اک خاک بسر تھی
شہ کو خبر ان کی نہ انھیں شہ کی خبر تھی

۹۶
اک کہتی تھی صدقے ترے اے گیسوؤں والے
جینے کے جوانی میں تمھیں پڑ گئے لالے
اک کہتی تھی قربان مرے گود کے پالے
ٹھہرو کہ یہ ماں چھاتی سے برچھی کو نکالے
ہے ہے یہ قبا خون میں سب بھر گئی بیٹا
تم زخمی ہوئے کیا کہ پھوپی مر گئی بیٹا

۹۷
تھا تیری دلہن لانے کا اکبرؑ مجھے ارماں
واری تری اس چاند سی چھاتی کے میں قرباں
تقدیر نے بے آس کیا مجھ کو مری جاں
سہرا ابھی نہ باندھا کہ ہوئے خون میں غلطاں
لاشے پہ ترے اشکوں سے منھ دھونے کو آئی
تم مجھ کو نہ روئے میں تمھیں رونے کو آئی

۹۸
تم مر گئے میں مر نہ گئی ساتھ تمھارے
تم بھی نہ رہے عون و محمدؐ بھی سدھارے
ہے ہے مرے دلبر مرے جانی مرے پیارے
اب کون اُٹھائے گا جنازے کو ہمارے
آرام بہت کم مری قسمت میں لکھا تھا
پیری میں یہ ماتم مری قسمت میں لکھا تھا

۹۹
مل کر کفِ افسوس پکارے شہِ عالم
بانوؑ نے کہا رو کے یہ ایسا نہیں ماتم
کیوں گھر سے نکل آئیں تم اے زینبؑ پُرغم
برچھی تو لگی لعل کو پردے میں رہیں ہم
ملنے کو نہ ہم شکل پیمبرؐ سے نکلتے
دم تن سے نکلتا تو نہ ہم گھر سے نکلتے

۱۰۰ ہے ہے مری بستی ہوئی تاراج لٹا گھر
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہووے گی مادر
یہ جیتے تو میں گھر سے نکل سکتی تھی باہر
بیٹھوں گی میں جس بن میں رہیں گے علی اکبرؑ
سنسان مکان ان کا نظر آئے نہ مجھ کو
اب گھر میں کوئی پھیر کے لے جائے نہ مجھ کو

۱۰۱ زینبؑ نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں یا شاہ
پہلو میں یہ کس بی بی کا ہے نالۂ جانکاہ
کب نکلی ہوں کون آیا ہے گھر سے مرے ہمراہ
جیتے ہیں کہ دنیا سے گئے اکبرِ ذی جاہ
سمجھاتے ہیں کیا اب کہ سنائی نہیں دیتا
لاشہ مجھے اکبرؑ کا دکھائی نہیں دیتا

۱۰۲ بانوؑ سے کہا شاہ نے آنسو نہ بہاؤ
لو میری عبا اوڑھ کے چہرے کو چھپاؤ
مرجائے گی اب خاک سے زینبؑ کو اُٹھاؤ
تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں جاؤ
لاتا ہوں میں اس صاحبِ اقبال کا لاشا
رکھ سکتا ہے یاں کوئی مرے لال کا لاشا

۱۰۳ وہ گھر میں چلیں حکم شہِ جنّ و بشر سے
ہم شکل نبیؐ کھنچ کے اک آہ جگر سے
لپٹے شہِ دیں گر کے اُدھر لاش پسر سے
جنت کو روانہ ہوئے آغوشِ پدر سے
چھاتی سے لگا کر پسرِ ماہ جبیں کو
اس درد سے روئے کہ غش آیا شہِ دیں کو

۱۰۴ خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
دکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رُباعی

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابنِ ابی طالب سے
جب شاہِ عرب ملے تو رب کو پایا

مرثیہ

شیریں سخنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر
گل پیرہنی ختم تھی ہم شکل نبی پر
غنچہ دہنی ختم تھی ہم شکل نبی پر
نازک بدنی ختم تھی ہم شکل نبی پر
آغوش میں خورشید امامت کے پلے تھے
سب عضو بدن نور کے سانچے میں ڈھلے تھے

۲
تھا رشک مہ چاردہم حسن کا پرتو
تھیں ایک سراپا میں بھری خوبیاں تُو تُو
نہ طور میں یہ نور نہ خورشید میں یہ ضَو
کٹتا تھا تراشے ہوئے ناخن سے مہِ نَو
اس حسن نے مہر کو نے ماہ کو دیکھا
دیکھا جو اسے قدرتِ اللہ کو دیکھا

۳
تھا فخر حسینانِ جہاں یوسفِ شبیر
کیا خلق حسنؑ رکھتا تھا وہ صاحب توقیر
صانع نے بنائی تھی فقط نور کی تصویر
جھڑتے تھے عجب پھول دہن سے دمِ تقریر
آواز سے جاں آتی تھی مردوں کے بدن میں
اعجاز مسیحائی تھی ایک ایک سخن میں

۴
آئینۂ رُخ آئینۂ روئے محمدؐ
اجلال علیؑ خلق حسنؑ خوئے محمدؐ
اور گیسوؤں میں نکہتِ گیسوئے محمدؐ
آتی تھی تنِ پاک سے خوشبوئے محمد
تنہا نہ تھا حسنِ شہ لولاک کا جلوہ
اس نور میں تھا پنجتنؑ پاک کا جلوہ

۵
تھا صورتِ محبوبِ خدا خلق میں ممتاز
لہجہ بھی وہی اور وہی لب اور وہی انداز
قامت وہی موزوں وہی رفتار کا انداز
تقریر وہ تقریر کہ ہو شہنۂ اعجاز
عالم کو یقیں سیدِ لولاک کا ہوتا
سایہ جو زمیں پر نہ تنِ پاک کا ہوتا

۶
گردن وہ کہ آئینۂ مہتاب سے شفاف
ہاتھ ایسے کہ آنکھوں پہ رکھیں صاحبِ انصاف
شانے وہ کہ دشوار ہے جن شانوں کا اوصاف
سینہ تھا کہ اک تختۂ بلور تھا تا ناف
یہ غور سدا رہتا تھا مشتاقوں کی صف میں
ہے موئے کمر بال ہے یا دُر ہے نجف میں

۷
قد غیرتِ شمشاد ہے رُخ رشکِ چمن ہے
گویا ثمر نخل بدن سیب ذقن ہے
غنچہ ہے جہاں سر بہ گریباں وہ دہن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
کس تن میں ہے خوشبوئے رُخ و کاکُل سے زیادہ
وہ گل سے زیادہ ہے یہ سنبل سے زیادہ

۸
جب گھر سے نکلتا تھا وہ شبیرؑ کا دلدار
روز آتے تھے کوسوں سے زیارت کے طلبگار
ہو جاتی تھی ایک ایک گلی مصر کا بازار
ایک ایک سے آپس میں یہی کرتا تھا گفتار
جس نے کہ نہ دیکھا ہو جوانی میں نبیؐ کو
وہ دیکھ لے ہم شکل رسولِ عربیؐ کو

۹
جس روز سے پیدا ہوا وہ گیسوؤں والا
فرماتے تھے منھ چوم کے ہر دم شہِ والا
مادر کی طرح باپ نے آغوش میں پالا
ہم شکل پیمبرؐ ہے مرے گھر کا اُجالا
کیوں کر نہ فدا ہوں کہ یہ سایہ ہے نبیؐ کا
اس ماہ نے دیدار دکھایا ہے نبیؐ کا

۱۰
اوجھل کبھی آنکھوں سے نہ کرتے تھے پسر کو
تسلیم کو جھکتا تھا وہ نہوڑا کے جو سر کو
اکبرؑ ہی کا منھ دیکھ کے اٹھتے تھے سحر کو
کہتے تھے لگا چھاتی سے اس رشکِ قمر کو
اس چہرے کے اس زلفِ گرہ گیر کے صدقے
فرزند پیمبرؐ تری تصویر کے صدقے

۱۱
اکبرؑ کو بھی تھا باپ سے اک عشق کا عالم
یہ عرض تھی جاتے جو کہیں سیدِ اکرم
بے سبط نبیؐ چین نہ آتا تھا کوئی دم
یا شاہ ٹھہر جاؤ تو ہمراہ چلیں ہم
خوفِ نظرِ بد سے نہ لے جاتے تھے حضرت
چھپ کر علی اکبرؑ سے چلے جاتے تھے حضرت

۱۲
اٹھتے جو نمازِ سحری پڑھنے کو سرور
جاتے جو سوئے روضۂ پرنور پیمبر
اٹھ بیٹھتے تھے ساتھ پدر کے علی اکبرؑ
پکڑے ہوئے انگلی یہ چلے جاتے تھے باہر
سب کہتے تھے شانِ قمر و مہر کو دیکھو
لو دن کو قرانِ قمر و مہر کو دیکھو

۱۳
عمامہ وہ چھوٹا سا، وہ گیسو، وہ رخِ پاک
دیکھے سے جسے ہوئے قمر شکل کتاں چاک
چھوٹی سی عبا، نور کا تن، نور کی پوشاک
تکمے سے گریباں کے خجل اخترِ افلاک
اک اوس سی پڑ جاتی تھی گلہائے چمن پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ اسی تن پر

۱۴
فرزندوں سے مادر کی محبت تو ہے مشہور
زینت وہی گھر کی تھی وہی آنکھوں کا تھا نور
بانوؑ نے کبھی آنکھ سے اک پل نہ کیا دور
ماں کو وہی منظور رہا جو تھا اسے منظور
خوش دیکھ کے چھاتی سے لگا لیتی تھی بانوؑ
روتا تھا جو فرزند تو رو دیتی تھی بانوؑ

۱۵
زلفِ رخِ اکبرؑ پہ نظر تھی صبح و شام
بانوؑ کے تنِ پاک کی جاں تھا وہ گل اندام
اس لعل کی خدمت کے سوا اور نہ تھا کام
ماں رہتی تھی بیدار پسر کرتا تھا آرام
نظروں سے چھپے گر نہ رہی جان بدن میں
جب آگئے باہر سے تو جان آگئی تن میں

۱۶
گہ شانہ کیا زلفوں میں سر زانوں پہ دھر کے
منھ رکھتی تھی منھ پر کبھی اس رشکِ قمر کے
سرمہ کبھی آنکھوں میں دیا نورِ نظر کے
پروانہ سی پھرتی تھی کبھی گرد پسر کے
بوئے تنِ ہم شکلِ نبیؐ بھاتی تھی اس کو
منھ رکھتی تھی سینے پہ تو نیند آتی تھی اس کو

۱۷
بے دل نہ ہوا اکبرؑ ابھی رہتا تھا اسے دھیان
پہلے ہی مہیا کیا تھا بیاہ کا سامان
جب کہتے یہ اماں تو وہ کہتی تھی میں قربان
کہتی تھی وہ جب بیبیاں کچھ آتے تھے مہمان
ٹھہراؤ کہیں بیاہ مرے رشکِ چمن کا
سہرا ہے یہ اکبرؑ کا یہ جوڑا ہے دلہن کا

۱۸
کیوں صاحبو بیٹا ہے مرا چودھویں کا ماہ
اب نامِ خدا بیاہ کے قابل ہے یہ ذیجاہ
وہ دن ہو کہ اللہ بنائے اسے نوشاہ
جیسا ہے یہ ایسی ہی دلہن دے اسے اللہ
جلدی کہیں حاصل مری امید ہو یارب
اس گھر میں قرانِ مہ و خورشید ہو یارب

۱۹ یہ نذر ہے جس روز دلہن بیاہ کے لاؤں
اور گرد دلہن دولہا کو روضے کے پھراؤں
مرقد پہ محمدؐ کے میں لے کر اسے جاؤں
پھر گھر میں بڑی دھوم سے لیکر اسے آؤں
ہو ساتھ سواری کے ہجوم اہلِ وطن کا
آگے میں ہوں اور پیچھے محافہ ہو دلہن کا

۲۰ سنتے تھے جو یہ بانوئے آفاق کی تقریر
رونے کا سبب پوچھتی گر آن کے ہمشیر
منھ پھیر کے رو دیتے تھے تب حضرتِ شبیرؑ
فرماتے تھے جو چاہے کرے مالکِ تقدیر
بہتر ہے جو اللہ کو منظور نظر ہے
غم ہو گا کہ شادی کسے قسمت کی خبر ہے

۲۱ زینبؑ کی محبت سے تو ماہر ہے خدائی
سب دولت و حشمت علی اکبرؑ پہ لٹائی
بلبل نے تو یہ گل کی محبت نہیں پائی
دم بھر نہ گوارا تھی بھتیجے کی جدائی
بیٹوں کو تو بھائی کی غلامی میں دیا تھا
فرزندی میں ہم شکل پیمبرؐ کو دیا تھا

۲۲ کہتی تھی ہر اک سے کہ خوشا میرے مقدر
شبیرؑ سا دنیا میں ملا ہم کو برادر
ماں فاطمہ زہرا ہے پدر ساقیٔ کوثر
بیٹا بھی دیا حق نے تو ہم شکل پیمبرؐ
قائم رہے یہ گیسوؤں والا مرے گھر میں
ہے نورِ محمدؐ سے اجالا مرے گھر میں

۲۳ بھائی سے لگاتی تھی جو اکبرؑ کو بلا کر
فرماتی تھیں عاشق ہوں تمھاری بھی مقرر
حیرت سے پسر دیکھتے تھے جانبِ مادر
پر سچ کہوں پیارے نہیں اکبرؑ کے برابر
بیٹا مرا ہم شکل رسولِ دوسرا ہے
تم ہو تو کفِ خاک ہو یہ نورِ خدا ہے

۲۴ ہر چند نہیں تم میں کچھ اور ان میں جدائی
شہزادۂ عالم انھیں کہتی ہے خدائی
صدقے گئی پر تم نے یہ دولت نہیں پائی
آقا کے تو آقا ہیں یہ اور بھائی کے بھائی
خادم کی طرح ان کی غلامی میں رہو تم
بھائی یہ کہیں گر تو خداوند کہو تم

۲۵ صدقے گئی تم جانتے ہو رتبۂ حیدرؑ
تھا فوق زمانے میں ید اللہ کو سب پر
ہم نام خدا شاہِ نجف ساقیٔ کوثر
باندھے رہے ہاتھوں کو مگر پیش پیمبرؐ
کعبے میں چڑھے دوشِ شہنشاہِ امم پر
پر فخر سے آنکھوں کو بھی ملتے تھے قدم پر

۲۶ کس شخص کی تصویر ہے یہ گیسوؤں والا
تعظیم کیا کرتے ہیں اس کی شہِ والا
چھوٹا ہے یہ رتبے میں بڑوں سے ہے دوبالا
میری بھی سعادت ہے جو اس لعل کو پالا
دنیا میں سلامت جو یہ گلفام رہے گا
ہم شکل پیمبرؐ سے مرا نام رہے گا

۲۷ نکلے گا جو اس گھر سے جنازہ مرا باہر
کاندھا مرے تابوت کو دے گا علی اکبرؑ
تم دونوں ادھر اور ادھر ہو گے کھلے سر
یہ گریہ و زاری کی ہے جا وائے مقدر
زینبؑ کو یقیں تھا مجھے یہ دفن کریں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی پہلے مریں گے

۲۸
اب کاتبِ اخبارِ عزا کرتے ہیں تحریر
غربت میں گرفتارِ مصیبت ہوئے شبیرؑ
اٹھارہ برس کے ہوئے جب اکبرؑ دلگیر
دعوت کے عوض جمع تھے تیغ و تبر و تیر
وہ پیاس سے مرتے تھے جو نازوں کے پلے تھے
تلواریں تھیں اور آلِ محمدؐ کے گلے تھے

۲۹
تھی لاکھ جوانوں کی بہتّر پہ چڑھائی
شہ دیکھتے تھے لٹتی تھی زہراؑ کی کمائی
غل تھا کہ کرو فاطمہؑ کے گھر کی صفائی
بابا سے بچھڑتا تھا پسر بھائی سے بھائی
جو شخص کہ زندہ تھا وہ مرنے پہ تُلا تھا
حوریں نظر آتی تھیں درِ خلد کھلا تھا

۳۰
لہریں جو دکھاتا تھا انھیں چشمۂ کوثر
گرمی میں پسینے سے جو ہوتا تھا بدن تر
جا پڑتے تھے ہنستے ہوئے تلواروں کے منھ پر
جنت کے دریچوں سے ہوا آتی ہے فرفر
کہتے تھے کہ خادم ہیں ولی ابن ولی کے
سو سر ہوں تو قربان حسینؑ ابن علیؑ کے

۳۱
جب رو چکے قاسمؑ کو شہِ بیکس و بے آس
بھائی جو ہوا قتل تو جینے سے ہوئی یاس
گلچینِ گلستانِ شہادت ہوئے عباسؑ
کوئی علی اکبرؑ کے سوا پھر نہ رہا پاس
بیتاب تھے تھامے ہوئے ہاتھوں سے کمر کو
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو

۳۲
شہ چاہتے تھے مرنے کو پہلے ہمیں جائیں
اکبرؑ کا ارادہ تھا کہ ہم برچھیاں کھائیں
سینے کو سپر کر دیں کلیجے کو بچائیں
میدان سے بابا مرے لاشے کو اٹھائیں
جب شاہ نظر کرتے تھے شمشیرِ دودم پر
ہم شکلِ نبیؐ دوڑ کے گرتے تھے قدم پر

۳۳
شہ کہتے تھے فرزند کو چھاتی سے لگا کر
پھر آئیو یہ چاند سی تصویر دکھا کر
زینبؑ کو تو دیکھ آؤ ذرا خیمے میں جا کر
وہ کہتا تھا ہاں جائیں گے ہم برچھیاں کھا کر
منھ معرکۂ جنگ سے موڑا نہیں جاتا
اس وقت میں حضرت کو تو چھوڑا نہیں جاتا

۳۴
شہ کہتے تھے اے جانِ پدر ہم کو نہ روکو
امت پہ فدا کرتے دو سر ہم کو نہ روکو
ماں بہنوں کی لو جا کے خبر ہم کو نہ روکو
احسان تمہارا ہے اگر ہم کو نہ روکو
ہم نے وہ سہے رنج کہ کچھ کہہ نہیں سکتے
اللہ تم اک داغِ پدر سہہ نہیں سکتے

۳۵
جب جانیں کہ صابر ہو تم اے اکبرؑ دلگیر
خنجر مری گردن پہ ہو اور سینے پہ بے پیر
دیکھا کرو اور ہم پہ چلیں نیزہ و شمشیر
اس وقت کہو تم یہی جو خواہشِ تقدیر
ریتی پہ ہمارے تنِ صد پاش کو دیکھو
ٹکڑے سمِ اسپاں سے مری لاش کو دیکھو

۳۶
اکبرؑ نے کہا خالقِ اکبر نہ دکھائے
شہ بولے پدر دیکھے پسر برچھیاں کھائے
یا شاہ کہاں سے یہ کلیجہ کوئی لائے
دنیا میں رہے پیر جواں مرنے کو جائے
جو کہتے ہو بابا سے بجا کہتے ہو بیٹا
انصاف بھی لازم ہے یہ کیا کہتے ہو بیٹا

۳۷
جو ہم نے سہے زخم یہ دل پر کوئی کھاتا
عباسؑ سے بھائی کا کوئی داغ اُٹھاتا
ننھے سے کوئی بھانجے ہاتھوں سے گنواتا
ایوبؑ سے صابر کا کلیجہ نکل آتا
شبیر کسی رنج میں مجبور نہیں ہے
پر داغِ پسر سہنے کا مقدور نہیں ہے

۳۸
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا سیدِ ابرار
خود بیٹے کی گردن پہ رکھا خنجرِ خونخوار
یاد آپ کریں صبرِ خلیلؑ جگر افگار
فرمایا کہ سچ کہتے ہو یہ اے مرے دلدار
زندہ پسران کا تو ملا ان کے گلے سے
تم پھر کے نہیں آؤ گے تیغوں کے تلے سے

۳۹
دو جان کا اکبرؑ ترے جانے میں زیاں ہے
مرنا ترا دیکھے یہ اُسے تاب کہاں ہے
تو زینبِؑ بیکس کی تنِ زار کی جاں ہے
بانوؑ کا تو پھر حق بہ طرف ہے کہ وہ ماں ہے
مادر کو قسم رونے کی دے لوگے تو جانا
زینبؑ سے رضا مرنے کی لے لوگے تو جانا

۴۰
ہم شکل نبیؐ کو تو نہ کچھ بات بن آئی
لو بی بی ہوئی شاہ کے لشکر کی صفائی
فضہ نے خبر جا کے یہ بانوؑ کو سنائی
اب باپ میں اور بیٹے میں ہوتی ہے جدائی
کچھ بولے تو باتیں تھیں شہنشاہِ اُمم سے
اب لپٹے ہوئے روتے ہیں بابا کے قدم سے

۴۱
بانو نے کہا شاہ کو کیا مدِّ نظر ہے
نے ہوش تمہارا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہے
وہ بولی کہ آفت میں محمدؐ کا پسر ہے
ہر مرتبہ جھک جاتے ہیں یہ دردِ جگر ہے
صابر ہیں یہ مضطر انھیں ہوتے نہیں دیکھا
میں نے کبھی اس درد سے روتے نہیں دیکھا

۴۲
بیتابی میں بیٹے سے لپٹ جاتے ہیں ہر بار
فرماتے ہیں صدقے میں ترے اے مرے دلدار
گہ روتے ہیں پڑھتے ہیں کبھی درد کے اشعار
چھاتی سے لپٹ جا کہ پدر تجھ کو کرے پیار
طاقت نہیں اب ضعف سے تھراتے ہیں شبیرؑ
اکبرؑ تو ہیں زندہ یہ مرے جاتے ہیں شبیرؑ

۴۳
گھبرا کے کہا بانوؑ نے ہے ہے غضب آیا
اصغرؑ کو تو گہوارے میں جلدی سے لٹایا
بس اب نہ رُکے گا نہ رُکے گا مرا جایا
سر پیٹ کے یہ زینبِؑ بیکس کو سنایا
دوڑو مری دولت پہ زوال آتا ہے بی بی
لال آپ کا مرنے کے لئے جاتا ہے بی بی

۴۴
تم ڈیوڑھی پہ جا کر مرے دلبر کو بلا لاؤ
زینبؑ نے کہا سبطِ پیمبرؐ کو بلا لاؤ
مر جاؤں گی جلدی علی اکبرؑ کو بلا لاؤ
ہے ہے مرے مظلوم برادر کو بلا لاؤ
میں نکلوں گی گھر سے جو نہ یاں آئیں گے اکبرؑ
کیا باپ کے بے حکم چلے جائیں گے اکبرؑ

۴۵
ماں بولی رضا دے چکے شاید انھیں سرور
ہاں مجھ کو بھلا دیں تو بھلا دیں علی اکبرؑ
زینبؑ نے کہا یہ مجھے آتا نہیں باور
بولے مری مرضی نہ رضا دیں گے برادر
اٹھارہ برس پالا ہے مختار ہوں میں بھی
وہ بیٹے کے مالک ہیں تو حقدار ہوں میں بھی

۴۶

آئے تو مرے سامنے وہ گیسوؤں والا
آغاز مسیں بھی ہوئیں سبزہ بھی نکالا
مادر سے رضا جنگ کی لینے کو نہ آئے

پوچھوں گی بتاؤ مجھے کس نے تھیں پالا
اللہ یہ بھولے ہمیں جب ہوش سنبھالا
بیٹوں کا بھی پُرسا ہمیں دینے کو نہ آئے

۴۷

اے لال بھلا مجھ کو بھلایا تو بھلایا
جس ماں نے تمہارے لئے اک جوگ کمایا
اس کو بھی بھلایا مرے پیارے علی اکبرؑ

بانوؑ کی محبت کا بھی کچھ دھیان نہ آیا
خود راتوں کو جاگی تھیں چھاتی پہ سُلایا
لئے ماں کے ہوئے تم نہ ہمارے علی اکبرؑ

۴۸

یہ ذکر ابھی تھا کہ شہِ بحر و بر آئے
چلائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
زینبؑ پسرِ نائبِ حیدرؑ سے نہ بولی

اور باپ کے پیچھے علی اکبرؑ نظر آئے
نہیوڑا لیا سر بانوؑ نے اور اشک بھر آئے
لیں شہ کی بلائیں علی اکبرؑ سے نہ بولی

۴۹

تھی جان تو اکبرؑ میں نظر تھی سوئے شبیرؑ
فرماتے تھے حضرت کہ یہ کیا حال ہے ہمشیر
وہ کہتی تھی میں کون ہوں کیا مجھ سے کہیں گے

کہنا تھا کچھ اور بھائی سے کچھ کرتی تھی تقریر
دیکھو تو ذرا کہتے ہیں کیا اکبرِؑ دلگیر
جو دل میں ہے ان کے وہ بھلا مجھ سے کہیں گے

۵۰

بانوؑ نے اشارہ کیا باگریۂ و زاری
منہ ڈھانپ کے روتی ہیں ابھی یہ کئی باری
جو مرضی ہو ان کی وہی اب کیجیو بیٹا

آزردہ ہیں کچھ تم سے پھوپھی جان تمہاری
قدموں پہ گرو پالنے والی کے میں واری
مرجانے کی رخصت نہ طلب کیجیو بیٹا

۵۱

سمجھے علی اکبرؑ کہ خفا ہیں پھوپھی اماں
لپٹا کے گلے سے وہ پکارے کہ مری جاں
زندہ نہ محمدؑ ہے نہ اب عونؑ ہے بیٹا

قدموں پہ گرے دوڑ کے بادیدۂ گریاں
زینبؑ ترے بابا کے فدا اور ترے قرباں
تم مجھ کو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا

۵۲

تم صبح سے میداں میں سدھارے مرے دلدار
واری مجھے دکھلا نہ گئے آخری دیدار
تلواریں لئے اہلِ ستم گرد کھڑے تھے

جا جا کے میں ڈیوڑھی پہ پکار آئی کئی بار
اکبرؑ نے کہا رن میں تھے سیدِ ابرار
عباسؑ کے لاشے پہ یہ بیہوش پڑے تھے

۵۳

بغلوں میں اگر ہاتھ میں دے کر نہ اٹھاتا
نیزہ کوئی ظالم کوئی شمشیر لگاتا
سب کہتے کہ بابا سے نہ الفت ہے پسر کو

بابا کو بڑی دیر تلک ہوش نہ آتا
گھر میں اگر آتا تو نہ پھر باپ کو پاتا
چھوڑ آیا ستمگاروں میں مظلوم پدر کو

۵۴

جب سنتیں پسر زندہ ہے اور مر گئے سرور
میں جانتا تھا آپ ہیں شیدائے برادر
کہتیں نہ مرے سامنے آوے علی اکبرؑ

بتلائیے پھر دودھ مجھے بخشیں گی مادر
یوں پیار نہ کرتیں کبھی چھاتی سے لگا کر
کہہ دو مجھے صورت نہ دکھاوے علی اکبرؑ

میں آپ کے صدقے نہ بلائیں مری لیجئے	۵۵	لے آیا ہوں بابا کو صلہ کچھ مجھے دیجئے
میدان میں مارے گئے سب بھائی بھتیجے		ٹلتی ہے بلا شہ کی تصدق مجھے کیجئے
اماں بھی خفا ہیں مجھے قدموں پہ گرا دو		پالا ہے تمہیں نے تمہیں مرنے کی رضا دو
یہ وقت مصیبت ہے کہ مجھ پر کرو احسان	۵۶	حضرت سے کہا آپ سفارش کریں اس آن
مادر سے کہا آپ کے قدموں کے میں قربان		چھاتی سے لگا لو کوئی دم کا ہوں میں مہمان
آزردہ نہ ہونا کہ نہایت مجھے غم ہے		اماں تمہیں میری ہی جوانی کی قسم ہے
بانوؑ نے کہا میں تو خفا کچھ نہیں واری	۵۷	میں کون یہی ماں یہی مالک ہیں تمہاری
راضی ہیں یہ رخصت پہ تو منگواؤ سواری		تم سے تو نہ ان کو نہ مجھے جان ہے پیاری
یہ خوش ہیں اگر تم سے تو خورسند ہوں میں بھی		مرضی ہے یہ ان کی تو رضامند ہوں میں بھی
مجھ کو تو فقط دودھ پلانے کی ہے الفت	۵۸	زینبؑ نے تو اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
صدقے گئی جب رن کی بھی دیں تمہیں رخصت		پھر روک سکوں میں یہ بھلا ہے مری طاقت
دعویٰ ہے کنیزی کا مجھے بنت علیؑ سے		میں دودھ بھی اپنا تمہیں بخشوں گی خوشی سے
بانوؑ نے یہ ہم شکل پیمبرؐ سے کہا جب	۵۹	حسرت سے لگے دیکھنے اکبرؑ سوئے زینب
زینبؑ نے کہا مجھ پہ کھلا آپ کا مطلب		پھر چھاتی سے لپٹو کوئی حجت نہ رہی اب
ہر چند سنبھلتا نہیں دل اے علی اکبرؑ		چھاتی پہ رکھی صبر کی سل اے علی اکبرؑ
بابا کی طرف بیٹے نے دیکھا بہ تبسم	۶۰	خیمے میں ہوا رخصت اکبرؑ کا تلاطم
چلّائے شہ دیں کہ مری جان چلے تم		بابا کی ضعیفی پہ کیا خوب ترحّم
اس غم میں نہیں صبر کا یارا علی اکبرؑ		فریاد ہے تم نے ہمیں مارا علی اکبرؑ
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے اکبرؑ دلگیر	۶۱	گھوڑے پہ چڑھا لال گرے حضرت شبیرؑ
کی شمر سے جا کر یہ خبر وار دل نے تقریر		محبوب خدا آتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
ہم کہتے تھے دو دن کے نہ پیاسے کو ستاؤ		لو اور محمدؐ کے نواسے کو ستاؤ
یہ احمدِ مرسل ہے قسم کھانے کی جا ہے	۶۲	روشن ہے جبیں حسنِ نبیؐ کی یہ ضیا ہے
انوارِ مہِ مہر کو یہ مرتبہ کیا ہے		یوسفؑ بھی کرے ان کی غلامی تو بجا ہے
مالک انھیں خالق نے کیا حشر کے دن کا		یہ آیۂ رحمت ہیں ادب چاہئے ان کا
بولا پسرِ سعد یہ ہے آمدِ اکبرؑ	۶۳	دنیا میں وہی ایک ہے تصویرِ پیمبرؐ
اب خاتمۂ جنگ ہے تنہا ہوئے سرور		ہاں فوج ہو تیار چلیں نیزہ و خنجر
بڑھ بڑھ کے جو لڑتے تھے وہ جانباز کہاں ہیں		صف باندھ کے روکیں قدر انداز کہاں ہیں

۶۴
عباس علمدار کے قاتل کو بلاؤ
کھینچے ہوئے تلواروں کو اے بھائیو جاؤ
رستے پہ سواروں کے پرے جلد جماؤ
لاؤ سرِ اکبرؑ تو صلہ جنگ کا پاؤ
طاقت نہیں رہنے کی تنِ شاہِ اُمم میں
مر جائیں گے شبیرؑ جواں بیٹے کے غم میں

۶۵
عباسؑ کے مرنے سے تو ہیں بیکس و مجبور
زخموں سے جو ہووے گا برابر کا پسر چور
ٹوٹی ہے کمر ہو گئے ہیں جنگ سے معذور
آنکھیں شہِ مظلوم کی ہو جائیں گی بے نور
خوں کا بھی نہ بیٹے کے عوض لیویں گے شبیرؑ
خود آ کے گلا تیغ پہ دھر دیویں گے شبیرؑ

۶۶
یہ سنتے ہی لشکر کی صفیں ہو گئیں تیار
بجلی سی چمکنے لگی ایک ایک کی تلوار
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے یک بار
ڈھالوں کا اُٹھا چار طرف ابر دھواں دھار
شورِ دُہلِ حرب گذرتا تھا فلک سے
خیرہ تھی نظر برچھیوں کے پھل کی چمک سے

۶۷
اِک سمت کماں دار قدم آگے بڑھا کر
کجبازوں نے سیدھا کیا تیروں کو اٹھا کر
خم ہو گئے تیروں کو کمانوں سے ملا کر
کچھ آ رہے کمیں گہ میں کمندوں کو بچھا کر
رونے کی ہے جا واں تو یہ سامانِ وغا تھا
یاں اکبرؑ مظلوم تھے یا سر پہ خدا تھا

۶۸
ناگاہ زمیں رن کی ہوئی وادیٔ ایمن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرا گئے دشمن
صحرائے بلا دُور تلک ہو گیا روشن
رشکِ مہِ نو بن گئے نقشِ سمِ توسن
ذرّوں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف ہو کے سواروں کو گرایا

۶۹
اک شور ہوا دلبرِ شبیرؑ کو دیکھو
پیشانیٔ پُر نور کی تنویر کو دیکھو
لو سلسلۂ زلفِ گرہ گیر کو دیکھو
اس ابروئے خمدار کی شمشیر کو دیکھو
وہ نور کی مصباح ہے یہ صاحبِ ضو ہیں
کس اوج پہ اک بدر ہے اور دو مہِ نو ہیں

۷۰
نرگس کہیں آنکھوں کو بھلا کیا اولوالابصار
یہ سبزۂ نوخیز، یہ مہتاب سے رخسار
وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلعِ انوار
گویا ورقِ زر پہ رقم ہے خطِ گلزار
لب پر ہیں مِسی حسنِ شباب ان سے عیاں ہے
لو آتشِ یاقوت کا دیکھو یہ دھواں ہے

۷۱
دانتوں کی چمک دیکھ کے حیرت میں ہیں مردم
دیکھا نہیں غنچے میں یہ اندازِ تبسم
آتی ہے نظر صاف دو رشتۂ صفِ انجم
ہے ان کا تبسم نمکِ خوانِ تکلم
کرتا ہوں جو وصفِ لبِ اعجاز بیاں کو
ہونٹوں کو زباں چاٹتی ہے ہونٹ زباں کو

۷۲
گردن نہ کہو نور کی اک شمع ہے روشن
پروانہ ہے یاں روشنیٔ وادیٔ ایمن
ہے طور کا شعلہ بھی چراغِ تہِ دامن
اور شرم سے حوروں کی جھکی جاتی ہے گردن
پیاسا ہے یہ کم سمجھو نہ اس ماہ کی طاقت
ہے ساعد و بازو میں یداللہ کی طاقت

۷۳
کس منہ سے کہوں سینۂ انور کی صفائی
کیوں کر نہ کرے سینہ زنی ساری خدائی
آئینۂ مہ نے یہ صباحت نہیں پائی
جلادوں نے برچھی اُسی چھاتی پہ لگائی
سوراخ جگر دیکھ کے ہم شکل نبیؐ کا
کیا حال ہوا ہوگا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۷۴
پٹکے سے محمدؐ کے بندھی ہے کمرِ پاک
جس جا پہ رکھے پاؤں شبیہہ شہ لولاک
اور زیب بدن ہے گی یداللہ کی پوشاک
کحلِ بصرِ اہلِ بصیرت ہے وہی خاک
ہاتھ آیا ہے غازی کو چلن شیرِ خدا کا
ثابت قدمی نام ہے نقشِ کفِ پا کا

۷۵
ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا ساماں
شہزادے پہ جب ٹڈی نے لگا تیروں کا باراں
اور گھٹنے لگی طاقتِ جسمِ شہ ذی شاں
تلوار علم کر کے کہا یا شہِ مرداں
اک برقِ جہاں سوز چمکتی نظر آئی
جس صف پہ گری آگ بھڑکتی نظر آئی

۷۶
نعروں سے بہادر کے دہلنے لگے ناری
سر پیچ کے لڑنے کو نکلنے لگے ناری
اس شعلۂ جوالہ سے جلنے لگے ناری
ٹھہرے نہ قدم ہاتھوں کو ملنے لگے ناری
میداں میں تو اس برقِ مجسّم نے جلایا
تن سرد ہوا جب تو جہنم نے جلایا

۷۷
تنہا تھے مگر فوجِ ستمگار کو روکا
غازی نے سپر پہ نہ کسی وار کو روکا
دو چار کو گھائل کیا دو چار کو روکا
روکا بھی تو تلوار کو تلوار پہ روکا
نیزے نے ستمگاروں کے دل توڑ دیے تھے
تلوار نے تلواروں کے منہ توڑ دیے تھے

۷۸
ایک ایک ذرہ پوش تہِ دامِ اجل تھا
غازی تھے جنھیں حوصلۂ جنگ و جدل تھا
چار آئینہ والوں کو بھی حیرت کا محل تھا
تیروں میں نہ پیکاں نہ کسی برچھی کا پھل تھا
کیوں کر نہ عدو بھاگتے اس صف شکنی سے
حربوں کے بھی سر اُڑ گئے تھے تیغ زنی سے

۷۹
نیزوں کی تکاں سے تو سنانوں کو گرایا
شانوں سے لعینوں کے نشانوں کو گرایا
تلوار سے غازی نے کمانوں کو گرایا
گھوڑوں سے نمودار جوانوں کو گرایا
جنگِ اسداللہ کے سب ڈھنگ دکھائے
تیغِ علی اکبرؑ نے عجب رنگ دکھائے

۸۰
دو ٹکڑے کیا خودوں کو گردن پہ نہ ٹھہری
جوشن کو بھی جب کاٹ چکی تن پہ نہ ٹھہری
گردن سے بڑھی آگے تو جوشن پہ نہ ٹھہری
کیا تن کی حقیقت تھی کہ توسن پہ نہ ٹھہری
اسواروں کو جنبش نہ ہوئی خانۂ زیں پر
اللہ رے صفائی کہ یہ ٹھہری تو زمیں پر

۸۱
اُٹھی جو چمکتی ہوئی وہ برقِ شرربار
جس غول پہ جا پڑتے تھے تولے ہوئے تلوار
ادبھی سی کمر پر جو لگا دی تو ہوئی پار
پیدل پہ تو پیدل تھے اور اسوار پہ اسوار
سوکھے ہوئے لب چاٹ کے دم لیتے تھے اکبرؑ
دو چار صفیں کاٹ کے دم لیتے تھے اکبرؑ

۸۲
گھوڑوں سے اُڑی گرد ہوا رن میں اندھیرا
چلاتی تھی بانوؑ کہ پھرا لال نہ میرا
میداں سے نہ اکبرؑ نے مگر باگ کو پھیرا
یاں حضرت شبیر کو تشویش نے گھیرا
اُٹھ اُٹھ کے کبھی دیکھتے تھے فوجِ ستم کو
کہتے تھے کہ لو کچھ نظر آتا نہیں ہم کو

۸۳
ہر مرتبہ گردوں کو ہلا دیتے تھے نالے
آواز تو دے باپ کو اے گیسوؤں والے
چلّاتے تھے ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
آ جائے ترے اے لال خدا مجھ کو اُٹھالے
لو باپ کو دنیا سے گذرتے ہوئے دیکھے
بابا تجھے مقتل میں نہ مرتے ہوئے دیکھے

۸۴
کس صف میں ہو کس غول سے ہوتی ہے لڑائی
پیارے کوئی برچھی تو نہیں چھاتی پہ کھائی
منھ پھیر کے صورت بھی نہ بابا کو دکھائی
تکبیر کی آواز بھی ہم تک نہیں آئی
ایسا نہیں یہ درد کہ موقوف ہو بیٹا
ہم مرتے ہیں تم جنگ میں مصروف ہو بیٹا

۸۵
اب باگ پھراؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
دیر اب نہ لگاؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
دیدار دکھاؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
بس لڑ چکے آؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
گر اب نہیں آنے کے تو کب آؤ گے بیٹا
ماں گھر سے نکل آئے گی تب آؤ گے بیٹا

۸۶
بابا ترے صدقے مرے رستم علی اکبرؑ
یاور علی اکبرؑ مرے ہمدم علی اکبرؑ
صفدر علی اکبرؑ مرے ضیغم علی اکبرؑ
جلد آ کے خبر لو کہ موئے ہم علی اکبرؑ
پیری میں نہ بابا کو دغا دے ترے صدقے
چھاتی مری چھاتی سے لگا دے ترے صدقے

۸۷
بانو نے سنی شہ کی جو یہ گریہ و زاری
اکبرؑ کو ہوا کیا جو یہ حالت ہے تمہاری
دروازے کے پردے کو اُٹھا کر یہ پکاری
حضرت نے کہا رن میں اسے گھیرے ہیں ناری
ذرّے تو نظر آتے ہیں خورشید نہیں ہے
اکبرؑ کے پھر آنے کی اب اُمید نہیں ہے

۸۸
میدان میں سنتی ہو یہ تلواروں کی جھنکار
بی بی ترے فرزند پہ چلتے ہیں یہ سب وار
اور برچھیوں کے پھل وہ چمکتے ہیں جو ہر بار
وہ تشنہ دہن ایک ہے اور لاکھ ستمگار
مڑ کر ہمیں صورت بھی دکھاتے نہیں اکبرؑ
ہم دیر سے چلّاتے ہیں آتے نہیں اکبرؑ

۸۹
بانو نے کہا میں بھی کھُلے سر نکل آؤں
گہوارے میں اصغرؑ کو لٹا کر نکل آؤں
بیتاب ہے دل خیمے سے باہر نکل آؤں
کہتی ہوئی ہے ہے علی اکبرؑ نکل آؤں
صدقے گئی قربان پسر ہونے دو مجھ کو
تلواروں میں اکبرؑ کی سپر ہونے دو مجھ کو

۹۰
یا شاہ مرے سر کی قسم دے کے بلا لو
اپنے سرِ انور کی قسم دے کے بلا لو
صاحب علی اصغرؑ کی قسم دے کے بلا لو
اکبرؑ کو پیمبرؐ کی قسم دے کے بلا لو
تیروں کی جو بوچھار ہے اور تیغ زنی ہے
میداں میں یہ کیسی مرے بچے پہ بنی ہے

۹۱
حضرت کو بہت جب قلقِ دل نے ستایا — حمال سے ناقے کو محمدؐ کے منگایا
جب اس پہ چڑھا حیدرِ کرّار کا جایا — اک ابرِ ستم چاند پہ چھایا نظر آیا
فرمایا کہ اللہ بڑی جنگ ہے رن میں — نیزوں میں یہ اکبرؑ ہے کہ خورشید گہن میں

۹۲
سنبل سے نظر آئے جو اُڑتے ہوئے گیسو — پہچان کے اکبرؑ کو پکارے شہِ خوشخو
بابا تری جرات پہ فدا اے مرے مہ رو — شاباش مرے شیر مرے قوّتِ بازو
گھبراؤ نہ گو فوج ستم چھا گئی بیٹا — حیدرؑ کی لڑائی ہمیں یاد آ گئی بیٹا

۹۳
ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزۂ خونخوار — چلّائے شہِ دیں کہ مرے لال خبردار
یاں سینۂ اکبرؑ سے ہوئی نوکِ سناں پار — تھرّائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا — خوں سینۂ انور سے اُبلتے ہوئے دیکھا

۹۴
تھی پیاس کئی دن کی کئی روز کا فاقا — ہے ہے علی اکبرؑ کہا اور غش ہوئے آقا
سر پیٹ کے حمال نے بٹھلا دیا ناقا — ریتی پہ گرے غش سے ہوا کچھ جو افاقا
بسمل بھی نہ اس طرح کبھی خاک پہ تڑپے — جس طرح حسینؑ ابن علی خاک پہ تڑپے

۹۵
زینبؑ تو یہ سمجھی کہ برادر ہوئے زخمی — چلّائی یہ بانو علی اکبرؑ ہوئے زخمی
حضرت نے کہا ہاں مرے صفدر ہوئے زخمی — افسوس کہ ہم شکل پیمبرؐ ہوئے زخمی
آواز سنا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں — پھل برچھی کا کھا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں

۹۶
خاتون قیامت کی صدا اتنے میں آئی — ہے ہے مرے پوتے نے سناں سینے پہ کھائی
اٹھارہ برس والے نے جان اپنی گنوائی — اب لاش پہ نرغہ ہے محمدؐ کی دُہائی
پھل تیغوں کے بجلی کی طرح کوند رہے ہیں — رہواروں سے لاشے کو عدو روند رہے ہیں

۹۷
لاشے پہ چلے خاک بسر سیدِ عالم — اکبرؑ کی جدائی کا پڑا خیمے میں ماتم
فریاد محمدؐ کی صدا آتی تھی ہر دم — جنباں تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظم
سیدانیوں میں ہوتا تھا جب شورِ بکا کا — ہلتا تھا کلس خیمۂ شاہِ شہدا کا

۹۸
راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا — اک بی بی نکل آئی اٹھا خیمے کا پردا
خورشید سا تھا بکھرے ہوئے بالوں میں چہرا — مریم کوئی کہتا تھا کوئی حضرتِ زہرا
دیکھا نہ گیا اشک ہمارے نکل آئے — گردوں پہ چھپا مہر ستارے نکل آئے

۹۹
ہلتے تھے دُرِ گوش کھلا تھا سرِ انور — اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
گرتی تھی کبھی اور کبھی چلّاتی تھی اٹھ کر — ہے ہے علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری — اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

100
مقتول کے لاشے کو جو اس بی بی نے پایا
پھر سینے کو ہاتھوں سے یہ پیٹا کہ غش آیا
مُردے کی بلائیں لیں کلیجے سے لگایا
ہاتھ اس کا پکڑ کر شہِ بےکس نے اُٹھایا
خیمے میں بصد غم اسے پہونچا کے پھر آئے
روتے ہوئے دروازے تلک جا کے پھر آئے

101
اس وقت یہ راوی نے کسی شخص سے پوچھا
مریم ہے کہ سارا ہے خدیجہ ہے کہ زہرا
ہے کون یہ خاتونِ معظم مجھے بتلا
میں[1] نے کبھی یہ نور کسی میں نہیں دیکھا
اس نے کہا یہ زینبِ آوارہ وطن ہے
بیٹی ہے علیؑ کی شہِ والا کی بہن ہے

102
بس طول انیسِ جگر افگار کہاں تک
پر حرفِ مکرر کبھی لانا نہ زباں تک
پہونچی یہ تری نظم شہِ کون و مکاں تک
تو خاک ہے کر عجز کیا جائے جہاں تک
سب کچھ تجھے آقا کے تصدق سے ملا ہے
اس نظم کی تعریف سخن فہم صلا ہے

[1] جنت سے بی بیاں آئی ہیں یا حضرت حوا

سلام

گذر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچائیں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی حکم بوترابؑ نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بلایا ہو وہ نخل نہال
ثمر اسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حُرِّ شہید
خطا کی راہ میں گر جادۂ ثواب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک لے جو ضیا پائی
وہ نورِ حضرتِ موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسین کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر قحط آب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلام ابوترابؑ نہ تھا

مرثیہ	جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ اُمم گِرا گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گِرا صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے	یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گِرا یاں فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ اَلم گِرا خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے
۲	بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے	ماتم تھا نوجوانیٔ عباسؑ کا ادھر اکبرؑ کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے
۳	اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ عباسؑ سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ چُننے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے	باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ کب تک بچایئے گا کلیجے کو داغ سے
۴	دُنیا سے کوچ کر گئے عباسؑ نامدار حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار آہیں نہ بھریئے پیٹ کے سر کو نہ روئیے	اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار مثلِ خلیلؑ کیجیے فرزند کو نثار جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے
۵	بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور قوّت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور اگر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے	بازو کا درد اور ہے اور دردِ جگر ہے اور سینے کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے
۶	دشوار ہے اگر غمِ فرزند نوجواں مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سناں اصغرؑ سے کچھ غرض ہے نہ اکبرؑ سے کام ہے	مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زماں جان اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے
۷	حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر فرمایا کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو	نعلینِ عرش سا پہ جھکا یا پسر نے سر کی عرض اذن دیجئے یا شاہِ بحر و بر بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو
۸	شہ نے کہا خوشی ہے بہرحال خاکسار پَر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دیکے جایئے	تم سے جو تین تیس ہوں تو اس راہ میں نثار اس امر میں تمہاری پھوپھی کو ہے اختیار پالا ہے جس نے اس سے رضا لے کے جایئے
۹	روؤں گا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال صدقے ہے نورِ عین تصدّق ہے جان و مال ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہے	صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہؑ کا لال طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال اولاد ہے تو کیا ہے عنایت خدا کی ہے

۱۰
جس طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا
بے جاں حسنؑ کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے تمہارا ابھی داغ ہو

۱۱
خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزیں
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
چھاتی لگایا ماں نے پھوپھی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہ دیں
روتے ہیں غیر سیدِ والا کے حال پر
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

۱۲
اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہ دیں کے پاس
بازو شکستہ، ضعف بصارت، ہجوم یاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ زہے حواس
گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

۱۳
تنہا کہاں امام، کہاں وہ ہجوم عام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام
میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہوگی فوج شام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

۱۴
تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزند بوتراب
اچھا مریں گے بعد شہِ آسماں جناب
ذرّہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
دُنیا کا نور نیرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

۱۵
جب گھر لُٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنیٔ خانہ پھر کہاں
صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
گُل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختمِ رُسل نہ ہو
بُلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گُل نہ ہو

۱۶
دُنیا سے جلد ہم کو اُٹھا لے ہمارا رب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبیؐ کے قدم پہ سب
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
مانع ہیں آپ اور پھوپھی سدِّ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں زہراؑ گواہ ہیں

۱۷
مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں اقتلوا الحسینؑ کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے

۱۸
تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
رکھ لیجے آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال
اوّل تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصتِ جدال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اُٹھائیے اب نورِ عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

۱۹
ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
نے جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

۲۰
پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نام ور
کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی اِدھر
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کہنے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

۲۱
رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودہویں کا ماہ
بھاوج کے منہ پہ یاس سے زینبؑ نے کی نگاہ
بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

۲۲
ان کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
زینب پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

۲۳
کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
بن بیاہے تم ابھی تو ہو اے میرے گلعذار
سہرا دکھا کے مادرِ پرغم کو چھوڑیو
آ جائے دُلہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو

۲۴
مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے
قل ہو کہ لو حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے
یہ دائی اپنے ہاتھ سے دولہا تمہیں بنائے
اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دُلہن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے
اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالیں گے

۲۵
اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یاد آئی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر
کرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا ادھر ادھر
یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

۲۶
دادا کا مرتبہ دے تمہیں ربِ ذوالجلال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
بچپن کی دائیوں کا بھی رکھتے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

۲۷
دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے گا گر
ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

۲۸

قوّت تمھیں ہو دل کی تمھیں پارۂ جگر
یہ بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہ میں نے سر
میں کہتی تھی جیے یہ مرا غیرت قمر
اکبر تو ہے اگر مرے پیارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں

۲۹

باتیں یہ کر کے منھ پہ لیا گوشۂ ردا
سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر وہ مہ لقا
کی عرض رو کے اے پھوپھی اماں کروں میں کیا
ہیں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر
زرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

۳۰

منھ سے ہٹایئے تو ردا بہر کردگار
اچھا نہ جائیں گے سوئے میدان کارزار
چادر ہٹا کے منھ سے یہ بولی وہ دلفگار
ہیں کون صدقے جاؤں تمھیں کو ہے اختیار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے پاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو، ماں تو پاس ہے

۳۱

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
ماں نے کیا اشارا کہ اے غیرتِ قمر
تم سے پھوپھی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

۳۲

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہرِ امام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

۳۳

انصاف کیجیے کسے پیاری نہیں ہے جان
اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجوان
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائگاں
روتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشن جہاں
لیکن جہاں سے آج گذرنا ہی خوب ہے
عزت یہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے

۳۴

اکبر نے یہ کلام کیے جب بہ صد ادب
الفت کا جوش آ گیا بنتِ علیؑ کو تب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
کڑھتے ہو کس لیے میں تمھیں روکتی ہوں کب
سچ ہے جہاں میں تم سا کوئی باوفا نہیں
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

۳۵

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں
تم جاؤ آگے صدقے گئی یہ تمھاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

۳۶

جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر
گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
دشمن تمھارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
بس جاگتا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی

۳۷
آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے، منتوں سے، مرادوں سے تم پلے
تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

۳۸
بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہؑ کی جا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۳۹
یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
لاؤ تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں

۴۰
بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہُدا
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیئے پھوپی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
راہیں سب ان کی روکنے کی بند ہو گئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں

۴۱
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
اماں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپی نے بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

۴۲
عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار
دیکھی ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار
مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر نثار
وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
سب فاطمہؑ کا صبر ہے خو ہو تو ایسی ہو
بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو

۴۳
ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
نامِ خدا زباں کی طاقت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زباں ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

۴۴
رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں
تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں
آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۴۵
آیا بنائے ہستیِ انساں میں جب خلل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
رونا ہے بے حصول کہ ہے سعی بے محل
رو رو کہ خاک اُڑا دو نہیں چھوڑتی اجل
نے فاطمہؑ رہیں نہ امیرِ عرب رہے
ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

۴۶
رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریے
زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریے
پوشاک تو پہنیے یہ کپڑے اُتاریے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبرؑ سنواریے
لے آؤ مصطفیٰؐ کی قبا ان کے واسطے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

۴۷
آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفیٰؐ
پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا
ارمان تھا بہت تمھیں اکبرؑ کے بیاہ کا
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

۴۸
کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں اے فلک اساس
اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجیے
گودی میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

۴۹
محتاجِ قبر ہے ابھی لختِ دلِ حسنؑ
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
عُریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن
عباسؑ نامدار نے پایا نہیں کفن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہے بیاہ کا

۵۰
تڑپی یہ سن کر زوجۂ عباسؑ نامور
کبریٰؑ نے آہ سرد بھری اک جھکا کے سر
قاسمؑ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پسر
بٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر
فریاد شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی
عمو کا حال سن کے سکینہؑ بلک گئی

۵۱
جب بہرِ جنگ اکبرؑ شیریں سخن چلے
واری اُجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
بانوؑ پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
پردہ اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا

۵۲
خدامِ نازئ علیؑ اکبر کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علیؑ اکبر قریب آئے
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
اللہ کتنا شوق شہادت ہے آپ کو
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو

۵۳
دُنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
اے لال قبر تک تمھیں پہونچا تو دے پدر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
رونے کو ضبط کیجیے جگر کو سنبھالیے
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

۵۴
شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
بے وقت تم کو روئیں نہ دل یا جگر کہاں
بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو گئے چھوڑے جاتے ہو

۵۵ فرزند نے جو روحِ محمدؐ کی دی قسم
منھ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بہ چشمِ نم
بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
اچھا سدھارو خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو
مرجائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

۵۶ روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دُلہن
گویا چڑھے براق پہ محبوب ذوالمنن
ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
آہو خجل تھے کبک دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھی تو ہوا پر عقاب تھا

۵۷ پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسفؑ سے بھی حسیں
تصویر سر سے تابہ قدم مصطفےؐ کی ہے
اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

۵۸ شکلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر برنہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر
ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمان و تیر پہ قرباں جوان و پیر
قربان چشمِ سُرمہ کشیدہ کی شان پر
چلّہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

۵۹ ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دوچند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند
گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابرؤوں نے عجب رتبۂ بلند
ہے عین راستی یہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں

۶۰ آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بند و بست
کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
عین الکمال سے انھیں پہونچے نہ تا شکست
مردم میں روشنی ہے اسی نورِ عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسینؑ سے

۶۱ ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآبؐ کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکّے سحاب کے
کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
دونوں سے نور میں مہ و خورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

۶۲ گلزار حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
اُڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

۶۳ اللہ رے نور گوہرِ دندانِ آبدار
الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار
بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرؑ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

۶۴
روشن ہے دشت گردن نازک کے نور سے — فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمع طور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے — شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلا بے مثال ہے — نجمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

۶۵
ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں — مثلِ علیؑ کریں گے صفوں کی صفائیاں
سر کی ہیں دم میں بدر و اُحد کی لڑائیاں — زورِ یداللّٰہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ — پہونچے یہ واں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ

۶۶
سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے — ہاں لا کلام مصحفِ ربِّ عباد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب ان کو یاد ہے — ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوحؑ کی ہے سفینے میں ان کے ہے — جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں ان کے ہے

۶۷
وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبرؑ مشبہ یہ — نیزے لگائیں اس پہ لعیں سب غضب ہے یہ
بیداد برچھیوں کی ہو تیروں کا برسے مینھ — سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقیہہ پر — کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر

۶۸
کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم — جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم — مورِ ضعیف مدحِ سلیمانِ ذی حشم
یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں — بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسولؐ ہیں

۶۹
اس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں — اور اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
کہتا ہے ابنِ سعد ستمگار سخت جاں — شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھاؤ ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو — دیکھیں حسینؑ اور سرِ اکبر سناں پہ ہو

۷۰
کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈرا اے امیر — چپ رہ ارے مٹا نہ یہ تصویرِ بے نظیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر — اس کے قدم پہ جاکے گریں سب جوان و پیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں — تبلا یہ کون ہے جو ہمارا نبیؐ نہیں

۷۱
تیرے ہمارے بیچ میں ہے روئے مصطفےٰ — کھا تو قسم نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفےٰ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفےٰ — ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابروئے مصطفےٰ
سب روشنی جمالِ رسولِؐ زمن کی ہے — جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے

۷۲
کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر — ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر — اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں گر
بیشک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے — تجھ کو تو کور کر دیا ہے حبِ جاہ نے

کہنے لگا یہ تب رُو سیاہ وہ فتنہ گر	۷۳	مجھ سے نشانِ خیرِ ورا سن لو سر بسر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گذر		سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گذر اس جناب کا		رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا
جس راہ سے گذرتے تھے پیغمبرِ زماں	۷۴	پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی وہاں
محبوبِ کبریا ہیں ارم ہیں یہاں کہاں		اکبرؑ ہے یہ حسینؑ کا فرزند نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں		ہم صورتِ رسولؐ ہیں کچھ اس میں شک نہیں
بالفرض وہ نبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا	۷۵	فرمان جو امیر کا، حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوںؑ سے کی دغا		پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفےٰ
درپے رہے جنابِ رسالت پناہؐ کے		تلوار ماری فرق پہ شیرِ الٰہؑ کے
اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام	۷۶	بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح واہ یہ ہے کون سا کلام		ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کرو گے رحم ہر اک نورِ عین پر		کیوں کر چھری پھراؤ گے حلقِ حسینؑ پر
اکبر کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام	۷۷	دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام		لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جنّ و بشر جان دیتے ہیں		نامِ حسینؑ صلِّ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں
سن کر صدا یہ شیر ہٹا فوج سے شریر	۷۸	یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف سے تیر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر		سمٹی زمیں لرزنے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی		یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی
پڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں	۷۹	گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں		خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی		پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی
دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے	۸۰	پانچ اس طرف ہو پانچ نہ جھکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے		جب برقِ تیغ کوند گئی سر برس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بد صفات پر		غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر
جوہر شناسِ تیغِ زباں منہ ادھر کریں	۸۱	تیزی کو حرف حرف کی مدِّ نظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں		مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے		بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

۸۲
در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغ جانستاں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
گردن سے سر، رگوں سے لہو اور بدن سے جاں
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

۸۳
قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زر لیا
برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
بہرِ حصول جزیہ جو وہ تیغ تل گئی
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

۸۴
ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
ہر اک عقاب تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گذر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

۸۵
سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

۸۶
جی سُن سا گئے وہ جدھر سَن سے آ گئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آ گئی
گویا سموم، کوہ کے دامن سے آ گئی
جھکی تو الاماں کی صدا رن سے آ گئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل طپیدہ تھی

۸۷
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گل پیرہن کے ہاتھ
پہونچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور

۸۸
رن میں جمے تھے دلبر ضرغام دیں کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں
سچ ہے کہیں اُکھڑتے ہیں رکنِ رکیں کے پاؤں
تھمتے نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے

۸۹
دب کر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے
خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے رہ گئے
ہر چند سنگ دل تھے یہ مرمر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

۹۰
سر سے عدو کے خود جُدا، تن سے سَر جُدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جُدا
شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جُدا
گھٹنوں سے ہر دو پائے جنلا لست اتر جُدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

۹۱ جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھکر جھکے تو حشر بپا ہو کے رہ گیا
سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

۹۲ سر سبز سب پہ تھا شجر گلشن رسولؐ
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
تھے زرد مثل برگ خزاں دیدہ سب جہول
برچھی سے پھل کمان سے شاخیں تیر سے پھول
زہرا کا باغ اجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

۹۳ لکھتا ہے ادھم قلم اب سرعت عقاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
نعل اس کے ماہ نو ہیں تو سم رشک آفتاب
سرعت میں برق گرم روانی میں جوئے آب
اڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اوج ہے
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے

۹۴ افزوں ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرام ناز میں شاگرد چال کی
دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
غصے میں جست شیر کی شوخی غزال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن براق کا
دلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

۹۵ نازک مزاج دلستان اندام و تیز رو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی تگو
گردوں مسیر باد پیما و برق دو
دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اسے نہ جو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چھل بل میں فرق تھا

۹۶ صرصر سے تند، بو سے سبک رو، ہوا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز
چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز
جانے میں اڑ کے ہدہد شہر صبا سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا
رہوار کیا ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

۹۷ سمٹا، جما، اڑا، ادھر آیا ادھر گیا
تیروں سے اڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اسکے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

۹۸ جب خوب لڑ چکا شہ دیں کا سرور جاں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں
نکلا ادھر سے جنگ کو اک شام کا جوان
سرہنگ و جنگ جو و سلح شور و پہلوان
نعرہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

۹۹ افزوں تھا دیو سے بھی تن و توش نابکار
اسفند یار عصر و نمودار و نامدار
قوت میں عمرو عنتر و مرحب کا یادگار
شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

۱۰۰
بارِ گناہ حاکمِ فاسق تھا خود سر
ذی جوشنِ شقی کا جو تھا ناخلف پسر
تھی روسیاہی پسرِ سعد کی سپر
پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بدگہر
ظاہر کماں سے سرکشیٔ بدنہاد تھی
قبضے میں تیغ بدعتِ ابنِ زیاد تھی

۱۰۱
میداں میں یوں پڑھا رجز اس نے بشدّ و مد
گرما رہا تھا رخش کو وہ بانیٔ حسد
تھرّائے قلب ہل گئی سہراب کی لحد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دعا ملک عقب بادپا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

۱۰۲
وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نورِ رب
وہ ننگِ روزگار تو یہ عزّتِ عرب
یہ رشکِ آفتابِ درخشاں وہ تیرہ شب
یہ خیر میں رسولؐ وہ شر میں ابولہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسمِ کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے

۱۰۳
تازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا
او خود گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں سعید ہیں عالی جناب ہیں
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

۱۰۴
یوسفؑ نہیں ہے وہ جو کرے دعویٔ جمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کیا جمال
کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
کی سرکشی ادھر کہ اُدھر آگیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا

۱۰۵
ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
کس کا ہے جد شفیعِ اُمم سیّدِ عرب
روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب نسب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیرِ ذاتِ رب
جو دوست ہے خدا کا پسر اس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علیؑ کے ہیں

۱۰۶
شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے
ہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار لے

۱۰۷
پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
آگے بڑھا حسینؑ کا فرزند ارجمند
عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

۱۰۸
گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سناں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکاں
انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زورِ ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

۱۰۹
کرّار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر
ہشیار کرکے صید کو جھپٹا وہ شیر نر
زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
نیزے سے کار تیغ لیا واہ رے ہنر
سر برھلا ہوئے ہیں سنی سے دلی کہیں
پوری کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی انی کہیں

۱۱۰
گرز گراں اٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثل جام خوں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذو فنوں
تھا ان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علیؑ کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

۱۱۱
ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں
چھوڑا شقی نے تیر سہ پہلو کہ الاماں
آیا مثال پیل قوی ہیکل و دماں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
ضربت تھی یا کہ قہر خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا نے کماں تھی نہ چلّہ نہ تیر تھا

۱۱۲
رخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
کیوں سہمگیں ہے کھینچ کے تلوار منہ پہ آ
او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

۱۱۳
لی زرد رو نے میان سے شمشیر برق دم
لکے سیاہ ابر سے اُٹھے بہم
دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بہ یک علم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
یہ گرد اڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

۱۱۴
چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
کس کس ہنر سے روکے اس بے ادب کے وار
یاد آ گئے ہر اک کو امیر عرب کے وار
رخ زرد تھا ہراس سے اس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیؑ ولی کے نبرد کا

۱۱۵
شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
تیغ و سپر میں شیر الٰہی کی چال ڈھال
تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہِ دلدل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

۱۱۶
ڈھالوں کے پرزے ہو گئے پیہم رکے جو وار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیہ کار
لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
اڑھ اڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے

۱۱۷
لایا کلام سخت جو لب پر وہ بد زباں
دستِ اجل بڑھا کہ اٹھی تیغ جاں ستاں
بس آ گیا جلال میں شہزادۂ جہاں
اڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آ گیا
عصفور شاہباز کے پنجے میں آ گیا

118 نے وہ تہمتنی تھی نہ وہ زور گیو کا
منھ بھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا
کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

119 دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہ بحر و بر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بہ چشم تر
یارب لڑا ہے تیسرے فاقے میں یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بیقرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں

120 بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
مایا ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گذری بہار زیست کی آیا زمان دے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کی شہادت حصول کر
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر

121 مقبول جس طرح ہوئی قربانیٔ خلیلؑ
اس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیلؑ
میں اس کا ملتجی نہیں اے خالقِ جلیل
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

122 مصروف تھا دُعا میں اُدھر فاطمہؑ کا لال
ڈوبا ہوا تھا فوج عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر دغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں سے تھی جدال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا

123 یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
فاقوں کا ضعف، پیاس کا صدمہ، پدر کا غم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی یہ ہمت بڑھی ہوئی

124 نکلا پرے سے ایک جفاکار و کینہ خواہ
تھا کید میں خلیفۂ شیطان رو سیاہ
چلایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نہ کل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہرا نکل پڑی

125 تھا عشق سے پھوپھی کے تو واقف وہ لالہ فام
گھبرا گیا حسینؑ کا فرزند نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خرام
منھ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

126 گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکسی نہ تھا کوئی اس ماہ رو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

۱۲۷
لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ جو دہویں کا ماہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ
جو گرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ
رہوار سے گرا پسرِ شاہ دیں پناہ
بنتِ رسولؐ رونے کو منھ ڈھانپنے لگی
آڑیا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی

۱۲۸
سر کاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
اے نورِ عینِ فاطمہؑ اے سبطِ مصطفٰیؐ
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
اے بحرِ فیض اے قمرِ برجِ ہل اتیٰ
جلد آیئے غلام کو احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے

۱۲۹
جس دم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدھر گیا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آ لے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

۱۳۰
ہے ہے مرے شفیق پسر مہرباں پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر
خوش رو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر
کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نورِ عین تو نظر آتا نہیں مجھے

۱۳۱
مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہداؑ کہہ کے پھر پکار
اک بار یا شہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی

۱۳۲
کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بیحواس ہوں
غمگیں ہوں مُردہ دل ہوں حزیں ہوں اُداس ہوں
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
دم توڑو تم تو ہے غضب اور میں نہ پاس ہوں
کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو

۱۳۳
ناگاہ آئی حضرتِ زہراؑ کی یہ صدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا
ہے ہے حسینؑ تیرے تڑپنے کے میں فدا
جاں اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

۱۳۴
چلائے سر کو پیٹ کے شبیرؑ نامدار
جو یا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار
اماں خدا کے واسطے اکبرؑ سے ہو شیار
کہہ دیجئے کہ آتا ہے بابا جگر فگار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کرکے جائیں
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کرکے جائیں

۱۳۵
دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
دیکھا جو زخم منھ کے قریب آگیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیرؑ مر گئے

۱۳۶
ہوش آیا تین ساعت کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب
دیکھا کہ رٹ رہی ہے شبیہ رسولؐ رب
چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہیں اُٹھا کے باپ کے گردن میں ڈال دو

۱۳۷
بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اینٹھی ہے گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو
غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
صدقے پدر اشارے میں مطلب ادا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو

۱۳۸
اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں دیکھا رُخِ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے ادھر ادھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یاں سے اُٹھا کے آلِ پیمبرؐ میں لے چلوں
غم ماں کا ہے تو آؤ تمھیں گھر میں لے چلوں

۱۳۹
کی عرض مہلت اتنی کہاں ہے شہِ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لیے آپ کے قدم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں

۱۴۰
شہ نے کہا مرے لیے بیٹا نہ رو دو بس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
میرے لیے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

۱۴۱
بتلاؤ کس امید پہ یہ نیم جاں جیے
دنیا میں جس کا تم سا نہ کڑیل جواں جیے
افسوس شیر قتل ہو اور ناتواں جیے
وہ باپ کس طرح جیے کیونکر وہ ماں جیے
پہلے نہ ہم گذر گئے شرمندگی یہ ہے
ہم دونوں ایک ساتھ مریں زندگی یہ ہے

۱۴۲
یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لُٹا گھر حسینؑ کا

۱۴۳
نکلی اِدھر تو جسم سے اکبرؑ کی جان زار
فِضّہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایکبار
یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمے پہ بیقرار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار
چھُریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آیئے کہ حضرتِ زینبؑ نکلتی ہیں

۱۴۴
گھبرا کے شاہِ دیں نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اس سیم بر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

۱۴۵ سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہ تشنہ کام
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لئے امام
جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جان فاطمہؑ مرے بچے میں جان ہے

۱۴۶ زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہ نامدار
یہ لاش میری گود میں دیجیے بہن نثار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسم زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

۱۴۷ لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امام پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہ دردناک
مسند رسولِ حقؐ کی بچھائی بہ روئے خاک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا غش ہیں وغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

۱۴۷ لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
دل پر ہر اک کے برق غم نوجواں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جاں گری
غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

۱۴۸ بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
گر قدرداں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تو ذاکر حسین علیہ السّلام ہے
تیری اُنھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

سلام

کوئی انیسؔ کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ واہ رے صبر
یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سوئیں گے پاؤں پھیلا کر
سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغ بہشت
یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے

یہ غل تھا دیکھ کے رُخسارۂ علی اکبر
فلک پہ شمس و قمر یہ ضیا نہیں رکھتے

ابوتراب سے جو پیشوا کے پیرو ہیں
قدم بھی خاک پہ وہ بے رضا نہیں رکھتے

قناعت و گہر و آبرو و دولتِ دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

فشارِ قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ
کفن میں صرۂ خاکِ شفا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

قطعہ

غمِ حسینؑ کے داغوں سے دل کرو روشن
خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

مسافرو شبِ اول بہت ہے تیرہ و تار
چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون و مکاں
سخن کو کان سے جو آشنا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا
وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

نہ لوٹو آل کو اعدا سے کہتی تھی فضہ
نبیؐ کی روح سے بھی تم حیا نہیں رکھتے

سکینہ کہتی تھی کیوں کر نہ دم گھٹے اماں
وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آیا راہ میں جس دم تو کہتے تھے سجادؑ
وہ درد ہیں جو امیدِ شفا نہیں رکھتے

تپ درون غم فرقت دم پیادہ روی
مرض تو اتنے ہیں اور کچھ دوا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاک رسولؐ
حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

جہاز آل نبیؐ کیا بچے تباہی سے
تلاطم ایسا ہے اور ناخدا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

گلوئے اصغرِ معصوم و تیر واویلا
یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے

شہادتِ پسرِ فاطمہؑ کا ہے یہ الم
کہ تابِ ضبطِ رسولِ خدا نہیں رکھتے

فقط حسینؑ پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ
کسی کی لاش کو سر سے جدا نہیں رکھتے

انیس بیچ کے جاں اپنی ہند سے نکلو
جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

مرثیہ

۱

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر آئے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

۲

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کونسا اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکہ سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

۳

برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمانِ پیر
گورے نہ اُن کے پاؤں نہ روئے مہِ منیر
لیکن نظر نہ آئے گا اُن کا کہیں نظیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر
پُرخوں قبائیں جسم سے سینے تنے ہوئے
پہونچے ریاضِ خلد میں دولہا بنے ہوئے

۴

رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنئ قمر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

۵

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
رخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود
دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
شیدائے آل شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہ دیں کو دُعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جِلا دے کے مر گئے

۶

تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
ذی قدر، ذی شعور، دلاور خجستہ کام
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

۷

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق وہ آب و تاب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
زہراؑ کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

۸

گُل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا یہ انفراغ
جعفرؑ کے لاڈلوں نے دئے شہ کے دل کو داغ
پامال ہو گیا حسنِؑ مجتبےٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے جنگ کرے یا بُکا کرے
جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

۹

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیر نر
نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسؑ نامور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

۱۰
پردے میں تھر ہے خبر مرگ نوجواں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں
رتی یہ تھرتھرا کے گرے شاہ انس و جاں
تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر الٹ پلٹ تھا امام حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

۱۱
غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت
دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائیں گے

۱۲
ہلتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلبیت شاہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ
صدمے سے حال زوجۂ عباسؑ تھا تباہ
ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ
غم تھے گرا تھا کوہِ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہؑ کے بین پر

۱۳
ماتم اِدھر تھا جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اِدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

۱۴
باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آیئے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھایئے
حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہایئے
آمادہ ہم تو دیر سے بہر ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

۱۵
کاٹے ہیں جس نے بازوئے لختِ دلِ امیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر
ہے خوب آبدار وہ شمشیر بے نظیر
ہرگز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اخیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی وہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

۱۶
صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں
رونے سے جی اٹھیں گے نہ عباسؑ نوجواں
اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
حضرت پکارتے ہیں کسے بھائی اب کہاں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجئے وہ شیر مر گیا

۱۷
اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام
کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کا یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

۱۸
ان کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اتو نمک یہ چھڑکتے ہیں

۱۹
عمو کو قتل کرکے بہت ہو گئے ہیں شیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب رن میں ہو گئے ڈھیر
ان ظالموں کے زعم میں اب ہے نہیں دلیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
مجمع ہے اس طرف ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یوں ہی سہی ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

۲۰
جوہر دکھائیں ہم کو بہادر ہیں جو بڑے
کیا لطف ہے جو ایک یہ نتول کے گر پڑے
تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں

۲۱
ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جان دردمند
کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

۲۲
گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منھ کو شاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشک ماہ
فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں رو سیاہ
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے کس طرح دیکھو گے باپ کو

۲۳
برہم نہ ہو تمھیں سر شبیر کی قسم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
پر امت نبی ہے بجز صبر کیا کروں

۲۴
یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکل مصطفٰے
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضرؑ کی حیات ملی گر تو موت ہے

۲۵
کیا پہلے سر کٹائے گا یا شاہِ زماں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

۲۶
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان بحر و بر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبرؑ بہ چشم تر
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

۲۷
چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے ہے آپ کے
بیٹا وہی جو رن میں کام آئے باپ کے

۲۸
انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

۲۹
بہرِ رسول رن کی رضا دیجیے مجھے
صدقہ علیؑ کا اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام جِلا دیجیے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبرؑ نثار ہو

۳۰
شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہو گے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

۳۱
راتیں یہ عیش کی ہیں مُرادوں کے ہیں یہ دن
پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمھارا سن
اکبرؑ تری جوانی پہ رو دیں گے انس و جن
کیوں کر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بِن
کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سید کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

۳۲
دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوں ہی کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اسے رخصتِ جدال
کیا جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

۳۳
تسلیم کر کے بولے علیؑ اکبرِ غیور
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور
برچھی لگا کے دل پہ خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

۳۴
ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
تم سے جو سَو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہردم خدا سے خیر کا ہوں میں اُمیدوار
ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا

۳۵
سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ
معلوم ہو گا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی زینبؑ بہ اشک و آہ
قدموں پہ گر کے آپ کی ماں ہو گی سدِّ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

۳۶
حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولھا بنے پسر
آئے دُلہن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے اک سوختہ جگر
نخلِ مُراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
ہردم یہی ہے ذکر جو فضلِ الٰہ ہو
اٹھارویں برس علیؑ اکبر کا بیاہ ہو

۳۷
ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہا اسی برس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا نہ اُن کا بس
مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس
شکوہ ہے چرخ کا نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

۳۸
روتے ہوئے چلے علیؑ اکبر سوئے خیام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی پہ آیا وہ نیک نام
کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آکے بالی سکینہؑ چمٹ گئی
زینبؑ بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

۳۹
ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گل عذار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
کھولو بس اب کمر کو مرا دل ہے بیقرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رُخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

۴۰
تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بیٹھ جاؤ
سونلا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہوا سے کچھ منھ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

۴۱
صغراؑ کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر
اکبرؑ نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر
جلدی کہو کہ منھ سے نکلتا ہے اب جگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النساءؑ کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

۴۲
اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں آہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سیاہ
تم بھی ہو سدِّ راہ پھوپھی بھی ہیں سدِّ راہ
اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

۴۳
دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس
اب غیر یاس کوئی نہیں ان کے آس پاس
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

۴۴
عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دم بہ دم
چلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیِ ستم
رُخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہؑ پہ ہم
سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

۴۵
بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ
راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
یا فاطمہؑ تمھیں علی اکبرؑ کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر ستمگر لعین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسینؑ پر

۴۶
دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابئ پسر
وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
دولت پہ فاطمہ کے تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لئے انھیں کب روکتی ہوں میں

۴۷
زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار
عابد نثار، اصغر تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار
قربان گھر، کنیز تصدق، پدر نثار
گھبرائی گو کہ ہوں پہ ہوں میں علی کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

۴۸
مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
رخصت کا صدقے جاؤ پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیزیں بنت امیر عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

۴۹
کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمہارے سب
لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب
لیجے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ نہ سید عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

۵۰
روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس
دیکھا کہ غش پڑی ہیں زمیں پر وہ حق شناس
زانوں پہ سر لیے ہوئے کبرا ہے بے حواس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس
اب تاب و طاقت جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو رضا علی اکبر کو مل گئی

۵۱
اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب
نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں محو ان کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

۵۲
یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم
ہے ہے وہ میرا درد مصیبت وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

۵۳
کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
روئیں پسر پہ ان کو رُلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

۵۴
ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خورد سال
پر ان کے آگے ان کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
ہنس کہتی تھی ہٹو علی اکبر ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

۵۵
چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا
دن رات تھی خوشامدِ ہم شکل مصطفا
پر عونؑ کیا عقیل تھا بخشے اُسے خدا
سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا
آقا کے نور عین ہیں عالی مقام ہیں
آقا یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

۵۶
رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر
الفت میں ان کی مجھ کو کچھ ان کی نہ تھی خبر
صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر
غافل نہ اُن کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا حمائل میں جان تھی

۵۷
میں نے انھیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبرؑ سا نونہال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

۵۸
بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار
اب کیا غرض گذر گئی وہ فصل وہ بہار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
ثابت ہوا ادھر سے ادھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

۵۹
باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے ہم کلام
سینے پہ ہاتھ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
بھابی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام
آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
خادم جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

۶۰
کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیٔ جناب
شکوہ یہ خاکسار کا اے بنتِ بوتراب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

۶۱
پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتا فلک گیا
کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

۶۲
مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام
بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک ہے ہم کو کام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منھ نہ کسی کو دکھائیں گے

۶۳
یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحالِ زار
بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
شکوے کے بدلے منھ سے یہ نکلا کہ میں نثار
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

۶۴
اے کربلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو
باتیں بھتیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو
صدقے ہے تم یہ جان ہماری خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
آئے بلا حسین پہ جو اس کو رد کرو
اچھا سدھارو دکھ میں پدر کی مدد کرو

۶۵
الفت کی جوش میں تو یہ منھ سے کہا مگر
اکبرؑ کو روتے دیکھ کر بولی وہ نوحہ گر
اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر
کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
ہیں رد کئے نہ پائی کہ وار انکا چل گیا
کیا میں نے کہد یا کہ کلیجہ نکل گیا

۶۶
کیا جاکے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال
ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال
بیہوش ہوں حواس ہیں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اس کا سند نہیں

۶۷
میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی ہے طلب
میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
اکبرؑ کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا اکبرؑ نے کیا کہا

۶۸
کیا کہہ دیا کہ مرنے کو جائے یہ گل بدن
بیخود ہوں جب سے رن میں سدھائے شہ زمن
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبرؑ کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں

۶۹
زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں
اٹھارواں برس ہے دلہن تو مجھے دکھائیں
اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں
پالا ہے ننھے پن سے مرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

۷۰
رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
گر سن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر
ایسا نہ ہو کہ بانوئے بےکس کو ہو خبر
پیارا ہوا نہ بنت علیؑ کو مرا پسر
سمجھیں تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینبؑ نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

۷۱
سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں
ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

۷۲
ماں کی نہ کم تو جی اور نہ کسی کا پیار
بلبل خدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار
غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
ریں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال پھر اسکی تو جان ہیں

۷۳
جس دم سُنے یہ دُور سے بانوئے سب کلام
آئی قریب حضرتِ زینبؑ وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

۷۴
لونڈی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں باوفا
ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گِلا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

۷۵
غم کھائیے نہ خونِ جگر آپ پیجیے
عابدؑ کو بھیج دیجیے اصغرؑ کو لیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے
قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

۷۶
گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
شِکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبرؑ کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج مجھے نہ جانیے ادنیٰ کنیز ہوں

۷۷
آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال
دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۷۸
قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا
اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا ابھی ہے خدا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں اُن پہ بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

۷۹
یہ سُن کے کانپنے لگی زینبؑ جگر فگار
آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں نثار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسینؑ کو

۸۰
آواز سُن کے کانپ گئی بنتِ مرتضیٰ
بانوؑ کے منھ کو دیکھ کے اکبرؑ سے یہ کہا
واری سدھارو خیر جو کچھ مرضیِ خدا
ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنتِ نبیؐ تمھاری سفارش کو آئی ہیں

۸۱
تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم بر چلا
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
چلاتی تھی پھوپھی مرا لختِ جگر چلا
لٹتے ہیں اہلِ بیت دہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

۸۲
بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بہ حالِ زار
اک حشر تھا جدا علیؑ اکبر جو ہوئے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغرؑ بھی روتے تھے

۸۳
ہلتا تھا خیمہ رانڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر پڑی
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

۸۴
نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نامدار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

۸۵
گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
تھا ثانیِ براق فلک سیر راہوار
گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

۸۶
حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر
آتا ہے اک جوانِ حسین غیرتِ قمر
جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
چہرہ پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

۸۷
ہے دھوم ذرّے ذرّے میں اس آفتاب کی
سر تا قدم ہے شانِ رسالت مآب کی
خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جنّ و ملک کا ہجوم ہے
صلّوا علی النبیؐ کی بیاباں میں دھوم ہے

۸۸
روشن کیا ہے روئے منوّر نے راہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
رُخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

۸۹
یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
چلّائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا
گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلّیِ طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

۹۰
غش ہو گیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
صلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نورِ حق کا نقطہ اوج موج تھا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا

۹۱
صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا
ذرّوں کو آفتاب درخشندہ کر دیا
جو مردہ دل تھے دم میں انھیں زندہ کر دیا
گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہو گیا
جلوے سے اوج کاہ کشاں پست ہو گیا

۹۲
اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان
تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حمزہؑ کا رعب، زورِ علیؑ، مصطفٰا کی شان
پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
شیرینیِ کلامِ حسنؑ بات بات میں

۹۳
کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب
وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن کی ضو میں طور تجلّیِ طور کے
سب عضو تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

۹۴
دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک
غرفوں سے جس کے حسن کی حوروں کو جھانک تاک
طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
یوسفؑ جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سَو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا

۹۵
کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف نہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نے عرب کی آنکھ
غصہ ستم کا، قہر کی چتون، غضب کی آنکھ
پانی تھا خوف جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

۹۶
غل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
حسنِ بہار، باغِ جوانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے یہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے دہن اس طریق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

۹۷
کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
قامت یہ ہے کہ سروِ گلستانِ اعتدال
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
ماں باپ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ غارت نہ ہوئے گی
بتلاؤ ماں کہ دل پہ قیامت نہ ہوئے گی

۹۸
زخمی جو ہو گی تیر سے یہ چاند سی جبیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسارِ نازنیں
پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوئے دل حزیں
پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منھ اپنا شاہِ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوب بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

۹۹
ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام
بس ہے یہی بساط شہنشاہِ خاص و عام
یہ وقت کارزار ہے اے ساکنانِ شام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
لوٹو جنابِ فاطمہ زہراؑ کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

تصویر مصطفیٰ کی مٹا دے گا آج جو محبوب کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے	۱۰۰	کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اُسے نہ دو دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہیں
دُنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر نم آب دیدہ ہو لبِ خشک اس کے دیکھ کر غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو	۱۰۱	ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر قطرہ نہ دو دل میں گھٹنیوں اصغرؑ بھی آئے گر اولاد مرتضےٰ میں کسی کا نشاں نہ ہو
ہاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو برچھی اُٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ	۱۰۲	نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسینؑ
چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے	۱۰۳	تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر نکلے گی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے
یہ گلِ عذار دخترِ حیدرؑ کی جان ہے بابا کی روح ہے تنِ مادر کی جان ہے جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا	۱۰۴	بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے بے جاں کرو اِسی کو یہ سب گھر کی جان ہے بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا
یہ سُن کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد غل سن کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپھی بلبلا گئی	۱۰۵	دردِ دلِ حسینؑ کا تھا ایک کو نہ درد کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد بدلی ستم کی دال علی اکبرؑ پہ چھا گئی
قرنا پھکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں	۱۰۶	باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جا بجا چلّائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا رانڈو دعا کرو علی اکبر اکیلے ہیں
لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے چومے قدم ہیبت نے جھک کر یہ جب بڑھے دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی	۱۰۷	تنہا اِدھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے گویا پئے جہاد امیرِ عربؑ بڑھے قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی
ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود تھرا گیا تمام جنودِ سقر ورود عبرت سپاہِ شام پہ دو چند ہو گئی	۱۰۸	گو تھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہو گئی

۱۰۹
جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ
چمکا ایک آئینہ کہ ہوئی فوج شام دنگ
صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ
دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

۱۱۰
تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گزر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صف اول کدھر گئی

۱۱۱
جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
پس دفعۂ سپاہ کا دفتر الٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بے کار ہو گئے

۱۱۲
چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی
جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوجِ شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیوں کر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

۱۱۳
ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر
پیش نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

۱۱۴
بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی
چار آئینہ کٹا زرہِ خیرہ سر کٹی
سینہ کٹا جگر ہوا زخمی سپر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب کے بعد منھ کو جو دیکھا تو صاف تھا

۱۱۵
وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک
شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک
کانپی کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

۱۱۶
سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن الٹ گئی
آ کر زمیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی
باقی تھی جتنی عمر تہِ تیغ کٹ گئی
بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منھ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

۱۱۷
ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
چلّے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

۱۱۸
چمکی گری اٹھی ادھر آئی اُدھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی
خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
بڑی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رود نیل میں بھی جزر و مد نہیں

۱۱۹
سر خود سروں کے چنبرِ گردوں سے اڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اڑ گئے
ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سر تن سے اڑ گئے
پائی جو راہ طائرِ جاں سن سے اڑ گئے
تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

۱۲۰
اللہ رے وہ آبِ تیغ دو دم کی کاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
آفت تھی جس کی باڑھ قیامت تھا جس کا گھاٹ
ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغز قلم جانتی تھی وہ

۱۲۱
آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
ہر اک کڑے کو نرم سمجھ کر چبا گئی
تن سے اڑا دیا وہی سر جس کو پا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئینہ کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

۱۲۲
یارا فرار کا تھا نہ صورت فرار کی
رومیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
ٹکڑے تھے ہاتھ دو کے یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

۱۲۳
اتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ کب چڑھی
دم بھر میں آبِ تیغ کی بڑی غضب چڑھی
سب کو بخار تیز سے لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

۱۲۴
زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی
بیدم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

۱۲۵
قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے
قبضہ میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
کھنچیں کے کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر سمت نہاد تیر اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

۱۲۶
تینوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لب جو پھینکنے لگے
مغفر سروں کے مثل سبو پھینکنے لگے
تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

۱۲۷
کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں
اُلجھاتے تھے کمند کھینے کمان میں
رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
ترکش میں تیغ رکھتے تھے خنجروں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منھ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

۱۲۸
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے
حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے
پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم سے عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

۱۲۹
دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
رستہ تھا ایک ادھر وہ گئے یا اُدھر گئے
اس گھاٹ پر جو آئے سر اُن کے اتر گئے
پھر پھر کے ہر طرف سے بیابان سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں پانی نے آگ میں

۱۳۰
وہ حرف وہ شکوہ وہ شانِ پیمبری
وہ تیغ خوں چکاں وہ جلالِ غضنفری
نعرے وہ زور و شور کے وہ ضرب حیدری
راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

۱۳۱
باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں
گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کروں
قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

۱۳۲
کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل
کیا خوش نما کشادگیِ سینہ و بغل
پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

۱۳۳
وہ جست خیز سرعتِ چالاک کی سمند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
ساچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
نازک مزاج و شوخ و سیہ جسم سر بلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

۱۳۴
آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
کبکِ دری خجل پرِ طاؤس پائمال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

۱۳۵
بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

۱۳۶
جب اُس جری نے قتل کیے پانچ سو جواں
چلّایا ابنِ سعد سیہ قلب و سخت جاں
ہر صف سے ہر پرے سے اُٹھا شور الاماں
نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اس ناتواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

۱۳۷
فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
برساؤ تیر دور سے جاؤ نہ اس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اُٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

۱۳۸
یہ سُن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
پتھر عقب سے پڑنے لگے روبروے تیر
سب سرخ تھے شبیہ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نور عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

۱۳۹
سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار
سر خاک پر گرانے لگی تیغ آبدار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ وہ رُخ اُن کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

۱۴۰
یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگے جواب
آمد ہوئی تھی غش کی سر پاک جھک گیا
وا حسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

۱۴۱
اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھراتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

۱۴۲
نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
قربانِ جرأتِ پسرِ شاہِ نامدار
ماری شقی کے دوڑ کے اک تیغ آبدار
پہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

۱۴۳
گرتا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز ہے ستم
رکھ دی گلے پہ شبث نے شمشیر تیز دم
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہرو کی لاش پر

۱۴۴
حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
ناگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب
سن کر یہ غل رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
بیٹا جہان سے جاتا ہے اب آئیے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور بدافعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

۱۴۵
سن کر یہ استغاثۂ فرزند خوش خصال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال
سیدنے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

۱۴۶
نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
گرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شر
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرا پسر
پردہ نہ مجھ سے کیجئے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

۱۴۷
بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہیں

۱۴۸
بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
اے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

۱۴۹
آؤں کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

۱۵۰
کچھ سوجھتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کے سمجھاؤں کیا کروں
اے نور چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
کیونکر پسر کو ڈھونڈھ کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

۱۵۱
بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جانِ ناتوان تنِ مجروح سے نکل
اے جسم زار زیست کا باقی نہیں محل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

۱۵۲
جنگل سے بے حواس پھرے نہر پر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے بر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہ رو ملا

۱۵۳
جاکر صفوں کے پاس پکارے باشک آہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہوگیا سیاہ
ہے کس طرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جاں ہے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

۱۵۴
لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر
کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شہر
کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

۱۵۵
یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار
چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
چلّائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

۱۵۶
ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشم نم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیرِ غم
ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
اکبرؑ کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ آفتاب مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے

۱۵۷
گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشم تر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسر نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

۱۵۸
دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجوان
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں
پیکاں گلے میں ہونٹ سے نکلی ہوئی زباں
گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

۱۵۹
ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں واکر کے چشم تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے جان جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

۱۶۰
دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ رہے یہ پیر جوان یوں جہاں سے جائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

۱۶۱
کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گل عذار
آنکھیں تو کھولدو کہ مرا دل ہے بے قرار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبرؑ تمھاری ماں نہ جئے گی فراق میں

۱۶۲
غش میں سنا جونہی علی اکبرؑ نے ماں کا نام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا بسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

۱۶۳
فرمایا شہ نے اے علی اکبرؑ میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں
پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمہاری ساقیِ کوثر مدد کریں

۱۶۴
حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

۱۶۵
لکھتا ہے ایک راویِ غمگینِ پر ملال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
گویا جنابِ سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
نکلی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

۱۶۶
چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے ابرِ شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے آسماں وہ عرش ہمارا ہے کس طرف
اے عرض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

۱۶۷
اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
بچے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
کیوں کر پھوپھی جگر کو سنبھالے کہاں ہے تو
اٹھارھواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

۱۶۸
ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں
صفدر جواں شکیل جواں نازنیں جواں
خوش رو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسیں جواں
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے سن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

۱۶۹
یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ نوحہ گر
سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے ادھر سے لاش لیے شاہِ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

۱۷۰
ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ مارو بکا کرو
ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
اکبرؑ جہاں سے اٹھ گئے پیارو بکا کرو
سمجھو شریک بزمِ شہِ مشرقین کو
دے نوجواں بیٹے کا پرسا حسینؑ کو

۱۷۱
اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیرؑ خوش نہاد
نے آج کی خبر ہے نہ ہے کل کا اعتماد
بیٹا جہاں سے اٹھ گیا ناشاد نامراد
خوش رو تھے خوش مزاج تھے شیریں بیان تھے
پیٹو جوانو اکبرؑ مہ رو جوان تھے

۱۷۲
ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا
واحیف وا دریغ دلاور بچھڑ گیا
فریاد ہے شبیہ پیمبرؐ بچھڑ گیا
دردا و حسرتا علی اکبرؑ بچھڑ گیا
مظلومیت میں تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے اس کی جوانی پہ روئیں گے

۱۷۳
آغا انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ
گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آنہ جائے آہ
بلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ
قربِ مزار شاہِ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرم نصیب ہو

سلام

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

علم خالق کا خزانہ ہے بیانِ کاف و نون
ایک کن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی ہنس کے موت
اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سُن لی پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اُٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

بود و نابود علی اصغرؑ کا کیا کیجئے بیاں
بے زباں دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے واحسرتا
موت لے آئی کہاں اُن کو کہاں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مشت استخواں پیدا ہوئے

رباعی

دم الفت حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہے کہاں صفاتِ ہم نامِ خدا
کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا منھ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا تیغوں سے عجب سرو رواں کٹ گیا آقا	مرثیہ ۱	قبضے کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا
بے چین کیا دل کو غم راحت جاں نے دنیا سے کیا کوچ عجب سرو رواں نے ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس	۲	کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے لوٹا یہ چمن فصل بہاری میں خزاں نے جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس
پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت بیوہ ہوئی اک شب کی دولھن وائے مصیبت تازہ تمھیں پھر بھائی کا غم ہو گیا آقا	۳	لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت بے شمع ہوئی قبر حسنؑ وائے مصیبت دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا
کیا کیا یورش فوج ستم دیکھ رہے ہیں دل کو تہ شمشیر دو دم دیکھ رہے ہیں دنیا غم نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے	۴	کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کیا جانے مرے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے
یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی	۵	قدموں سے دم مرگ جو لپٹا تھا یہ غم خوار عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی
تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے کچھ بس نہ چلا حکم شہنشاہِ امم سے قاسمؑ کے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم	۶	ٹپکا کیا چہرہ پہ لہو دیدۂ نم سے دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم
واللہ کہ قاسمؑ کی بھی تقدیر تھی کیا خوب سرسبز ہوا سید مسموم کا محبوب منھ زینبؑ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے	۷	سامان وہی ہو گیا جو تھا انھیں مطلوب اک ہم ہیں کہ بہنوں سے خجل بھائی سے محجوب بھاوج کے بھی پرسے کے لیے جا نہیں سکتے
سمجھے شہِ والا یہ کنایہ یہ اشارا ہم نے بھی تو صدمے سہے اور دم نہیں مارا یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا	۸	رو کر کہا کیا خواہش تقدیر سے چارا گودی کے پلے مر گئے گھر لٹ گیا سارا اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا
سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جاں سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آساں بھائی کی خوشی خلق میں سب کرتے ہیں بھائی	۹	بھائی میں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احساں ہم تم سے رضا رن کی طلب کرتے ہیں بھائی

١٠
بیتاب ہے دل پیار کریں ہم تمھیں آؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
داغِ غمِ فرزندِ جواں سہ نہ سکیں گے
اکبرؑ بھی کچھ اس امر میں پھر کہہ نہ سکیں گے

١١
تھرا گئے عباسِ علیؑ سُن کے یہ تقریر
آقا کے تصدق سے ملی ہے مجھے توقیر
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
بخشش تو کریموں ہی کا دستور ہے آقا
میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا

١٢
سر دینے کو موجود ہوں اے کل کے مددگار
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
جان دینے میں صرفہ ہے نہ حجت ہے نہ تکرار
تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بندِ علیؑ ہو
دو رَن کی اجازت تو یہ جانیں کہ سخی ہو

١٣
عباسؑ نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجیے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجیے
میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجیے
مشہور ہے جرار غلام آپ کا سب میں
عزت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

١٤
گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبدِ وفادار
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرار
فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمدِ مختار
مخدومۂ کونین خوشی ہوں گی کہ بیزار
ان قدموں کو چھوڑا ہے کبھی یاد تو کیجیے
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجیے

١٥
شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
کفنائیو زہراؑ کی ردا میں تنِ بے سر
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
رکھو تمھیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
سمجھائیو ناموسِ شہنشاہِ زمن کو
پُرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو

١٦
عباسؑ نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
عابدؑ کا گلا طوقِ گلوگیر میں دیکھیں

١٧
یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
اشک آنکھوں سے برسے صفتِ ابرِ بہاری
اچھا وہی ہووے گا جو مرضی ہو تمھاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے

١٨
یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
فضہ نے کہا زینبؑ دلگیر سے ناگاہ
عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
میدان سے آتے ہیں ادھر سیدِ ذی جاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

۱۹
زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فرمایا یہیں سمجھی سبب گریہ سرور
روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبیؐ کا
ساماں یہ ہے رخصتِ عباسؑ علیؑ کا

۱۰
یہ سن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبرؐ
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسؑ دلاور
بانوؑ علی اکبرؑ کے لیے ہو گئی مضطر
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
بولیں کہ یوں ہیں حال مرا غیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

۲۱
یہ کہہ کے چلی جانبِ در شاہ کی ہمشیر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرتِ شبیرؑ
کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبرؐ کی بلائیں
اک ہاتھ سے عباسؑ دلاور کی بلائیں

۲۲
خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا
بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
یہ روتے ہیں جوں جوں انھیں سمجھاتے ہیں بھینا
بھائی تو ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں بھینا

۲۳
بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم
مل جائے رضا اُن کی تقاضا یہ ہے ہر دم
مر جائے گا عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم
یہ غیظ ہیں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضے پہ علیؑ کے

۲۴
یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
ہے درپے آزار و جفا لشکرِ اعدا
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی اُن سے نہ ہو گا
اس وقت میں عباسؑ تمھیں چھوڑیں گے تنہا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

۲۵
دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
جرار و وفادار و مددگار و فدائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دوں گی

۲۶
ساتھ ان کے اگر آج نہیں یاورِ غمخوار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں مختار
میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ

۲۷
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
لے جا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ
زینبؑ نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
تم کو سرِ زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے شبیرؑ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائیں گے شبیرؑ

۲۸
عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانیِ زہراؑ
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہِ والا
مرجانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
رکتے نہ جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
مرجانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا

۲۹
خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
نے دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا
فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؑ کا جانا
جراروں کے سر جسم پہ محسن کے لیے ہیں
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

۳۰
آگے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبیرؑ
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر
صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
مرجاؤں میں اکبرؑ پہ جو تولے کوئی شمشیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظورِ نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

۳۱
روکو نہ مجھے سیدِ ابرار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرار کا صدقہ
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
دلواؤ رضا احمدِ مختار کا صدقہ
میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

۳۲
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا ہائے مقدر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور
دلواؤں میں بھائی سے رضا بھائی کو کیوں کر
جیتے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوئے گر
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے

۳۳
یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبؑ بے پر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر

۳۴
روتے ہیں کہ ہمچشموں میں اب ہوتا ہوں محجوب
خیر اب وہی کیجے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی بہ رضا ہیں
بندے کے تو سب امر محول بہ خدا ہیں

۳۵
فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
شبیرؑ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
لو داغ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے تمھیں وہ باغ مبارک
شبیرؑ کے سینے کے لیے داغ مبارک

۳۶
عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
بانوؑ نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
اس طرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی

۳۷
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
زینبؑ نے کہا آگئی ہے بو عاشقِ عباسؑ
او دے ہوئے جاتے تھے لب لعل یہ تھی پیاس
عباسؑ نے گودی میں لیا آ کے بصد یاس
بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگے منہ سے چچا کے

۳۸
عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لو گو دے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

۳۹
یہ سنتے ہی اس پیاسی میں اک جان سی آئی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبیرؑ کی جائی
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
میں رن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھارو
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو

۴۰
عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
اور آگے مری جان جو اللہ کو منظور
مشکیزہ بھرا اور ہوئے خرم و مسرور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
وعدہ کریں کیوں کر کہ بھروسا نہیں دم کا

۴۱
بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
ہرچند کہ بے آب مری زیست ہے مشکل
کیوں مشک انھیں دوں کہ نہ دوں اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
حضرتؑ نے سنیں حضرت عباسؑ کی باتیں
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

۴۲
بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ذی جاہ
پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
تم پیاسی ہو کس طرح تمھیں منع کروں آہ
دو مشک انھیں خیر جو کچھ مرضیِ اللہ
کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سکینہؑ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہؑ

۴۳
یہ سن کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصد غم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

۴۴
مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
ہاتھوں پہ خدا ہونے کو فیض و کرم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

۴۵
جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادمِ درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وجد ہو یہ حال ہے میرا
عزت نے کہا اوج پہ اقبال ہے میرا

۴۶
استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
تھا متصل برج شرف نیّر اعظم
دونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اس دم
عالم میں نظر آنے لگا نور کا عالم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکر میں پڑے تھے
گویا کہ علیؑ عرش کے پہلو میں کھڑے تھے

۴۷
اسواریٔ غم خوار امام زمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گل یاسمن آئی
یا بادِ صبا نازسے سوئے چمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلھن آئی
آمد درِ دولت پہ ہوئی کبک دری کی
مرغانِ چمن بھول گئے چال پری کی

۴۸
گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ فلک جاہ
جاسوس نے دی جاکے خبر فوج کو ناگاہ
روحِ اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
اس سج کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدر میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

۴۹
داؤدی زرہ ہے اسی انداز سے بر میں
غصہ وہی چتون وہی ہے رعب نظر میں
ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
برپا تھی قیامت شہ ذی جاہ کے گھر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شبیرؑ
ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیرؑ

۵۰
جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا
بپھرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
جرّار وفادار دلاور نظر آیا
سب فوج کو نورِ رخِ حیدرؑ نظر آیا
گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہے خدا کی
دی خاک کے ذروں نے صدا صلِّ علیٰ کی

۵۱
غازی کی وہ شوکت وہ شکوہ علم نور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزیٔ افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریمؑ کی طرح چاک پھریرا

۵۲
زرریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند
تھی اس کی ضیا آئینۂ مہر سے دہ چند
یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوج ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حور کھڑی تھی

۵۳
اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی
پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی
تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
دامن جو کھلا رنگ زمیں ہو گیا کاہی
سبزیٔ چمن سرخیٔ رنگِ شہِ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

۵۴
غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
زرریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا مہِ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

۵۵
ناگاہ بڑھے حضرتِ عباسؑ فلک جاہ
اشعار رجز تھے کہ چلی سیف ید اللہ
ذروں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے روباہ
دم بند تھے وحشت سے فصیحانِ جہاں کے
کہتی تھی فصاحت کہ نثار ایسی زباں کے

۵۶
نعرہ تھا کہ میں شیر نیستانِ علیؑ ہوں
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
جرار ہوں صفدر ہوں شجاعِ ازلی ہوں
میں جوشنِ بازوئے ولی ابنِ ولی ہوں
گھر ہے وہ ملک برجِ شرف کہتے ہیں جس کو
بیشہ ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو

۵۷
پڑھ کر یہ رجز میان سے لی تیغ جری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبک دری نے
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیمِ سحری نے
اڑ کر گیا اور بھر کے طرارہ نکل آیا
تلواروں کے جنگل سے چکارہ نکل آیا

۵۸
گھوڑے کو ادھر سے جو پلٹ کر ادھر آئے
گویا کہ علیؑ لشکر ہیجاں میں در آئے
یوں آئے کہ روباہوں پہ جوں شیر نر آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے پیہم نظر آئے
تلوار رکی بجلی جو گری کوند کے رن میں
آخر صفِ اول ہوئی اک چشم زدن میں

۵۹
اس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی پہ جب آئے
غل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
معلوم ہوا شیر کے پنجہ میں سب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برقِ غضب آئے
جھونکا جو چلا سر سرِ شمشیر کا سن سے
ڈھالیں تو اٹھی رہ گئیں سر اڑ گئے تن سے

۶۰
میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
خود امن نے گھبرا کے اماں مانگو پکارا
راحت نے کہا غیر فرار اب نہیں چارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستہ نہ ملے گا

۶۱
شمشیرِ علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
بنتیں ہیں دو پارہ کہ قلم سیف زباں ہے
چار آئینہ کیا یہ مہِ نو ہے وہ کتاں ہے
کیا قبضے سے اس برقِ جہاں سیر کے نکلے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے

۶۲
بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
چار آئینہ کیا قلعہ آہن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سن سے نکل جائے
جب تک نہ کساؤ کبھی جھکتے نہیں دیکھا
ہاں سیل رکی پر اسے رکتے نہیں دیکھا

۶۳
خاک اڑ گئی اس صف کی جدھر سن سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
خود و سر و رو کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ
تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

۶۴
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیل فنا تھی
بجلی تھی کٹاری تھی قزولی تھی قضا تھی
تشنہ تھا وہ ظالم کے لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی ناگ نکالی تھی پری نے

۶۵
کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اس کا
تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اس کا
قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اس کا
چلتی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اس کا
ہے صاحب جوہر کا محل چرخ بریں پر
رکھا ہے مہ نے کبھی پاؤں زمیں پر

۶۶
غل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
پھر گیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

۶۷
دشمن کو ہوا لگ گئی اس کی جو قضا را
گھاٹ اس کا نہ تھا بحر فنا کا تھا کنارا
سمجھا وہ کہ شہپر ملک الموت نے مارا
بے تن سے سر اترے ہوئے مشکل تھا اتارا
دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اس کے
ابھری نہ کوئی کشتیٔ تن گھاٹ سے اس کے

۶۸
وہ برق ہے جو خرمنِ ہستی کو جلا دے
وہ شعلہ ہے جو تیغ دو دستی کو جلا دے
وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے
ہے دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بری ہے

۶۹
اک آفت نو لشکر سفاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
دو ہو گیا جس ظالم ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دودم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

۷۰
سالم صفِ ہیجا میں کسی صف کو نہ چھوڑا
جوشن کو کمربند کو بکتر کو نہ چھوڑا
سر کیا ہے کہ بے دو کیے پیکر کو نہ چھوڑا
چار آئینہ کو ڈھال کو مغفر کو نہ چھوڑا
لوہے کے چبانے کی صدا بھا گئی اس کو
جس چیز پہ منہ ڈال دیا کھا گئی اس کو

۷۱
لڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
تھا دست مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار
دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

۷۲
گو پیاس سے تڑپا دلِ عباس خوش اطوار
اس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
بھولے نہ مگر تشنگی سید ابرار
پانی سے اٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

۷۳
ڈھیلی کی لگام اس کی کئی بار یہ کہہ کر
کی عرض کہ اے سختِ دلِ ساقیِ کوثر
تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہوئے گا میسر
دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبرؐ
پانی پئے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیّد ابرار کا گھوڑا

۷۴
یہ سن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُرنم
منہ باندھ کے تسمے سے رکھا دوش پہ جس دم
پر آب کیا مشک سکینہؑ کو بصد غم
کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

۷۵
کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
ہرچند کہ دو روز سے پانی نہیں پایا
لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کے پلا ہوں
جس حال سے آیا تھا اسی طرح چلا ہوں

۷۶
یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسؑ فلک جاہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
جاری تھا زباں پر کہ توکلت علی اللہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اس نہر میں مر جائیں گے عباسؑ

۷۷
ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر
تھے گھاٹ کو روکے ہوئے تلواروں سے بے پیر
ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے چلے تیر
عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتا تھا ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

۷۸
لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہمکو نہ روکا

۷۹
یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی
زخم تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی
لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکم خدا روکے تو روکے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

۸۰
یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور
پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
لو جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

۸۱
دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا
جو بھاگ گئے تھے ان لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا
وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

۸۲ لکھا ہے کہ ایک تھا بن ورقہ ستم آرا
بے دست ہوا حیدرِ کرار کا پیارا
یہ تیغ اس کی لگی دوش مبارک پہ قضارا
احمد کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جرأت سقائے حرم کو
تادیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو

۸۳ جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علم شاہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ
کس یاس سے عباسؑ علمدار نے کی آہ
دونوں نہ رہے دست جگر بند ید اللہ
تیروں کی تو بوچھار ہوئی چھن گئے عباسؑ
بازو جو کٹے سرو رواں بن گئے عباسؑ

۸۴ یاں کی تو یہ صورت تھی سنو حال اُدھر کا
عریاں ہے سر فاطمہؑ زہراؑ کے پسر کا
سب گھر تہ و بالا ہے شہ جن و بشر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاع ازلی کے
کانوں میں صدا آتی ہے رونے کی علیؑ کے

۸۵ مجمع حرم شاہ کا ہے خیمے کے در پر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسؑ دلاور
سیدانیاں سب پیٹتی ہیں کھولے ہوئے سر
فرزند تو ہے گود میں سر پر نہیں چادر
بانہیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچے
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچے

۸۶ غش ہے کوئی ساماں عزا کرتی ہے کوئی
تسبیح لیے ذکر خدا کرتی ہے کوئی
ششدر کوئی بی بی ہے بکا کرتی ہے کوئی
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتی ہے کوئی
دُکھ پہونچے نہ کچھ بازوئے شاہ شہدا کو
یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

۸۷ زینبؑ کا یہ نقشہ ہے کہ چادر نہیں سر پر
چھائی ہے اداسی شہ مظلوم کے گھر پر
گہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چلتی ہے چھری پیاس کی بچوں کے جگر پر
صدمہ یہ ہے کچھ کہہ نہیں سکتی ہے سکینہؑ
اک اک کا منہ یاس سے تکتی ہے سکینہؑ

۸۸ کہتی ہے کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مل کر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقدر
میرے لیے مجروح ہوا اُن کا برادر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
کیوں بیبیوں تم نے مری تقدیر کو دیکھا

۸۹ میں کس سے کہوں کون ہے جو نہر پہ جائے
کس کام کا پانی ہے جو وہ پھر کے نہ آئے
للہ چچا کو کوئی میدان سے لائے
جان آئے بدن میں جو سکینہؑ انھیں پائے
کہہ دے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو

۹۰ یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج سے اک بار
اب پائیں گے شبیرؑ کہاں ایسا مددگار
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
مارا اسے کیا قتل ہوئے حیدر کرار
کم ہو گیا زور آج امام ازلی کا
کٹتا ہے گلا حضرت عباسؑ علیؑ کا

۹۱
اس شور کے ساتھ آئی صدا طبل ظفر کی
اٹھے شہ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے زینبؑ کو خبر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ ادھر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے
ہلتا تھا کلس خیمے کا ہے ہے کی صدا سے

۹۲
میداں میں عجب حال سے پہونچے شہ ذی جاہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جانکاہ
اشک آنکھوں میں اور ہاتھوں میں شمشیر ید اللہ
نے پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں
ہم شکل نبیؐ دست پدر تھامے ہوئے ہیں

۹۳
گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہ ابرار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار
دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
غل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیر جواں کا

۹۴
اکبرؑ نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
عباسؑ نے آواز حزیں اپنی سنائی
شبیرؑ پکارے مرے بھائی مرے بھائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہیں جدا بہر سلام اٹھ نہیں سکتا
تن چور ہے ایسا کہ غلام اٹھ نہیں سکتا

۹۵
شبیرؑ پکارے ترے قربان برادر
سانوشت برادر مرے ذی شان برادر
طاقت مری پیری کی مری جان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمھارا
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمھارا

۹۶
پانی کے لیے واہ کمر بھائی کی توڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپ نے موڑی
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
اٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مزہ تھا
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزہ تھا

۹۷
یہ کہتے تھے جو لاشۂ پرخوں نظر آیا
شانوں سے رواں خون کا جیحوں نظر آیا
تلواروں سے ٹکڑے قد موزوں نظر آیا
رنگ گل رخسار دگرگوں نظر آیا
دم توڑتے تھے شیر سے لپٹے ہوئے رن میں
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں

۹۸
شاہ شہدا لاش علمدار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا شہ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

۹۹
چلاتے تھے اے بھائی کی پیری کے سہارے
اے باپ کے محبوب پسر بھائی کے پیارے
اے شیر جواں یار وفادار ہمارے
اب خلق سے جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
تھا میری ضعیفی کا عصا ہاتھ تمھارا
آج اٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمھارا

۱۰۰
جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی ۔ معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جدائی
تھی یاد حسنؑ کی تری الفت نے بھلائی ۔ گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی ۔ یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

۱۰۱
یہ سن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری ۔ شہ نے کہا روتے ہو عزیزی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچتی تھیں ساری ۔ بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
بوسے قدم شاہ پہ دینے لگے عباسؑ ۔ صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

۱۰۲
کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمہ جانکاہ ۔ کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ ۔ بولے دمِ آخر کہ نثارِ شہِ ذی جاہ
روتے رہے شاہِ شہدا مر گیا بھائی ۔ آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی

۱۰۳
خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار ۔ کافی ہے رلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار ۔ فیاض ہے لیکن شہ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا ۔ کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رباعی

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا ۔ جوہر معدن میں در صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں کرو دفن اُسے ۔ جو عاشق حیدرؑ ہے نجف میں ہوگا

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے ۔ پیری میں بہ شکل نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہی جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر ۔ خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

اے تیغِ زباں جوہرِ تقدیر دکھا دے اے ذہنِ رسا نطق کی توقیر دکھا دے	مرثیہ ۱	اے دستِ قلم قوتِ تحریر دکھا دے اے حسنِ بیاں نور کی تصویر دکھا دے
صحبت ہے عجب گرم ہے دربارِ حسینؑ		سب بزم ہے مشتاق علمدارِ حسینؑ
عباسؑ علیؑ اخترِ اقبالِ علیؑ ہے نقشہ ہے کہ آئینۂ تمثالِ علیؑ ہے	۲	شوکت سے عیاں حشمت و اجلالِ علیؑ ہے صورت ہے کہ تصویرِ خط و خالِ علیؑ ہے
کس باپ نے آفاق میں پایا خلف ایسا		خاتم پہ جہاں کے نہیں درِّ نجف ایسا
سیافِ غزا سروِ وغا صفدر جرار ذریتِ محبوبِ الٰہی کا مددگار	۳	ساونت اولوالعزم جواں مرد وفادار لڑنے میں کبھی شہ کی سپر اور کبھی تلوار
ٹھہرا ہو نہ کیوں بازوئے شاہِ شہدا کا		فرزند زبردست ہے وہ شیرِ خدا کا
دریا دل و دیں پرور و ذی رتبہ و ذی جاہ وہ شیر کہ اک دم میں الٹ دے صفِ جنگاہ	۴	شمشیرِ خدا بازوئے فرزندِ ید اللہ مانند علیؑ سارے محبوں کا ہوا خواہ
احسان و کرم خلق میں کس پر نہیں اس کا		اقبال و حشم میں کوئی ہمسر نہیں اُس کا
شمشاد خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی سقائے یتیمانِ حرم ہے وہ بہشتی	۵	تاج سرِ اربابِ ہمم ہے وہ بہشتی پیاسا ہے مگر بحرِ کرم ہے وہ بہشتی
شرمندہ نیستاں شہِ مرداں کے پسر سے		بھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے
گو دور ہیں پر اپنے غلاموں کا ہے کیا پاس آتی ہے صدا دل سے کہ یا حضرتِ عباسؑ	۶	جس وقت کہ ہوتا ہے ہجومِ الم و یاس ہو جاتا ہے وہ امر کبھی جس کی نہ ہو آس
مانا کہ امامت سے وہ ممتاز نہیں ہے		بتلاؤ یہ پھر کیا ہے جو اعجاز نہیں ہے
اللہ رے سروِ چمنِ فاطمہؑ کا پیار گردن کو رہا طوقِ غلامی سے سروکار	۷	قمری کی طرح عشق کے دم بھرتے ہیں ہر بار تھے عاشقِ شمعِ قد و رنگِ گلِ رخسار
چھوڑا نہ کبھی ابنِ شہنشاہِ عرب کو		بلبل تھے اگر دن کو تو پروانہ تھے شب کو
عاشور کو جب رن میں صف آرا ہوئے بے پیر سب برچھیاں سیدھی ہوئیں چلّوں سے ملے تیر	۸	خوں ریزیِ سادات کی ہونے لگی تدبیر نیزے پہ جو نیزے تھے تو شمشیر پہ شمشیر
تیغیں جو کھنچیں برق بھی شرما گئی رن میں		ڈھالوں کی سیاہی سے گھٹا چھا گئی رن میں
تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے رن میں صف آرا عباسؑ سے کرتا تھا یہ ایک ایک اشارا	۹	آنکھ اُن سے ملانے کا نہ تھا شیر کو یارا ہو حکم تو لے لیں ابھی دریا کا کنارا
سو جاں سے نثارِ خلفِ شاہِ نجف ہیں		ڈرتے نہیں مرنے سے کہ ہم حق کی طرف ہیں

۱۰ تھے قلب میں لشکر کے شہِ بےکس و بےآس
ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ تھے چپ و راس
لختِ دلِ زینبؑ تھے ستاروں کی طرح پاس
اور آگے علم کھولے ہوئے حضرتِ عباسؑ
سب بھائی بھی تولے ہوئے شمشیر کھڑے تھے
ایک شیر کے پہلو میں کئی شیر کھڑے تھے

۱۱ جب دوپہر آئی تو قیامت یہ ہوئی آہ
ہمشیر کے پرسے کو چلے تھے شہِ ذی جاہ
زینبؑ کی کمائی پہ زوال آ گیا ناگاہ
جو رن میں ہوا شور کہ مارا گیا نوشاہ
زہراؑ کی بہو گھر سے کھلے سر نکل آئی
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے باہر نکل آئی

۱۲ چلّاتی تھی کھیتی ہوئی بجھ رانڈ کی پامال
روتے تھے حسینؑ آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
اک شب کی دولہن چھوڑ گیا ہائے مرا لال
تھا غیض سے عباسؑ دلاور کا عجب حال
منہ سرخ تھا اور اشک بھی آنکھوں میں بھرے تھے
جھنجھلائے ہوئے ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

۱۳ تکتے تھے سوئے فوج مخالف صفتِ شیر
تھا غم سے بھتیجے کے جہاں آنکھوں میں اندھیر
رہ جاتے تھے ہر صف کی طرف تول کے شمشیر
کہتے تھے کہ مرجانے میں کی ہم نے بڑی دیر
پہلے ہی نہ کیوں اٹھ گئے ہستی کے چمن سے
نادم کیا قسمت نے حسینؑ اور حسنؑ سے

۱۴ لٹتے ہوئے شادی کے چمن دیکھ چکے ہم
ٹکڑے ہوا دولہا کا بدن دیکھ چکے ہم
پامال خزاں باغِ حسنؑ دیکھ چکے ہم
بیوہ ہوئی اک شب کی دولہن دیکھ چکے ہم
دشمن کو بھی یہ داغ نہ تقدیر دکھائے
اب دیکھیں ہمیں کیا فلکِ پیر دکھائے

۱۵ اس ہاتھ سے اس تیغ کے مالک شہِ دلگیر
ہم قید ہوں شاید ہے یہی مرضیِ شبیرؑ
قبضہ بھی نہ اپنا ہو تو بےکار ہے شمشیر
کچھ زور نہیں خیر پہن لیویں گے زنجیر
ہے نام سے مطلب نہ شجاعت سے غرض ہے
ہم کو فقط آقا کی اطاعت سے غرض ہے

۱۶ ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثالِ اسد اللہ
شاید کہ ہوئی ختم سپاہِ شہِ ذی جاہ
باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ
تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں
ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

۱۷ سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرِ کرارؑ
جو لشکرِ اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیلِ فنا خوں میں ڈبا جائے گی سب کو
حیدر کی لڑائی نظر آجائے گی سب کو

۱۸ یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یک بار
سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

۱۹
شہزادۂ عالم کی سُنی آپ نے تقریر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر
ہے پہلے علمدار سے مر جانے کی تدبیر
واللہ انھیں رو کیے یا حضرت شبیرؑ
موقع ابھی مرنے کا نہیں ان کے لیے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لیے ہے

۲۰
میداں میں یہ مرنے کے لیے جائیں میں دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں میں دیکھوں
تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں
شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کے پسر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا
یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا

۲۱
شہ بولے ہمیں شاق ہے دونوں کی جدائی
پاؤ گے کہاں تم نے اگر جان گنوائی
گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
فرزند تو ممکن ہے یہ ملتا نہیں بھائی
اصغرؑ ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

۲۲
جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے
جب تم کو جوان حق نے کیا اے مرے پیارے
واللہ کہ جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
زور آگیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمھیں دل کی تمھیں طاقت ہو جگر کی
کیونکر تمھیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی

۲۳
ہوتا ہے بڑا بھائی کو بھائی سے سہارا
چھوڑا نہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا
بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر جلد کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

۲۴
مرنے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہو تو جائیں
گر ان کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رُلائیں
ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
جنت میں پہونچکر کہیں راحت بھی تو پائیں
دو دن سے مرے ساتھ گرفتار محن ہیں
اب ان کو نہ روکو یہ بہت تشنہ دہن ہیں

۲۵
سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؑ
پیچھے وہ رہے ہوئے علم فوج کا جس پاس
کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی تھی
زہراؑ سے خجالت مری قسمت میں لکھی تھی

۲۶
فرمائیں گے عباسؑ نے جان اپنی بچائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی
یہ کون کہے گا کہ رضا رن کی نہ پائی
اچھا علی اکبرؑ کی بھی دیکھیں گے جُدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں میرے لیے موت ہے آقا

۲۷
تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہر دریائے صداقت
غیروں نے کیا سر سے ادا حقِ رفاقت
اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیر دو دم بھی انھیں دیجے
رخصت جنھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجے

۲۸

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام
لشکر کا نشاں پا کے بھی قسمت میں نہ تھا نام
اب ہے نجف اور گریۂ و زاری سحر و شام
افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

۲۹

رونے لگے سن کر یہ سخن سید ابرار
تم جان ہو پھر جان کی رخصت تو ہے دشوار
فرمایا کہ آزردہ ہوئے اب مرے غمخوار
تم سے تو زیادہ علی اکبرؑ کا نہیں پیار
روکیں گے انھیں ہم جو ملال اس کا ہے بھائی
ہم کس کے ہیں بھائی یہ علم کس کا ہے بھائی

۳۰

گھٹتا ہے لہو بھائی کا آنسو نہ بہاؤ
کیوں روٹھ گئے پیار کریں ہم تمھیں آؤ
تم کو یہ مناسب ہے کہ بے کس کو رلاؤ
اکبرؑ نہیں اب جائیں گے اچھا تمھیں جاؤ
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہیں
کچھ پیش و پس اتنا نہیں ہم بھی سفری ہیں

۳۱

تم بن ہمیں ممکن ہے کہ ہو زیست گوارا
تم رن میں ہوئے قتل کہ سر ہم نے بھی وارا
نہ صبر کی طاقت ہے نہ اب رونے کا یارا
اپنی بھی وہی راہ جدھر قصد تمھارا
الفت کے طریقے سے نہ منہ موڑیں گے بھائی
تم چھوڑ دو ہمیں ہم نہ تمھیں چھوڑیں گے بھائی

۳۲

آقا نے جو الفت کی یہ تقریر سنائی
جھک کر قدمِ شاہ پہ کی عرض کہ بھائی
سرخی سی رخِ حضرت عباسؑ پہ چھائی
عزت انھیں قدموں کے تصدق سے ہے پائی
تھا میں متر صدا سی امیہ کا آقا
ذرہ کو دیا مرتبہ خورشید کا آقا

۳۳

میں کیا تھا مجھے خاک سے حضرت نے کیا پاک
پایا ہے کسی نے بھی یہ رتبہ نہ افلاک
ورنہ مرا دوش اور نشانِ شہِ لولاک
ہاں کون سی نسبت ہے کہاں نور کہاں خاک
جو بے سر و ساماں ہو یہ ساماں اسے مل جائے
اک مور جو ہو تخت سلیماں اسے مل جائے

۳۴

میرے لیے جو کچھ ہے سو آقا کی بدولت
ہے جلوہ گری طور کی موسیٰ کی بدولت
گوہر جو یہ پائیں ہیں سو دریا کی بدولت
ادنی بھی چمک جاتا ہے اعلی کی بدولت
جان آئی ہے مردوں میں مسیحا کے قدم سے
ہوتے ہیں ہرے خشک شجر ابر کرم سے

۳۵

جب لعل نے حیدر کے یہ کی عجز کی تقریر
فرمایا کہ محجوب ہوں میں بے کس و دلگیر
اس وقت گہربار ہوئے دیدۂ شبیرؑ
کیا میں نے دیا حق نے عطا کی تمھیں توقیر
بخشی جو یہ خدمت علم خیر بشر کی
احسان مرا کیا تھا وصیت تھی پدر کی

۳۶

دنیا میں کسی دن تمھیں راحت نہ ملی آہ
اللہ و پیمبر مری غربت سے ہیں آگاہ
پیاسے رہے فاقے کیے تم نے مرے ہمراہ
بابا سے شکایت نہ مری کیجیو للہ
بچپن سے مرے ساتھ تمھیں عشق دلی ہے
راحت کسی بے کس کی رفاقت میں ملی ہے

۳۷
سُن سُن کے یہ تقریر شہِ بے کس و بے آس
ناگاہ سکینہؑ نے پکارا یہ بصد یاس
رویا کئے گردن کو جھکائے ہوئے عباسؑ
کیا کرتے ہو عباسؑ چچا آؤ مرے پاس
جلتا ہے کلیجہ مرا پانی مجھے لا دو
اے ساقیِ کوثر کے پسر پیاس بجھا دو

۳۸
اب اینٹھی ہی جاتی ہے زباں پیاس کے مارے
پہونچو مری فریاد کو صدقے میں تمہارے
دم ہونٹوں پہ ہے موت کے آثار ہیں سارے
گودی میں مجھے لے چلو دریا کے کنارے
بے خبری سب لوگ ہیں کیا لشکرِ شر میں
پانی جو نہ دیں گے تو چلی آؤں گی گھر میں

۳۹
منہ تکنے لگے شاہ کا عباسؑ دلاور
تکتے ہیں کھڑے راہ درِ خلد یہ حیدرؑ
رو کر شہِ بے کس نے کہا جاؤ برادر
کوثر کی سبیل اس سے نہ ہوگی کوئی بہتر
حاصل ہے وہ جو کچھ تمہیں مطلوب ہے بھائی
سقائی بہشتی کے لیے خوب ہے بھائی

۴۰
عاشق ہیں سکینہؑ کے جو عباسِ علمدار
لپٹا کے گلے خوب بھتیجی کو کیا پیار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے خیمے کے یکبار
دکھلا کے زباں خشک یہ بولی وہ دل افگار
ہوئے گا یہ عالم نہ کسی تشنہ دہاں کا
تم حال تو دیکھو مری ننھی سی زباں کا

۴۱
عباسؑ نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مری جاں
ہیں قاتلِ سادات وہ ہم جن کے ہیں مہماں
تم تین شب و روز سے پیاسی ہو میں قرباں
ہو جاتا ہے اب پانی کے ملنے کا بھی ساماں
شرم آتی ہے تم کو تو نہ دے جائیں گے بی بی
ہم نہر سے مشکیزے کو بھر لائیں گے بی بی

۴۲
وہ بولی مجھے لیتے چلو صدقے میں تم پر
تم فاطمہؑ کی پوتی ہو شبیرؑ کی دختر
عباسؑ یہ بولے کہ خفا ہوں گے برادر
شہزادیاں پردے سے نکلتی نہیں باہر
لونڈی تلک اس گھر کی کھلے سر نہیں نکلی
فضہ کبھی بے مقنع و چادر نہیں نکلی

۴۳
یہ سنتے ہی دی مشک سکینہؑ نے چچا کو
یہ روئے کہ غش آگیا شاہِ شہدا کو
حاصل ہوئی رخصت خلفِ شیرِ خدا کو
غل تھا کہ چلے حضرتِ عباسؑ وغا کو
گھوڑے پہ چڑھے کھینچ کے اک آہ جگر سے
اکبرؑ کو صدا دی کہ خبردار پدر سے

۴۴
کی عرض جنابِ علی اکبرؑ نے بصد یاس
ساتھ آپ کے آؤں کہ میں حضرت کے رہوں پاس
اس داغ سے بابا کے بھی جینے کی نہیں آس
تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کہنے لگے عباسؑ
عمو کی عبث فکر ہے بابا کو نہ چھوڑو
اس وقت میں تنہا مرے آقا کو نہ چھوڑو

مطلع دوم
۴۵
میداں میں عباسؑ دلاور کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد
ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
یہ اور کی آمد نہیں حیدرؑ کی ہے آمد
اک دم میں الٹ دے گا ورق فوج کی صف کا
رخ ہے سوئے دریا خلفِ شاہِ نجف کا

۴۶ غمخوار امامِ زمن آتا ہے خبردار
لڑنے کو بڑا تیغ زن آتا ہے خبردار
بازوئے حسینؑ و حسنؑ آتا ہے خبردار
ابنِ شہِ خیبر شکن آتا ہے خبردار
غصے میں ہے غازی نہ اجل سر سے ٹلے گی
کانپے گی زمیں آج وہ تلوار چلے گی

۴۷ دامن سرِ غازی پہ لٹکتا ہے علم کا
ہر گام پہ اقبال چمکتا ہے علم کا
خورشید بھی منہ رشک سے تکتا ہے علم کا
بجلی نہیں پنجہ یہ چمکتا ہے علم کا
کس جنگ میں ایسے علم نور کھلے ہیں
پرچم نہ کہو موئے سرِ حور کھلے ہیں

۴۸ کس شان سے اڑتا ہوا آتا ہے پھریرا
لہرا کے سرِ عرش پہ جاتا ہے پھریرا
طوبیٰ کو عروج اپنا دکھاتا ہے پھریرا
ساتھ اپنے ہوا خلد کی لاتا ہے پھریرا
ایسی کوئی جنت میں رواں نہر نہ ہوگی
سرچشمۂ کوثر میں بھی یہ لہر نہ ہوگی

۴۹ لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ غازی نظر آیا
بازوئے شہنشاہِ حجازی نظر آیا
دیں پرور و ابرار و نمازی نظر آیا
بجلی سا تڑپتا ہوا تازی نظر آیا
لرزہ ہوا اندامِ شجاعانِ عرب کو
آمدِ اسد اللہ کی یاد آگئی سب کو

۵۰ دیکھا جو علم رفعتِ طوبیٰ نظر آئی
تابندگیٔ برقِ تجلی نظر آئی
پنجے میں ضیائے یدِ بیضا نظر آئی
کوسوں وہ زمیں نور کا دریا نظر آئی
سائے نے سماں دشت پہ نایاب دکھایا
خورشید کو لطفِ شبِ مہتاب دکھایا

۵۱ چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
ذروں نے ستاروں کی چمک رن میں دکھائی
غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخِ بریں پر
نقشِ سمِ توسن مہِ کامل تھی زمیں پر

۵۲ جادہ کو یہ دعویٰ تھا کہ میں کاہکشاں ہوں
پلہ مرا بھاری ہے کہ رتبہ میں گراں ہوں
کہتی تھی زمیں نازکہ میں نور فشاں ہوں
فرزندِ علیؑ جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتر ہیں وہاں ایک قمر ہے

۵۳ استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشم ذی قدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر
دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
ایک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

۵۴ پیشانی پر نور سے ہے رن میں اجالا
ابرو ہیں کہ سرتیز سروہی کا ہے بالا
گرد و خطِ رخسار وہ مہتاب میں ہالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے اڑیں ہوش نہ کیوں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی پہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیوں کر نہ مہ و خور سحر و شام	۵۵	ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رخِ گل فام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام		ہے سبب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شاں ہے		یہ حسنِ علمدار کے لشکر کا نشاں ہے
اک جا تو مناسب نہ تھے دو مردمِ بیمار	۵۶	صانع نے اٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
اک شاخ ہے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار		یا یہ الفِ ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے		گویا ورقِ زر پہ کلی گل کی دھری ہے
یاقوت لبِ سرخ ہیں دنداں دُرِ مکنوں	۵۷	دیکھے سے عقیقِ جگری کا بھی ہے دل خوں
کس چیز سے نسبت دہنِ تنگ کو میں دوں		نایاب ہے عنقا کی طرح طائرِ مضمون
حال ان کا نزاکت سے کھلے گا نہ کھلا ہے		یاں بابِ سخن بند ہی رکھئے تو بجا ہے
آتی ہے صدا اصاف قلم سے دمِ ترقیم	۵۸	ہے جوہرِ فرد اس کی نہ ہوگی کبھی تقسیم
بینی ہے الف زلف ہے لام اور دہن میم		جو حرف ہے قرآں کا وہ ہے لائقِ تعظیم
وصفِ دہنِ تنگ نہیں وقت مجھے کیا ہے		کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے
آتی ہے ثنائے دُرِ دنداں زباں پر	۵۹	تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر		یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر		بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر
دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قرباں	۶۰	مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
گویا کہ ہلالِ شبِ اول ہے گریباں		شانوں کی نشانِ اسدِ حق سے ہے کیا شاں
حیراں تھی نظر دوشِ مبارک پہ گماں ہے		یاقوت ہیں خورشیدِ جہاں تاب عیاں ہے
ہیں بازوئے عباسؑ کہ شاخِ شجرِ حسن	۶۱	پڑتی ہے سدا نور پہ جن کی نظرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہیں درِ حسن		طالع ہے کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہم دستِ کفِ جود نہیں ہے		خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے
ہر چیز علمدار نے پائی ہے علیؑ کی	۶۲	اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہے علیؑ کی		ان انگلیوں میں عقدہ کشائی ہے علیؑ کی
ورثہ ہیں یہ زور ان کو ملا جد و پدر سے		ہلکا درِ خیبر کو سمجھتے ہیں سپر سے
دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ	۶۳	حصے میں اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
حق نے یدِ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ		سینے سے یداللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہیں عاشق ہوں میں اس رشک قمر کا		یہ سینہ سپر ہووے گا زہراؑ کے پسر کا

۶۴
ہے تا بہ عدم ذہن رسا دوڑ کے جاتا
ہے بال سیہ دُرِ نجف میں نظر آتا
لیکن کہیں مضمون کمر کو نہیں پاتا
مثلِ رگِ گل تابِ نزاکت نہیں پاتا
اس رشتے سے محکم کمر مرتضوی ہے
نازک تو ہے پر دین کی پشت اس سے قوی ہے

۶۵
شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
تعویذ شفا نقش کفِ پائے مبارک
درپیش ہے اب وصف قدم ہائے مبارک
جس جا گذر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرش بریں کے
احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

۶۶
ہر شخص تھا محوِ رخِ عباسؑ فلک جاہ
ہر لب پہ سخن تھا کہ زہے قدرتِ اللہ
تھا شور فلک پر کہ زمیں کا ہے یہی ماہ
ہر چشم یہ کہتی تھی کہ جلوہ ہے عجب واہ
غازی تھا جہاں پتلیاں مردم کی ادھر تھیں
حوریں بھی دریچوں سے نکالے ہوئے سر تھیں

۶۷
واں پر ہوئی تھی فوج سقر موج مرتب
چلّوں سے اُدھر ملتے گلے تیر ستم سب
اک دل میں مہیائے زد و کشت صفیں سب
جانِ اسد اللہ بڑھا چھیڑ کے مرکب
چلّائے یہ لشکر کے سپاہی غضب آیا
بپھرا پسرِ شیرِ الٰہی غضب آیا

۶۸
ہمت کا سخن تھا کہ فنا فوج کو کر دے
دل نے کہا سرداروں کے سر کاٹ کے دھر دے
اقبال پکارا کہ زمیں لاشوں سے بھر دے
نصرت کی دعا تھی کہ خدا تجھ کو ظفر دے
تحریر ہو یہ فتح ترے نام نکو پر
ہر دم تری شمشیر رہے فرقِ عدو پر

۶۹
یہ نام سدا خلق میں نامی رہے تیرا
محکوم ہر اک کوفی و شامی رہے تیرا
ہر صبح شہِ شرق سلامی رہے تیرا
تو جس کا پسر ہے وہی حامی رہے تیرا
دامانِ علَم فرق پہ ہو سبطِ علیؑ کے
اور تو رہے سایہ میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۷۰
جب غیظ سے اشعار رجز پڑھنے لگا شیر
ہر صف تہ و بالا ہوئی شکلِ زبر و زیر
جھک جھک گئے خوں ریزوں کے سر صورتِ شمشیر
کچھ پیش نہ جائے گا رہا غل یہی تا دیر
یہ تیزی تقریر کوئی لائے کہاں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

۷۱
گھبرا کے بڑھا خود پسرِ سعدِ بد انجام
سن لیجئے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام
عباسؑ سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
پر آپ تک آتے ہوئے تھراتا ہے اندام
جھنجھلائے ہوئے شیر سے اندیشہ ہے جاں کا
میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

۷۲
کی چیں بہ جبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ
پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر
شیوہ ہے تمھیں لوگوں کا یہ حیلہ و تدبیر
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہم سے وفا کو
فرزند علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

۷۳
وہ تم ہو جو کرتے ہو دغا اہل وفا سے
سادات کا سر کاٹتے ہو تیغ جفا سے
مطلب ہے محمدؐ سے تمھیں کچھ نہ خدا سے
مہماں ہیں یہ کس کے جو ہیں دو روز سے پیاسے
کیا کھا کے قسم پھر گئے تم اپنے سخن سے
ہم وہ ہیں کہ کھنچنے پہ چلے آئے وطن سے

۷۴
گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بے کار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار
میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سید ابرار
صدمہ یہ اٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

۷۵
کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی
سچ ہے کہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
کوئی تو رہے خلق میں حیدر کی نشانی
غصے کے نہ اندوہ کے نے طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

۷۶
کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اسے مارا
چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمھارا
عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
ما بین لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

۷۷
یہ سنتے ہی تھرانے لگا شیر کا اندام
قبضے کو جو دیکھا تو اگلنے لگی صمصام
غصے کے سبب سرخ ہوئی چشم سیہ فام
فرمایا کہ ظالم مجھے دیتا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہراؑ کے پسر سے

۷۸
بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کون سا آداب
سر تن سے اتاروں ترا او ظالم کذاب
کیا قدر رہے پھر اس کی جو موتی کی گئی آب
رتبہ ہے یہ سب شاہ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

۷۹
آگے مرے تو ذکر پسر کا مرے لایا
اصغرؑ سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا
شبیرؑ کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر
سو بیٹے ہوں تو صدقے کروں اُن کے پسر پر

۸۰
ہوتا ہے چمن فاطمہؑ کا ظلم سے برباد
مارا گیا بیوہ پسر قاسمؑ ناشاد
موسم یہ مرے عیش کا ہے کیوں ستم ایجاد
روتے ہیں نبیؐ شیر خدا کرتے ہیں فریاد
ہم سے جنھیں الفت ہے وہ ماتم میں ہیں گھر کے
آخر اسے حشر کا دن لوگ کہیں گے

۸۱
بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تینوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
نعشیں بھی بہم زیر زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی پس مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

۸۲
بھائی نے مرے کون سی کی مجھ سے برائی
کیا کچھ نہ ملا کون سی عزت نہیں پائی
پالا ہے مجھے جانتی ہے ساری خدائی
جان اُن پہ تصدق ہے اجل آئی تو آئی
ہم مانیں گے جو شرط محبت کی جزا ہے
نافہم اسی موت میں جینے کا مزہ ہے

۸۳
کافر ہوں کہ منہ قبلۂ ایماں سے پھر آؤں
فاقے ہوں تو بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤں
تو کوہ طلا دے تو میں لالچ میں نہ آؤں
مقتل سے تڑپتا ہوا ان قدموں پہ جاؤں
کس منہ سے کہوں میں کہ قرابت میں قریں ہوں
بھائی مجھے حسنؑ ہیں تو غلام شہِ دیں ہوں

۸۴
بلبل کو کبھی ہجر گل تر نہیں بھاتا
بے موت جو معشوق کو عاشق نہیں پاتا
پروانہ کہیں شمع کو ہے چھوڑ کے جاتا
قمری کو سوا سرو کے کچھ خوش نہیں آتا
شبیرؑ جہاں یہ دل فرزانہ وہیں ہے
محفل میں جہاں شمع ہے پروانہ وہیں ہے

۸۵
کہنے پہ چلوں تجھ سے جفاجو کے زہے فہم
پہونچے انھیں دکھ ہاتھ سے بازو کے زہے فہم
دوں رنج میں دل کو شہِ خوش خو کے زہے فہم
آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے زہے فہم
ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازی روباہ چلے گی

۸۶
جرأت کو جری نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
شبیرؑ کو اخی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
آقا کو کسی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
احمدؐ کو علیؑ نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
وہ ہم نہیں کرتے جو زمانے کا چلن ہے
دنیا میں وفا اپنے گھرانے کا چلن ہے

۸۷
بچھڑے ہیں پیمبرؐ سے کبھی حضرت جعفرؑ
حیدرؑ کو کبھی چھوڑ گئے مالک اشترؑ
حمزہؑ کبھی دشمن کی طرف مل گئے جا کر
مشہور ہے جنگ جمل و خندق و خیبر
حیدرؑ تھے کہ سب فوج کے آگے تھے احد میں
نامرد تھے وہ لوگ جو بھاگے تھے احد میں

۸۸
پیرو بسرا انھیں کا ہے تو او ظالم ناری
بس فتح تھی کرار کی جس دن ہوئی باری
دو دن جو رہے غزوۂ خندق میں فراری
کُل کا کیا خوں جس نے وہ ہے تیغ ہماری
ان ہاتھوں سے لاکھوں سر کفار کٹے ہیں
جب پٹ گئی ہے لاشوں سے خندق تو ہٹے ہیں

۸۹
جب گھر سے پئے جنگ قدم ہم نے نکالے
کعبے سے وغا کر کے صنم ہم نے نکالے
دم میں تن کفار سے دم ہم نے نکالے
اسلام کے لشکر کے علم ہم نے نکالے
رنگ رخ کفار عرب ہو گیا فق سے
اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

۹۰
ہیں حشمت دنیا کی تمنا نہیں رکھتا
اعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
تپنے سے علاقہ سر طوبیٰ نہیں رکھتا
کافر کی طرف صاحب ایماں نہیں جاتے
بتخانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

۹۱
خورشید کو محتاجی ذرہ نہیں ذرا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات کا غرا
دیں دار سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرا
اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرا
قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

۹۲
کچھ خار مغیلاں گل تر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

۹۳
دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
دنیائے دنی کام میں کس کے نہیں آتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جو ہیں ذاتی
محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

۹۴
بخشی ہے خدا نے مرے آقا کو یہ توقیر
کی خامۂ قدرت نے سند عرش پہ تحریر
ہے مہر نبوت سے نسب نامۂ شبیرؑ
آیا ہے گواہی کے لیے آیۂ تطہیر
دنیا میں کسے ملتے ہیں جبریلؑ سے شاہد
موجود ہیں میکائیلؑ و اسرافیلؑ سے شاہد

۹۵
حور و ملک و خلد و ارم کوثر و طوبیٰ
خورشید و نجوم و قمر و گنبد خضرا
سنگ و شجر و کوہ و بر و گوہر و دریا
روم و رے و مصر و نجف و یثرب و بطحا
پوچھے جو کوئی کون امام ازلی ہے
سب دیں یہ گواہی کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے

۹۶
جنات پکاریں کہ یہی فخر بشر ہے
چلائے فلک پاؤں پہ اس کے مرا سر ہے
ہر نخل کہے باغ نبیؐ کا گل تر ہے
گویا ہوں ستارے کہ یہ زہراؑ کا قمر ہے
ہر بحر کہے گوہر امید ہے شبیرؑ
ذروں سے صدا آئے کہ خورشید ہے شبیرؑ

۹۷
رضواں کا سخن ہو کہ مددگار ہے میرا
زہراؑ کی صدا آئے کہ دلدار ہے میرا
فردوس کہے مالک مختار ہے میرا
فرمائیں پیمبرؐ در شہوار ہے میرا
میکائیلؑ پکارے کہ ملازم ہوں اسی کا
جبرئیلؑ کرے فخر کہ خادم ہوں اسی کا

۹۸
کیا رکن مقام اور چہ میزاب چہ زمزم
آجائے صدا کوہ صفا سے یہی ہر دم
ایک ایک سے سن توصفت قبلۂ عالم
حج سے شہ والا کی زیارت نہیں ہے کم
بول اٹھے حجر رتبہ سے آگاہ ہوں میں بھی
کعبہ یہ کہے بندۂ درگاہ ہوں میں بھی

۹۹
ہے شرع محمدؐ کا جنھیں امر و مناہی
لوح و قلم و عرش و ملک دیں یہ گواہی
ہوں ایک زباں ماہ سے تا مسکن ماہی
ورثہ میں ملی ہے اسے کونین کی شاہی
کرسی کہے میرے لیے معراج یہی ہے
خود عرش پکارے مرا سر تاج یہی ہے

۱۰۰
جو شاہ کہ سب خلق میں رتبے سے سوا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہو تو کیا ہو
بتلا تو غلام اس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
لوں میان سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو
غارت تمھیں کر دینے کو تیار ہے عباسؑ
بھائی کے مگر رحم سے ناچار ہے عباسؑ

۱۰۱
خود مجھ کو قسم دی ہے کہ غصہ میں نہ آنا
امت کی تباہی پہ کڑھیں گے مرے نانا
بھیا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا
اُن کا تو وہ رحم اور تمھارا یہ ستانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگ دلی ہے

۱۰۲
ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی
تھرّا گیا یہ سن کے یداللہ کا جانی
نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
لے دیکھا اسی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا

۱۰۳
یہ کہتے ہی جرّار نے لی میان سے تلوار
نعرہ جو کیا شیر نے یا حیدرِ کرار
بھاگا صفتِ غولِ بیاباں وہ ستم گار
اوتادِ اراضی عرب ہل گئی اک بار
دہشت سے اڑا رنگ رخِ جن و ملک کا
تھرا گیا دہشت سے بدن جن و ملک کا

۱۰۴
جنگل میں بن آئی جو نہ کچھ خوف کے مارے
آہو جو تھے شیروں میں تو چیتوں میں چکارے
ٹھہرے نہ قدم شیر ہرن ہو گئے سارے
گھبرا کے درندے یہ پرندوں کو پکارے
شیطاں پسرِ سعد کی گردن پہ چڑھا ہے
بھاگو پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے

۱۰۵
صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
در سے جو اڑے کبک تو جنگل سے اڑے مور
اس شور سے بہرام کی تھرانے لگی گور
صفدر کا قدم بڑھتے ہی شیروں کا گھٹا زور
آہو میں بہادر کے شجاعت کے چلن تھے
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

۱۰۶
چمکی جو علمدار کی شمشیر ہلالی
دہشت سے نیستانِ اسد کر گئے خالی
گھبرا کے فلک نے سپرِ مہر سنبھالی
اور بحر نے بھی بر میں زرہ موج کی ڈالی
اعدا میں یہ غل تھا کہ تہِ تیغ ہیں جو ہیں
احول کی طرح ایک سمجھتا تھا کہ دو ہیں

۱۰۷
وہ حجت قاطع ہے علمدار کی شمشیر
کچھ وصف لکھا چاہتی ہے تیزیِ تقریر
دشمن کو مفر جس سے نہیں ہے کسی تدبیر
ڈر یہ ہے کہ خامہ نہ قلم ہو دمِ تحریر
مضموں بہت تیز ہیں اس برقِ دو دم کے
جوشن کی دعا چاہیے بازو پہ قلم کے

۱۰۸
ڈالوں جو سیاہی میں دمِ تیغ کا پانی
شمشیر خراسانی و تیغِ صفہانی
تب ہو رقم اس برق سرافشاں کی روانی
ہاں کند ہے گر لاکھ رکھے تیز زبانی
دم میں نہ پیادے نہ سواروں کے پرے ہیں
سب جوہرِ شمشیرِ خدا اس میں بھرے ہیں

۱۰۹
خوں ریزئ شمشیر کا لکھوں جو کوئی حرف
ہوتے تھے سیہ کاروں کے تن مثل قلم صرف
ہو صاف سیاہی سے عیاں شوخئ شنجرف
روکیں کوئی وار اس کا یہ ڈھالوں کا نہ تھا ظرف
ایک ایک کے مانند اجل دشمنِ جان تھی
چار آئینہ میں امن نہ جوشن میں امان تھی

۱۱۰
ہے نصف ہی نام اس کا فقط شیر نے پایا
عالم پہ اسی نام سے رعب اس کا ہے چھایا
تب جوہر جرأت اسی کے حصہ میں آیا
آنکھ اس سے ملانے کی کوئی تاب نہ لایا
مثلِ دمِ شمشیر لہو اس کی خورش ہے
پنجے میں جو ہے زور تو ناخن میں برش ہے

۱۱۱
لو حملہ کناں ہوتے ہیں عباسؑ علم دار
لو حضرت حمزہؑ نے کیا فوج کو مسمار
لو جعفرؑ طیار ہوئے جنگ پہ طیار
لو غزوۂ خیبر پہ چلے حیدر کرار
ٹھہرے نہ قدم فوج میں ہل چل پڑی آخر
لو تیغ وہ چمکی صفِ اول ہوئی آخر

۱۱۲
رہوار نے بیتابئ سیماب دکھائی
تلوار نے بجلی کی تب و تاب دکھائی
اڑتا تھا سوے نہر کہ دو سے آب دکھائی
ہر تاب نے اک جدول خون ناب دکھائی
افتادہ تھے بے سر جو پرے فوجِ لعیں کے
سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

۱۱۳
اللہ ری برش وار سے تھا وار زیادہ
اور دیدۂ عشاق سے خوں بار زیادہ
معشوق کی ابرو سے جفا کار زیادہ
شمشیر مہ نو سے نمودار زیادہ
گھاٹ ایسا کہ چھوڑا نہ کسی کشتئ تن کو
باڑھ ایسی کہ اک قلزم خوں کر دیا رن کو

۱۱۴
قبضہ وہ درِ ظلم و ستم بند ہے جس سے
جوہر وہ سدا فتح قلم بند ہے جس سے
باڑھ ایسی رہِ ملکِ عدم بند ہے جس سے
پشہ وہ کہ نمرود کا دم بند ہے جس سے
چھائی ہے یہ جوہر کی گھٹا ابر نہیں ہے
دشمن کو پناہ اس سے بجز قبر نہیں ہے

۱۱۵
تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوج ستمگر میں تلاطم
آندھی سے ہو جس طرح سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہل چل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں طوفاں میں تھمی ہے

۱۱۶
تیغیں وہ کہ جن پر نہ دھری جاتی تھی انگشت
دہشت سے اٹھاتے نہ تھے سر گرز گراں مشت
منہ پھیرے چلے جاتے تھے ہنگامِ زد و کشت
ڈھالوں کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھیں پس پشت
ہتھیار گرے پڑتے تھے ثابت قدموں کے
سمٹے ہوئے تھے ڈر سے پھریرے علموں کے

۱۱۷
سو سو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برقِ غضب آئی
غل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی اب آئی
پھر یہ نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
دشمن کو نہ انجام نہ آغاز دکھایا
تلوار نے سب موت کا انداز دکھایا

۱۱۸
ہر غول میں غل تھا کہ بلا آتی ہے بھاگو
برقِ غضبِ ربِ علا آتی ہے بھاگو
رکنے کی نہیں سیل فنا آتی ہے بھاگو
تلوار نہیں سر پہ قضا آتی ہے بھاگو
ڈر جس کا لگا رہتا ہے دن رات یہی ہے
اے بے خبرو مرگِ مفاجات یہی ہے

۱۱۹
ہر فرد کو اس تیغ کے جوہر نظر آئے
سوئے سرِ افواجِ ستم پر نظر آئے
ریتی پہ تپاں جسم برابر نظر آئے
اُڑتے ہوئے بالائے ہوا سر نظر آئے
چلاتے تھے ڈر ڈر کے پرندے کہ یہ کیا ہے
آتی تھی سلیمانؑ کی صدا قہرِ خدا ہے

۱۲۰
ترچھی جو پڑی زیرِ بغل فرق سے نکلی
یوں جا کے تنِ ظالمِ پُر زرق سے نکلی
منہ غرب کی جانب جو کیا شرق سے نکلی
العظمۃ للہ صدا برق سے نکلی
اُڑ اُڑ کے چمکتی تھی جو اعدا کے سروں پر
دم نادِ علیؑ کرتے تھے جبرئیلؑ پروں پر

۱۲۱
لٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے آہن ستم اس کا
لشکر کو دکھاتا رہا راستہ خم اس کا
خوں پینے سے بھرتا تھا نہ خالی شکم اس کا
نے سنگ سے رکتا تھا نہ آہن سے دم اس کا
کب سنگ کی سختی کو بھلا مانتی تھی وہ
فولاد کو جب موم سے کم جانتی تھی وہ

۱۲۲
دکھلا کے گلِ زخم بدن سے نکل آئی
ہمراہ لیے روح کو تن سے نکل آئی
شمشیرِ خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
شپ سے جو پڑی سر پہ تو سن سے نکل آئی
سرکش تھا تکبر سے جب افلاک پہ سر تھا
جھپکی تھی ادھر آنکھ ادھر خاک پہ سر تھا

۱۲۳
مغفر میں ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی
شانے پہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی
روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ میں گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ چورنگ نیا تھا

۱۲۴
دل ہٹ گئے جس دم وہ صفِ فوج پہ چمکی
جب فرد کو دو کر کے بھری زوج پہ چمکی
معلوم ہوا برقِ غضب موج پہ چمکی
چمکی کبھی پستی پہ کبھی اوج پہ چمکی
گردش جو ہوئی ہاتھ کو ہالا نظر آیا
ہر ضرب میں عالم تہ و بالا نظر آیا

۱۲۵
ڈر سے کوئی لشکر کا نشاں چھوڑ کے بھاگا
شہ زور ہر اک گرزِ گراں چھوڑ کے بھاگا
شمشیر و سپر کوئی جواں چھوڑ کے بھاگا
کوئی صفتِ تیر و کماں چھوڑ کے بھاگا
اندام سے نکلی جو زرہ دام سے چھوٹا
غل تھا کہ ہرن پنجۂ ضرغام سے چھوٹا

۱۲۶
لڑتا ہوا پہونچا لبِ ساحل جو وہ صفدر
رہوار نے دیکھا رخِ عباسؑ کو مڑ کر
یاد آگئی بس تشنگیٔ آلِ پیمبرؐ
سمجھے کہ ہے گھوڑا ابھی بہت پیاس سے مضطر
آنکھوں سے رواں ہوں گے وہاں اشک سکینہؑ
بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشک سکینہؑ

۱۲۷
بس خوب لڑے شانِ یداللہ دکھائی
سب ہیچ ہے گر پیاس نہ بچوں کی بجھائی
عالم کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
اب وہ کرو جس میں کہ رضامند ہوں بھائی
کہہ آئے ہو کیا بنتِ امام مدنی سے
سقائی بھی کچھ کم نہیں شمشیر زنی سے

۱۲۸
مرجانا تو لڑ بھڑ کے کچھ ایسا نہیں دشوار
مشکیزے کی کشتی لیے اس فوج سے ہو پار
مردوں کا یہی کام ہے جب کھینچ لی تلوار
عباس بڑی فتح ہے چل جائے جو یہ وار
عالم میں یہ چرچا سحر و شام رہے گا
سقائے حرم حشر تلک نام رہے گا

۱۲۹
ہے یاد تجھے قصہ بیر العلم اے دل
یاں کون سا اندیشہ ہے اور کون سی مشکل
پانی کے لیے آگ میں کودے شہِ عادل
نے آگ ہے نہ جن ہیں وہ دریا ہے یہ ساحل
کیا منہ ہے جو ناری ہمیں واں جانے نہ دیں گے
جیتے ہیں تو ہم مشک پہ آنچ آنے نہ دیں گے

۱۳۰
فرما کے یہ دریا میں وہ غازی جو در آیا
پھر بعد کئی دن کے جو پانی نظر آیا
ہر ماہیِ دریا نے یہ جانا قمر آیا
اشک آنکھوں سے بہنے لگے منہ کو جگر آیا
صدمہ ہوا یاد آگئی تقریر سکینہؑ
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر سکینہؑ

۱۳۱
عباس نے مشکیزے کو چھاتی سے لگا کر
لٹکا لیا تسمے کو قریں دوش کے لا کر
سیراب کیا نہر نے پھر اشک بہا کر
اعدا کی صفیں بندھ گئیں پھر نہر پہ آ کر
لب تشنہ جو وہ حق کا شناسا نکل آیا
رہوار بھی اس نہر سے پیاسا نکل آیا

۱۳۲
ساحل سے نکلنا تھا کہ پھر چلنے لگے تیر
غازی نے کہا کون سی اب کیجیے تدبیر
اس چاند پہ بدلی کی طرح چھا گئے بے پیر
پھر جنگ کرو آگے جو کچھ خواہشِ تقدیر
کچھ ہول نہیں دم میں یہ انبوہ تو ہٹ جائے
پر مشک کا دھڑکا ہے کہ تیغوں سے نہ کٹ جائے

۱۳۳
دیکھا جو بہادر نے کہ آ پہونچے عدو پاس
آنکھیں تھیں سوئے نہر سے تکتے تھے چپ و راس
یا شیرِ خدا کہہ کے بڑھے حضرتِ عباسؑ
بچ جانے کی امید کبھی تھی تو کبھی یاس
تیروں کے کبھی سامنے کر دیتے تھے سینہ
گھبرا کے کبھی مشک پہ دھر دیتے تھے سینہ

۱۳۴
جانے کی اگر دہنی طرف راہ نہ پائی
چھاتی کو سپر کر دیا تلوار جب آئی
مشکیزہ لیے جانبِ چپ باگ پھرائی
نیزوں سے بچایا نہ بدن مشک بچائی
جب زخم کوئی کھایا تو مشکیزہ کو دیکھا
سن سے کوئی تیر آیا تو مشکیزہ کو دیکھا

۱۳۵
رہوار کو جھنجھلا کے کبھی کاوے پہ ڈالا
لڑ کر کبھی انبوہ سے گھوڑے کو نکالا
دکھلا دیا سب کو کبھی چاند اور کبھی بالا
کاٹا کبھی نیزہ کبھی ترکش کبھی بھالا
انبارِ تن و سر کا سرِ راہ دکھایا
ہر ضرب میں زورِ اسداللہ دکھایا

۱۳۶
لڑتے تھے وہ انبوہ نہ ہوتا تھا مگر کم
اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکر ا ظلم
ہاں جانے نہ دینا یہی غل ہوتا تھا ہر دم
واں غش میں سکینہؑ تھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بہ کف اکبرؑ ذی جاہ کھڑے تھے
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

۱۳۷
فرماتے تھے رو رو کے یہ اکبرؑ سے بہ صد یاس
اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا عباسؑ
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے آس
آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
مارا ہمیں امت نے دہائی ہے نبیؐ کی

۱۳۸
گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا
کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلائے شہِ دیں کہ نہیں صبر کا یارا
سقائے حرم چھوڑتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقتِ عباسؑ نے کھویا
ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

۱۳۹
منہ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری
دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لا کر ہمیں دو مشک ہماری
بابا کی سنی جاتی نہیں گریہ و زاری
جلد آؤ کہ بے تاب امام دوسرا ہیں
ہم نے تمہیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

۱۴۰
یہ سن کے ادھر کرتے تھے شہ اشک فشانی
واں ہو گیا بیدست ید اللہ کا جانی
شانوں سے لہو بہنے لگا مشک سے پانی
گھوڑے سے نہ گرتا ابھی وہ یوسفؑ ثانی
خوں خواروں کے نرغے میں مگر آگئے عباسؑ
اک گرز لگا سر پہ کہ تیورا گئے عباسؑ

۱۴۱
حضرت کو پکارا مرے آقا مرے آقا
دوڑو مجھے مارا مرے آقا مرے آقا
تن زخمی ہے سارا مرے آقا مرے آقا
بندہ ہوں تمہارا مرے آقا مرے آقا
سقے کی بہشتی کی فدائی کی خبر لو
خادم کی نمک خوار کی بھائی کی خبر لو

۱۴۲
چلا کے شہِ دیں نے کہا ہائے برادر
تم بھائی سے ہوتے ہو جدا ہائے برادر
بھائی نہ ہوا تم پہ فدا ہائے برادر
لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے بتیس برس کا

۱۴۳
یہ کہہ کے سوئے نہر جو دوڑے شہِ والا
تیورا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے سنبھالا
گر پڑتے تھے ملتا تھا جہاں خوں کا نالا
معلوم نہ ہوتا تھا اندھیرا نہ اجالا
بھائی کے تصور میں جو گھبراتے تھے شبیرؑ
ہر لاش سے چلا کے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

۱۴۴
بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پر آئے
عباسؑ کو ئی آن کے مہمان نظر آئے
سر پیٹتے شبیرؑ جو بالائے سر آئے
اشک آنکھوں میں عباسؑ دلاور کے بھر آئے
زخمی کو جو اٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
ملنے لگے آنکھیں قدمِ سرورِ دیں سے

۱۴۵ حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
عباسؑ ہم آغوش ہیں لیویں ادھر آؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

۱۴۶ یہ کہہ کے گرے لاش پہ پھر با دلِ مضطر
زانو پہ رکھا خاک سے سر اس کا اٹھا کر
پیشانی کو بوسہ دیا منھ رکھ دیا منہ پر
رو رو کے کہا کھولو تو آنکھوں کو برادر
ملنے کے لیے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں عباسؑ
تم دیکھو تو کس حال سے ہم آئے ہیں عباسؑ

۱۴۷ غش میں جو سنی اس نے صدائے شہِ والا
آہستہ کہا شہ سے میں صدقے ترے مولا
ہونٹوں کو بھی جنبش ہوئی آنکھوں کو بھی کھولا
تعظیم سے معذور ہوں میں اٹھ نہیں سکتا
یہ داغ زمانے سے چلا ساتھ ہمارے
پانی نہ ملا تن سے کٹے ہاتھ ہمارے

۱۴۸ افسوس کہ بن آئی نہ ہم سے کوئی تدبیر
کہدیجو سکینہؑ سے کہ بی بی تری تقدیر
دل زخمی ہے جیسے کہ لگا مشک پہ اِک تیر
پانی کے نہ لانے میں نہ تھی کچھ مری تقصیر
اب تشنہ رہو تم یہی مرضی تھی خدا کی
اب حشر کے دن دیکھو گی صورت کو چچا کی

۱۴۹ یہ کہتے ہی اِک موت کی ہچکی اُسے آئی
گھبرا کے کہا شہ نے یہ کیا کرتے ہو بھائی
اور آنکھ بھی نظارۂ عالم سے پھرائی
کی عرض کہ نزدیک ہے اب وقت جدائی
بیدست برادر کی مدد کیجئے آقا
قبلے کی طرف مجھ کو پھرا دیجئے آقا

۱۵۰ شاہد مرے کلمہ کے رہیں آپ برادر
برحق ہے رسولِ عربی حق کا پیمبرؐ
معبود نہیں کوئی بجز خالقِ اکبرؐ
بے فصل ہے احمدؐ کا وصی حیدرؑ و صفدر
بعد اُن کے حسنؑ مالک و مختار زماں ہیں
اور بعد حسنؑ آپ امام دو جہاں ہیں

۱۵۱ سب آپ پہ روشن ہے عقیدے کا مرے حال
بے خوف فشار لحد اے فاطمہؑ کے لال
کیجے گا مدد ہوئے گی جب پرسشِ اعمال
پر آپ نے آغوش میں پالا ہے کئی سال
نازاں ہوں کہ کام آئیے گا واں مرے مولا
سب مشکلیں ہو جائیں گی آساں مرے مولا

۱۵۲ آواز علیؑ آئی کہ اے عابد و زاہد
صدقے ترے اے راہِ الٰہی کے مجاہد
مقبول خدا ہیں ترے اعمال و عقائد
ہیں پنج تن پاک ترے زہد کے شاہد
تشریف رسولؐ دوسرا لائیں گے بیٹا
غم کھاؤ نہ تم قبر میں ہم آئیں گے بیٹا

۱۵۳ یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر
رونے میں لگے دیکھنے شہ خیمے کو مڑ کر
چلاتی ہے فضہؑ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب دختر سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی
عباسؑ سے کہہ دو کہ سکینہؑ نہیں تھمتی

غصہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی	۱۵۴	تھرانے لگا نزع میں وہ شہ کا فدائی
شہ سے کہا یاں آتی ہے اب آپ کی جائی		دامن سے مرے منہ کو چھپا دیجئے بھائی
یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ		منہ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے	۱۵۵	عباسؑ علی چھوڑ کے جنت کو سدھارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے		بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدق		عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدق
کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ	۱۵۶	چلاتی ہے ڈیوڑھی پہ تمھیں بالی سکینہؑ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلی کا قرینہ		اس صدمے سے دشوار ہے اس بچی کا جینا
یہ مشک جو اس خون میں تر جائے گی بھائی		بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی
سر پیٹ کے چلانے لگے سیّدِ ابرار	۱۵۷	ہے ہے مرے پیارے مرے بھائی مرے غم خوار
اب جوش پہ رقت ہے انیسؔ جگر افگار		مولا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
حسرت ہے یہ آنکھوں سے درِ شاہ کو دیکھوں		عباسؑ فلک جاہ کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

عباسؑ کو لطفِ زندگانی نہ ملا
اس موسمِ گرما میں غضب ہے یارو
اکبرؑ کو بھی کچھ حظِ جوانی نہ ملا
شبیرؑ کو تین روز پانی نہ ملا

رباعی

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
ہے قبر رگِ جان سے اس پر یہ بعد
آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

	مرثیہ	
عباسؑ علیؑ یوسف کنعاں علیؑ ہے شبیرؑ کا دل روح حسنؑ جانِ علیؑ ہے	۱	شمشاد قبا پوش۔ گلستانِ علیؑ ہے شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیوں کر رہے میدانِ وغا کا		فرزند زبردست ہے وہ دستِ خدا کا
سلطانِ سریر و حشم و جاہ ہے عباسؑ آئینہ تصویر ید اللہ ہے عباسؑ	۲	عالم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ
اقبال و جلال اُن کا زمانہ پہ جلی ہے		وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے
روتے ہیں ملائک یہ عزا خانہ ہے کس کا ہر شمع کو رقت ہے یہ افسانہ ہے کس کا	۳	جنت سے علیؑ آئے یہ کاشانہ ہے کس کا گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا
اُلٹے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں		کس شیر کے بازو تہِ شمشیر کٹے ہیں
یہ شکر غم ہے کہ عزاداروں کی صف ہے کون اُٹھ گیا کیوں رونے کا غل چاروں طرف ہے	۴	گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے		پُرسے کو علمدار کے آئے ہیں گھروں سے
بن کر ہمہ تن گوش سنو وصفِ علمدار ہیں بلبلِ گلزارِ سخن اور بھی دو چار	۵	دے سب کو خدا دیدۂ حق بیں دلِ بیدار انصاف کریں ہر گلِ مضموں کے طلب گار
گلدستہ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں		بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں
خورشید منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ سقائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ	۶	مصباحِ شبستانِ سرِ طور ہے عباسؑ حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ
لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے		ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے
کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہے شہرا	۷	لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہونچا ہر لب پہ یہ ہے ذکر کہ یکتا ہے وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہوئے گا جہاں میں		جو اہلِ وفا ہے اُسے روئے گا جہاں میں
کیا دھاک ہے کیا رعب ہے کیا عزت و توقیر معشوقِ شہِ عقدہ کشا عاشقِ شبیرؑ	۸	ہے فتح طلب اُن سے ہر ایک صاحبِ شمشیر صورت میں سراپا اسد اللہ کی تصویر
حملہ ہے وہی شان وہی حرب وہی ہے		پنجہ ہے وہی زور وہی ضرب وہی ہے
دنیا میں ہما نے یہ سعادت نہیں پائی حمزہؑ نے یہ ہمت یہ شجاعت نہیں پائی	۹	فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی جعفرؑ نے یہ توقیر یہ شوکت نہیں پائی
سقائے حرم ہیں خلفِ شاہِ نجف ہیں		واں ایک بزرگی ہے تو یاں لاکھ شرف ہیں

۱۰
دو ہاتھ جو قربان کے حصے میں آئی
کوثر تو ہے قبضے میں تصرف میں ترائی
دیں پروری و دادرسی عقدہ کشائی
ہر بند سے دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
بیدست ہیں لیکن پسر پیر و جواں ہیں
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیف زباں ہیں

۱۱
ٹھہراتا ہے خورشید جلال و حشم ایسا
نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا
لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
جھک جاتی ہے شاخ سر طوبیٰ علم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
دامن دُرِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

۱۲
کیا فیض ہے کیا اسم مبارک میں اثر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہے
ہنگامِ مرض تقویت قلب و جگر ہے
بازو پہ جو باندھے تو سپر دست ظفر ہے
کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں بلا میں
آفت میں سپر ہے تو سروہی ہے وغا میں

۱۳
شمشیرِ وفا فارسِ میدانِ تہوّر
تشبیہ میں عاجز ہو کس طرح تصوّر
جرّار و وفادار و اولعزم بہادر
ہے عالمِ بالا میں ملائک کو تحیّر
جب کھینچ چکا شکل علمدار و علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

۱۴
لکھے کوئی کیا نعت سردار و علمدار
بلبل کو بھی یہ گل کی محبت نہیں زنہار
دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلبگار
اک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دل سوز نہیں ہے

۱۵
فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا
معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
تھی عین تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانندِ قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

۱۶
فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام
تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالع بیدار ہمارے

۱۷
فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر
عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خو بو ہے شہ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیر خدا کی

۱۸
ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شان
عباسِ دلاور پہ تصدق ہے مری جان
طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احسان
منظور یہ ہے روز حسینؑ اس پہ ہو قربان
اس کو بھی تو بچپن سے مرا عشق دلی ہے
صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

۱۹
وہ کہتی تھی اے احمدِ مختار کے پیارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے
خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
منہ اس نے صدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

۲۰
عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری
ہے اوس کو نہ اولاد نہ جاں آپ سے پیاری
فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشقِ دلی اس کو شہ کون و مکاں سے
لیتا نہیں بے صلِ علیٰ نام زباں سے

۲۱
اک روز کہا میں نے کہ عباسؑ وفادار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار
تم اُن کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدرِ کرّار
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد اُن کے کیا ہے
کچھ خطِ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

۲۲
اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی
توبہ کرو یکساں ہوا میں اور شہِ عالی
تھرا کے کہا بات یہ کیا منہ سے نکالی
میں بندۂ ناچیز وہ کونین کا والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرہ کبھی خورشید سے ہمسر نہیں ہوتا

۲۳
نسبت مجھے کیا اُن سے کہاں نور کہاں خاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سیدِ لولاک
میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

۲۴
زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو
جبریلؑ نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو
کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا ہو تو کہہ دو
ان رتبوں میں رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو
وہ فخرِ دو عالم ہے امامِ دو جہاں ہے
اسرارِ لدُنّی مرے سینے میں نہاں ہے

۲۵
اک مور ہو کس طرح سلیماں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر
رتبے میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
کیوں کر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

۲۶
خوش ہوں جو غلامِ علی اکبرؑ مجھے سمجھیں
وہ خادمِ اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں
میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبرؑ مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے
شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے

۲۷
یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبرؑ و شبیرؑ
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر
بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر
مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مر جائے گا عباسؑ

۲۸ کیا بھول گئیں واقعۂ رحلت حیدرؑ
تھا آپ کے زانو پہ سر فاتح خیبر
اس پہلو میں شبیرؑ تھے اس پہلو میں شبرؑ
زینبؑ بہ سر خاک تڑپتی تھیں کھلے سر
صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
لیٹا ہوا قدموں سے بکا کرتا تھا میں بھی

۲۹ پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار
اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا اک بار
فرمایا حسینؑ ہے مرے نو بیٹوں کا مختار
عباسؑ رہا اک تو حسینؑ اس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

۳۰ ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری
اس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری
حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق مجھ سے غلامی کا ادا ہو
تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

۳۱ فرمانے لگے اشک بہا کر شہ ابرار
ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
عباسؑ مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار
رکھتا ہے حسینؑ ایک یہی بازو یہی غم خوار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ساتھ ہیں میرے

۳۲ کیا انس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ
مرکر بھی ہیں پروانۂ شمع لحد شاہ
جب قافلہ نزدیک پہونچتا ہے تو ناگاہ
عباسؑ کو یہ ہوتا ہے حکم شہ ذی جاہ
آج آتے ہیں غم خوار شہنشاہ امم کے
لاؤ مرے زواروں کو سایے میں علم کے

۳۳ تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشق شبیرؑ
کاندھے پہ محمدؐ کا علم ہاتھ میں شمشیر
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاند سی تصویر
ہوتے ہیں جلو میں شہدا صاحب توقیر
واں رحمت خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ
کس دھوم سے زواروں کو لیجاتے ہیں عباسؑ

۳۴ روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار
اردو ہے ادھر شہ کا ادھر آپ کا بازار
دربار یہ حضرتؑ کا وہ عباسؑ کی سرکار
دونوں در رحمت ہیں جدھر رخ کریں زوار
دل کھل گئے پہونچے جو رواق شہ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلد بریں میں

۳۵ یاں رحمت غربت ہے وہاں دبدبۂ جاہ
روضے پہ ہے یہ رعب کہ العظمۃ للہ
شیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں روباہ
سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضے میں قسم کھا نہیں سکتا

۳۶ رشک در فردوس ہے وہ روضۂ پرنور
پہونچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سر طور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہے مشہور
زنجیر ہے یا سلسلۂ زلف سر حور
رضواں کی طرح خادم درگاہ کھڑے ہیں
کیلیں نہیں اس در پہ ستارے سے جڑے ہیں

۳۷
ساتوں فلک اس در کی بلندی سے ہیں ششدر
زیبا ہے اسے کہیے اگر عرش منور
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر
حقا کہ درِ خانۂ ایماں ہے وہی گھر
کس در کے لیے خلق میں یہ عز و شرف ہے
دنیا میں جواب اس کا اگر ہے تو نجف ہے

۳۸
شبیرؑ کے زواروں کی الفت کا جو ہے جوش
دروازہ بھی ہے شوق میں کھولے ہوئے آغوش
ہے ذات علمدار عطا پاش و خطا پوش
روتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش
یہ کون سی جاگہ ہے رہے دھیان ادب کا
آرام میں ہے لعل شہنشاہِ عرب کا

۳۹
دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ
روشن ہے زمیں وادیِ ایمن سے زیادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
مل جاتا ہے دل سے درِ فردوس کا جادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اس فرش پہ پہونچا
کرسی پہ دھرا پاؤں تو سر عرش پہ پہونچا

۴۰
اس گنبدِ آبی کی زہے آب زہے تاب
ہوتے دل پژمردہ جسے دیکھ کے شاداب
کیا سطوتِ شاہانہ ہے کیا رعب ہے کیا داب
جھک جھک کے ملک کرتے ہیں سجدے بجا آداب
یہ قصرِ فلک قالبِ افتادہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے کاہکشاں جادہ ہے اس کا

۴۱
ضو دیتا ہے کیا قبۂ ایوانِ علمدار
ہے مہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار
شمسہ پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار
گر پڑتی ہے بالائے زمیں سر کی دستار
ہو جاتا ہے دھوکا فلک نیلوفری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر

۴۲
رتبے میں ہے وہ سقف کہیں چرخ سے عالی
پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی
بے حسن نہ دیکھا کوئی روزن کوئی جالی
معمار نے بھی اس کی بنا نور کی ڈالی
منہ ملتا ہے خورشید ہر اک خشت پہ آ کر
گچ واں کی بنائی ہے ستاروں کو ملا کر

۴۳
فولادی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے
ہے نور کا گھر بوئے بہشت اس میں بھری ہے
حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے
جو اس کا شبیکہ ہے وہ اک چشم پری ہے
بے زانوے حور اس کے رخِ پاک کے نیچے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے

۴۴
محروم پھرا واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق
پاتے ہیں شفا کور و شل و ابرص و مدقوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق
آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
رحمت کا سفینہ اسے کہیے تو بجا ہے
تابوتِ سکینہ اسے کہیے تو بجا ہے

۴۵
کرتے ہیں طواف اس کا سدا فخر سے افلاک
تابوت نہیں عرش بریں ہے یہ سر خاک
پلکوں سے ملک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک
روضہ ہے اگر رحل تو قرآں لحدِ پاک
کیا قدرِ ارم جب یہ مکیں اس میں نہیں ہیں
خاتم تو ہے نادر پہ نگیں اس میں نہیں ہے

۴۶
قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور
رنگِ رخِ مہتابِ فلک ہوتا ہے کافور
پروانہ ہے شمعوں پہ تجلّیِ سرِ طور
ہو جاتا ہے خورشیدِ فلک شام سے مستور
بخشے ہیں خدا نے دلِ بیدار دروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے لگائے ہیں نظر کو

۴۷
قندیلوں میں خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن
نور اس میں ہے یوں سینے میں جیسے دلِ روشن
خاکے ہیں کہ بر میں مہِ کنعاں کی ہے جوشن
جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلّی کا ہے مسکن
ہر وقت نیا حسن نئی جلوہ گری ہے
کھنچنے میں ہے طاؤس ابھرنے میں پری ہے

۴۸
عباسؑ علمدار کی درگاہ کے صدقے
کیا شیر ہیں ابن اسد اللہ کے صدقے
شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
جس راہ سے سب جاتے ہیں اس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رخِ حور دکھائے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھائے

۴۹
مداحیِ عباسؑ بشر کا نہیں مقدور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبحِ شبِ عاشور
اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
میداں میں صف آرا ہوا سب لشکرِ مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے امامِ ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علی پر

۵۰
جب شہ کے عزیزوں کو پیامِ اجل آیا
اک شیر سا جھنجلا کے پرے سے نکل آیا
راحت میں علمدارِ جری کے خلل آیا
تلواریں کھنچیں واں ادھر ابرو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہِ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوشِ غضب سے

۵۱
اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی
جب شمعِ مزارِ حسنؑ اعدا نے بجھائی
اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بی بیاں رنڈ سالہ پنہاتی تھیں دولہن کو

۵۲
روتے تھے بھتیجے کے لیے سیّدِ ابرار
رو کر علی اکبرؑ سے یہی کہتے تھے ہر بار
تر تھے عرقِ شرم سے عباسؑ علمدار
جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے ہتھیار
انصاف کرو منہ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مر جانے کی جا ہے

۵۳
کی زوجۂ مسلمؑ نے خدا اپنی کمائی
سب بیبیوں نے دولتِ اولاد لٹائی
بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
قاسمؑ تھے سو ماں ان کی انھیں نذر کو لائی
ہم کس سے کہیں چپکے کھڑے روتے ہیں صف میں
اماں تو مدینہ میں ہیں بابا ہیں نجف میں

۵۴
شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا
ہم شکلِ پیمبر کو اشارے سے بلایا
ہے ابرِ الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے جو رن میں خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامانِ علم منہ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

۵۵
جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال
اس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائے گا عباسؑ
منہ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائے گا عباسؑ

۵۶
حضرت نے کہا سب ہے یہ سامان جدائی
منظور تھا ضائع نہ ہو بابا کی کمائی
ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
کچھ اُن کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیے داغ جگر بھائی کا غم ہے
دھیان اپنا ہے اُن کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

۵۷
وہ چاہتے ہیں جوہر شمشیر دکھائیں
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں
آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اٹھے گا

۵۸
رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں
دم بھرتے ہیں الفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
ہم اُن پہ تصدق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اور تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

۵۹
اکبرؑ نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری
شہ بولے ابھی چپ رہو خاطر سے ہماری
ہے بعد مرے رخصتِ عباسؑ کی باری
کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا نہ کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اک زار و حزیں کو

۶۰
دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل
سو وار ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بے کس و بے آس نہ ہو گا
ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہو گا

۶۱
مختار تمھاری تو ہے بس زینبؑ دلگیر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر
لازم ہے تمھیں پالنے والے سے یہ تقریر
جو روٹھے ہیں ان کو تو منا لے ابھی شبیرؑ
اولاد کا ہے دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

۶۲
بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ
بے چین ہوئے دیکھ کے عباسؑ دلاور
حضرت کے پس پشت کھڑے ہو گئے آکر
سایا جو گیا فرق پہ داماں علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہ امم کا

۶۳
مڑ کر کہا اللہ مری جان کہاں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے
ہم دیر سے تصویر کی صورت نگراں تھے
کیوں تر گل رخسار ہیں کیا اشک رواں تھے
لاشے پہ تو روئے نہ تھے فرزند حسنؑ کے
ہاں خیمے میں پُرسے کو گئے ہو گے دلہن کے

۶۴
ان روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیر
چھاتی سے لپٹ جا مری اے صاحب شمشیر
اللہ سے کیا زور ہے جو خواہش تقدیر
کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا

۶۵
شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی
ان باتوں سے کچھ بو خفگی کی مجھے آئی
پیارے نہیں ہم تم کو یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو ادھر سبط نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو کہ خفا ہو

۶۶
لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک
قربان تمہارے پسر سیّد لولاک
زلفوں پہ کدھر جا کے جما لائے ہو یہ خاک
مجھ دردرسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
مرجاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے

۶۷
میں نے کبھی ناخوش تمہیں رکھا ہو تو کہدو
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہدو
کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہونچا ہو تو کہدو
اکبرؑ سے کبھی کم تمہیں سمجھا ہو تو کہدو
بھائی نہیں جانا یہی جانا کہ پسر ہو
تم تو مری آنکھیں ہو مرا دل ہو جگر ہو

۶۸
انصاف کرو تم سے کیا کس کو سوا پیار
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلب گار
مالک ہو مرے گھر کے مری جان کے مختار
میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علمدار
کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
بابا نہیں سر پر یہ خیال آنے نہ پائے

۶۹
اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمہیں غم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اس دم
حسرت یہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
ہے فخر غلامی مجھے اے قبلۂ عالم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

۷۰
مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا
حضرت کے تصدق سے ہوئی شان دوبالا
ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا
کیا رنج مجھے پہونچے گا اے سیّد والا
میں ہوں تو غلام آپ شہ جن و بشر ہیں
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں

۷۱
حضرت میں ہے سب احمدِ مختار کی خو بو
فرمایا بصد لطف جسے قوت بازو
بتلایئے حرم کون تھا اے سیّد خوش خو
سر اس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو
رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

۷۲
کیا سن تھا مرا خلق سے جب اٹھ گئے حیدرؑ
ہوتا الم بے پدری پھر مجھے کیوں کر
میں آپ کے سایے میں پلا یا شہِ صفدر
تھا فضل الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر
سب راز خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں

۷۳
ادنیٰ تھا میں اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت
قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت
ہر شہر میں شہرہ ہوا حضرت کی بدولت
یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت
مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نے ماں کی یہ شفقت ہے نہ ہے باپ کی شفقت

۷۴
بولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج
کیا حال ہے پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج
پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج
دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے ادھر آج
بیزاری کا باعث تو بتا دیجیے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجیے آقا

۷۵
مارے گئے خویش و رفقا مجھ کو نہ پوچھا
لڑکے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا
مرجانے کی دی سب کو رضا مجھ کو نہ پوچھا
قاسمؑ پہ چلی تیغ جفا مجھ کو نہ پوچھا
کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصہ مرا کیا جنس شہادت میں نہیں ہے

۷۶
آرام سے سب سوتے ہیں اے سیّد والا
مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچا
جاگہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا
میداں سے ہوا پیش رو قافلہ پس پا
جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
اماں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی یقیں ہے

۷۷
شہ بولے اسی بات پہ بس ہے یہ شکایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت
انصاف ہے فرطا اے پسر شاہِ ولایت
کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوت ہے تمھیں سے تو مرے قلب و جگر کو
تینوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے سپر کو

۷۸
پاتا میں زمانے میں کہاں گر تمھیں کھوتا
سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا
چین آتا جو میں ساتھ ترے قبر میں سوتا
مرجاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھولے مری الفت کو بھی اللہ برادر
رخصت کے لیے روٹھ گئے واہ برادر

۷۹
معلوم ہوا ہے تمھیں منظور ہے جدائی
لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی
میں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی
یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدق ہوے سلطان امم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہ والا کے قدم پر

۸۰
ناگاہ در خیمہ سے فضہ یہ پکاری
گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے میں واری
غش ہو گئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دو ہائی ہے رسول دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیر خدا کی

۸۱
دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرت شبیرؑ
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانوے دلگیر
پانی اسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اسے شیر
للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لیے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

۸۲ فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہؑ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمتہ للہ
روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
پانی کا ادھر شور ادھر ماتم نوشاہ
چھوٹے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لیے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

۸۳ مردے کی طرح زرد ہوا تھا رخِ روشن
چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سرد تھا سب تن
لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گلِ سوسن
ڈھلکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن
ماں روتی تھی چلّا کے تو رک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

۸۴ اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہِ ابرار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار
آوازِ پدر سن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار
قربان تری پیاس کے ہیں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہوے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

۸۵ یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی
روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی
سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

۸۶ یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان
ہاتھوں سے پلے تھے مرے تم آہ چچا جان
اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
رکھ دیجیے مری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

۸۷ پہلے شہِ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ
کچھ دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ
پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
مانوں گی نہیں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کہہ دوں تمھیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

۸۸ عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی
رکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی
بی بی کے پلانے کے لیے لاتے ہیں پانی
کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی
لے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

۸۹ چپ ہو گئی یہ سن کے سکینہؑ جگر افگار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہِ ابرار
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
تھرانے لگی زوجۂ عباسؑ علم دار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منہ چاند سا فق تھا

۹۰ حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار
غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علم دار
بیتابیٔ دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

۹۱
منہ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارہ
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا
شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا
ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
روتی ہو تو کبریٰ کی طرف دیکھ کے روؤ

۹۲
بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ
اللہ تو بے دھیان تباہی کا نہ لاؤ
تسکیں وہیں ہو گی تم اب رانڈوں میں جاؤ
بچے ہیں بلکتے انھیں چھاتی سے لگاؤ
دنیا سے کئی داغ جگر لے کے چلے ہیں
ہم اپنی نشانی یہ پسر دے کے چلے ہیں

۹۳
چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا
یہ درد وہ ہے درد جس کا نہیں چارا
بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا
صاحب نہ ہوے جب تو رہا کون ہمارا
سینوں میں جگر داغِ یتیمی سے جلیں گے
بچے مرے کمسن ہیں یہ کس طرح پلیں گے

۹۴
بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہ ابرار
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
تم سے بھی نہ رو کے گئے عباسؑ علمدار
حضرت ہی رضا دینے کے ہیں مختار
مالک مرے اور آن کے شہِ عرش بریں ہیں
بانوں کی ہیں لونڈی یہ غلام شہ دیں ہیں

۹۵
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں اے شاہ
ماں کو علی اکبرؑ کے سہاگن رکھے اللہ
کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصت جنگاہ
میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انھیں چاہ
جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
فخر اس کا جو زہراؑ کی کمائی پہ فدا ہو

۹۶
یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے
گہ زیرِ فلک جا کے دعا کی کبھی روئے
مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوے
رخصت جو ملی اب تو انھیں عید ہوئی ہے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

۹۷
اک آہ بھری شہ نے یہ سن کر سخنِ یاس
سر کھولے ہوے غول تھے رانڈوں کے چپ و راس
آہ اب بجا لا کے چلے حضرت عباسؑ
چلاتے تھے شہ اب ہوے ہم بے کس و بے آس
تا زیست تو اب درد جدائی نہیں جاتا
دنیا سے علیؑ جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

۹۸
غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر
اے بے کس و بے یار خدا حافظ و ناصر
شبیرؑ کے غم خوار خدا حافظ و ناصر
سید کے مددگار خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمھیں آتے ہوے دیکھیں

۹۹
چلاتی تھیں زینبؑ کہ میں صدقے ترے بھیا
پردے کے قریں بازوئے شبیرؑ جو پہونچا
سچ ہے کہ حسینؑ آج ہوے بیکس و تنہا
اونچا گیا فضہ نے درِ خیمہ کا پردا
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا
بدلی جو ہٹی نیرِ اعظم نکل آیا

دی پیک نے بڑھ کر سوئے اصطبل یہ آواز	۱۰۰	آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیز سبک تاز
تھا رشکِ فلک سیر کی آمد کا یہ انداز		جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
سرعت کے سبب سائے میں عالم تھا ہرن کا		اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلہن کا
خوبی جو رکابوں کی مہِ نو کبھی پائے	۱۰۱	ہاتھ آئے تو آنکھوں سے فلک اپنی لگائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چرائے		اڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اس نے اڑائے
غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی		غل تھا کہ پری اڑ کے پرستان سے آئی
گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ علمدار	۱۰۲	رانوں میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو اک بار		شیر آتا ہے دریا کی ترائی پہ خبردار
ہاں رُخ طرفِ نہر ہے اس بحرِ کرم کا		خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا
ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھریرا	۱۰۳	پنجہ کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا		گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہونچا		لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہونچا
ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں	۱۰۴	پانی کے لیے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ اُمم آتا ہے رن میں		سلطان کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا		دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا
چتون تو قیامت کے ہیں تیور ہیں غضب کے	۱۰۵	اک حملے میں سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
فرزند ہیں یہ فخرِ شجاعانِ عرب کے		شیر ان کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
بچے کبھی اس گھر کے ہیں رن سے ٹلے ہیں		یہ سب اسد اللہ کے بیشے میں پلے ہیں
خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے	۱۰۶	خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اس سے ملائے
یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے		خود ڈھونڈھے نظیر اپنی تو عالم میں نہ پائے
چہرہ گلِ شاداب ہے قد سروِ سہی ہے		یوسفِ شہِ والا کے عزیزوں میں یہی ہے
ہر شہر میں پیشانیِ انور کا ہے شہرا	۱۰۷	سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف ہے یہ دوہرا
گویا ورقِ ماہ یہ ہے مہر کا مُہرا		دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زہرا
اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا		موسیٰ نے یہ جلوہ یدِ بیضا میں نہ دیکھا
غصّے سے جو تیوری کو چڑھاتی ہے یہ جرار	۱۰۸	گویا کہ ہیں دو ناخنِ شیر ابروئے خمدار
بے جنگ ہوئی جاتی ہیں گھائل صفِ کفار		بل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے		یہ کاٹ کبھی تیغِ دو دستی میں نہیں ہے

۱۰۹
گردوں پہ مہِ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
شمشیرِ ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
ایک بیت کے یہ مصرعۂ برجستہ ہیں دونوں
ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دل بستہ ہیں دونوں

۱۱۰
کہیے مہِ نو ان کو تو یہ رو نہیں اس میں
ہے اک گلِ خورشید سو خوشبو نہیں اس میں
مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اس میں
آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اس میں
بو ہے گلِ تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
قدِ سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

۱۱۱
آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے
حلقے میں سوادِ شب و نورِ سحری ہے
ہاں دیدۂ نرگس کا بھی مضمون نظری ہے
یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشمِ ملک نے نہیں دیکھی

۱۱۲
قطروں سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو
آنکھوں سے نہاں ہے جو رخِ سید خوش خو
بے لطف ہے جب تک کہ نہ ہو چشم نہ ابرو
پتلی صفتِ قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
روتے ہیں فراقِ پسرِ شاہِ نجف سے
آنسو نہیں موتی نکل آتے ہیں صدف سے

۱۱۳
خط ہے جو شبِ قدر تو رخ صبحِ ارم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
دیکھو خطِ ریحاں ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے

۱۱۴
یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
رنگِ لبِ نازک گلِ تر نے نہیں پایا
یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

۱۱۵
خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شبِ مہتاب میں دیکھے
ہیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لائقِ تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

۱۱۶
آئینے کو حیراں کیا گردن کی صفا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے
ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

۱۱۷
دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
نہ دیکھ لیں خود بھی یہی پتلی میں سمائی
یہ رستمِ دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی
بے تیغ کھنچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

۱۱۸ انوارِ الٰہی سے منور ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدرؑ ہے یہ سینہ
مسکن ہے جہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
عدل و کرم و داد کا مقدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوش بو کہ پسینہ ہے قبا میں
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

۱۱۹ اس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ
جس جا پہ ہو نقشِ قدمِ ابنِ ید اللہ
خم ہو گئی مرجانے سے جس کے کمرِ شاہ
ٹُنے سے وہ مثلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک ہو چرخ بریں کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

۱۲۰ ورثے میں بزرگوں کے ملے ہیں انھیں ہتھیار
ہاشم کا سپر خودِ ابو طالبؑ سردار
قبضے میں ہے تیغِ کمرِ حیدرِ کرار
دستانے پہنتے تھے یہی جعفرؑ طیار
حمزہؑ اسی نیزے سے وغا کرتے تھے رن میں
دیکھی تھی اسی طرح زرہ جسمِ حسنؑ میں

۱۲۱ اللہ رے اوجِ علمِ فوجِ پیمبرؐ
تھا سر پہ ہما سایہ فگن کھولے ہوئے پر
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی فر فر
پنجے کی ضیا دیکھ کے خورشید ہے ششدر
تابندہ کوئی شے نہیں زیرِ فلک ایسی
موسیٰ نے تجلی میں نہ دیکھی چمک ایسی

۱۲۲ صف باندھے ہوئے محوِ تماشا تھے ستم آرا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا
جو حضرتِ عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

۱۲۳ ناگاہ کہا شمرِ جفا جو نے یہ بڑھ کر
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر
اے وارثِ شمشیرِ علیؑ ثانیِ جعفرؑ
لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے سر بر
بچتے نہیں بچنے کے جو مرنا ہے تو آؤ
پانی کے لیے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

۱۲۴ کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہِ ذی جاہ
مفت اپنی جوانی کو نہ ضائع کرو للہ
یوسفؑ کو گنواتے ہیں یہ کس طرح کی ہے چاہ
آبِ دمِ شمشیر پہ اس نہر کی ہے راہ
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تیغوں کی باڑھوں میں تمھیں گھاٹ ملے گا

۱۲۵ عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
اک وار میں اِس پار سے اُس پار ہم آئے
ہاں روک تو او ظالمِ غدار ہم آئے
لے گھاٹ سے اور نہر سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے مالک تہِ افلاک ہمیں ہیں
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

۱۲۶ پس پا ہوں یہ جائز نہیں پیشے میں ہمارے
ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
کتنا ہے پہاڑ آگ ہے تیشے میں ہمارے
بر آ نہیں سکتا کوئی بیشے میں ہمارے
خاطر جو کشیدہ ہو تو جھکتے نہیں غازی
گر آگ کا دریا ہو تو رکتے نہیں غازی

۱۲۷
تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم منہ کو نہ موڑیں
مر جائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں
سر جائے تو حیدرؑ کے طریقوں کو نہ چھوڑیں
گر قلعۂ خیبر ہو تو ایک ہاتھ میں توڑیں
سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

۱۲۸
فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا
ہالا ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
اس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکرِ روباہ میں آیا

۱۲۹
دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اک بار
ہلنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار
عالم کو قیامت کے نظر آ گئے آثار
صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرفِ غار
جن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچائے
چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

۱۳۰
گرتے تھے طیورانِ ہوا کھوئے ہوئے پر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر
شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
سب جان بچانے کے لیے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابن شہِ قلعہ شکن نے
منہ ڈال دیا شیر کے قدموں پہ ہرن نے

۱۳۱
جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی
جب وار کیا قوتِ حیدرؑ نظر آئی
ریتی پہ ہر اک لاش برابر نظر آئی
گہہ تنگ کے نیچے کبھی سر پر نظر آئی
غل ہوتا تھا کرتی تھی دو پارا جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

۱۳۲
تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی
اس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں برقِ اجل ہم پہ جھکی ہے
ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رکی ہے

۱۳۳
ترکش کو نہ چھوڑا نہ کمانداروں کو چھوڑا
بے دو کیے راکب کو نہ رہوار کو چھوڑا
حلقے کو نہ چلّے کو نہ سوفار کو چھوڑا
چھوڑا تو سسکتا ہوا دو چار کو چھوڑا
رخ سب قدر اندازوں کے پھرتے ہوئے دیکھے
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے ہوئے دیکھے

۱۳۴
مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی
سر پر جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
گہہ ڈوب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رکتی
یہ ضرب تو جبرئیلؑ کے پر سے نہیں رکتی

۱۳۵
نے ڈھال پہ نہ سر پہ نہ گردن پہ رکی وہ
نے سنگ نہ اشجار نہ آہن پہ رکی وہ
سینے پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی وہ
نے زیں پہ نہ پایہ نہ توسن پہ رکی وہ
یہ چاشنی خونِ عدو بھا گئی اس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اس کو

۱۳۶
سینے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب حال سے نکلی
پہونچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
چار آئینہ کو آٹھ کیا کاٹ نے اُس کے
ٹھلا دی ہر اک کشتی تن گھاٹ نے اس کے

۱۳۷
جوں موج ہوئی فوج میں ہل چل لب دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لب دریا
دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لب دریا
پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بھی بادل لب دریا
بدلی میں نہ اس تیغ کا پرتو نظر آیا
مطلع جو ہوا صاف مہِ نو نظر آیا

۱۳۸
جب ناریوں کو تیغ کے گھاٹ اُس نے اُتارا
سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا
لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا
کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمھارا
تم کہتے ہو ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

۱۳۹
یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں
ہر چند گرفتار غریب الوطنی ہیں
ہم قوت بازوئے امام مدنی ہیں
پر شیر غضبناک دم تیغ زنی ہیں
بے بات کی پچ نام پہ مرتے ہیں بہادر
جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر

۱۴۰
خالی تو ہیں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا
ممکن تھا کہ یہ شیر ترائی کو نہ پاتا
ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو برچھیاں کھاتا
کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا
مٹی بھی یہیں کی تن صد چاک پہ ہوتی
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

۱۴۱
عباس دلاور تو یہ کہتے تھے بہ صد قہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر
پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرف نہر
فرماتے تھے ابن شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

۱۴۲
کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار
تھے صاف حباب لب دریا گل بے خار
حسن رخ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
تھی نور کی ضو عکس سے گرداب کے اندر
خورشید تو باہر تھا قمر آب کے اندر

۱۴۳
پہلے تو کہا دل سے بجھا لیجئے یہاں پیاس
سوچے کہ سلامت تو پہونچنے کی نہیں آس
پر ساتھ ہی ڈوبے عرق شرم میں عباسؑ
نم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بصد یاس
جب تشنہ دہن تا بہ لب جو نکل آئے
اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

۱۴۴
دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
شیث آیا کئی سو قدر اندازوں کو لے کر
بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوج ستمگر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور
پیاسے پہ گھٹا شام کے لشکر کی جھکی تھی
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی

۱۴۵

غصے میں بڑھے آتے تھے عباسؑ علمدار
حملے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار
تھی مشک سکینہؑ پہ سپر ہاتھ میں تلوار
اس غول کے آگے کبھی اس صف کے ہوئے پار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا
آتا تھا کبھی اور کبھی اڑ جاتا تھا گھوڑا

۱۴۶

شعلے کی لپک تیغ کی پرتو نے دکھائی
رفتار غزال اس کی تگ و دو نے دکھائی
بجلی کی تڑپ اسپ سبک رو نے دکھائی
ہر سم کے تلے شکل مہِ نو نے دکھائی
آہو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آئے
ہیکل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آئے

۱۴۷

جب بڑھتے تھے عباسؑ تو ٹل جاتے تھے ناری
گھبرا کے ہر اک صف سے نکل جاتے تھے ناری
نعرے سے بہادر کے دہل جاتے تھے ناری
جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری
اعجاز یداللہ کے جانی نے دکھایا
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

۱۴۸

جا جا کے جو ہر صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
جس وقت گرے دونوں طرف بازوؤں پر تیر
برچھی کہیں کھائی کہیں نیزہ کہیں شمشیر
عباسؑ بنے جعفرؑ طیار کی تصویر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
اب سوئے جناں نہر سے پرواز کریں گے

۱۴۹

گھوڑا جو رکا گھیر لیا فوج نے اک بار
گھبرا گئے جب پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
زخمی تھی کلائی پہ چلی جاتی تھی تلوار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتا تھا علمدار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی
گھوڑے کی بھی گردن دمِ طاؤس بنی تھی

۱۵۰

تھے جسم پہ مانند زرہ تیروں کے روزن
تھی غرق بہ خوں تن کی قبا زین کا دامن
گویا کہ لہو دیتا تھا ہر دیدۂ جوشن
غش آتا تھا ہر نے پہ جھکی جاتی تھی گردن
کھا کھا کے سناں شکر خدا کرتے تھے عباسؑ
پر مشک نہ سینے سے جدا کرتے تھے عباسؑ

۱۵۱

غل فوج میں تھا مار لیا شیر ژیاں کو
پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو
ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو
توڑو کمر سبطِ رسولِ دوجہاں کو
مرجائے گا تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا
پانی جو بہاؤ گے تو زور اس کا گھٹے گا

۱۵۲

جب گھر گیا اعدا میں علمدار حسینؑ
زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوار حسینؑ
لڑتا رہا تا دیر مددگار حسینؑ
غل تھا کہ مٹی رونق گلزار حسینؑ
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

۱۵۳

یاں کا تو یہ نقشہ تھا سنو حالتِ سرور
ڈیوڑھی پہ تو سب اہلِ حرم اور آپ ہیں باہر
پھرتے تھے کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؐ
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی ہائے برادر
تکتے ہیں سوئے نہر سراچوں کے تلے سے
لپٹائے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

۱۵۴ منہ چوم کے کہتے ہیں نہ رو میں ترے قرباں
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتا ہے وہ ناداں
تو باپ کے آنے کی دعا مانگ مری جاں
اللہ یتیمی سے بچائے سب مجھے اس آن
بھائی کی نشانی پہ فدا ہوتے ہیں شبیرؑ
معصوم دعا کرتا ہے اور روتے ہیں شبیرؑ

۱۵۵ پھر غل جو ہوا رن میں تو زینبؑ کو پکارے
گھیرا ہے مرے شیر کو دریا کے کنارے
آتی ہے تباہی بہن اب گھر میں ہمارے
مارے کوئی مجکو مرے بھائی کو نہ مارے
عباسؑ کی گردن سے تو شمشیر ملے گی
پر مجکو کہاں باپ کی تصویر ملے گی

۱۵۶ ڈیوڑھی پہ تلاطم تھا حرم کرتے تھے زاری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بیبیاں ساری
کہتی تھی سکینہؑ کہ چلی جان ہماری
یا شیر خدا خاک میں مل جائیں یہ ناری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچائے
اللہ سکینہؑ کے بہشتی کو بچائے

۱۵۷ ناگاہ یہ جاں کاہ صدا دشت سے آئی
تصویر علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی
ہاں طبل بجے تیغ علم دار نے کھائی
دیکھیں تو کہ اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
تنہا شہِ والا کا علم کر دیا ہم نے
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کر دیا ہم نے

۱۵۸ نوفل سے کیا شمر لعیں نے جو اشارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا
وہ دستِ علم دار اٹھا کر یہ پکارا
دیکھے انھیں کس جا ہے ید اللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

۱۵۹ یہ خون بھرے کس کے ہیں الماس سے بازو
لشکر کا علم کیا ہوا اے سیّد خوش خو
ہے کس گلِ رنگیں میں ید اللہ کی خوش بو
وہ کون تڑپتا ہے ترائی میں لب جو
وہ نہر پہ خنجر سے گلا کٹتا ہے کس کا
بسمل کی طرح خاک میں جی لوٹتا ہے کس کا

۱۶۰ بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ
اتنا تو کہا مر گئے عباس علیؑ آہ
تھرانے لگے غیظ سے ابن اسد اللہ
تیغ دوزباں کھینچ کے دوڑے شہ ذی جاہ
یاں بنتِ علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

۱۶۱ عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا
کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا
اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

۱۶۲ فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا
دریا پہ جو پہونچا اسد اللہ کا جایا
گودی میں اسے دوڑ کے فضہ نے اٹھایا
واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار مجروح جو تھا تیروں سے وہ جسمِ گہر بار	۱۶۳	صدقے ہیں ترے اے مرے لشکر کے علمدار عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے		سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے
حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ	۱۶۴	عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ یاری جو زباں دے کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی		بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی
عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ	۱۶۵	کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہے		اس وقت تلک منہ مرا قبلہ کی طرف ہے
سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے آپ آئے حسنؑ آئے رسولِؐ زمن آئے	۱۶۶	وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلدِ بریں جاتی ہے آقا		کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا
یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے	۱۶۷	کلمہ جو پڑھا ہونٹھ علمدار کے تھرائے سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ		گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے	۱۶۸	عباسؑ ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدّق		عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدق
کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینا بتلاؤ بھتیجی کو تسلّی کا قرینا	۱۶۹	چلاتی ہے ڈیوڑھی سے بھتیجی ہائے سکینہؑ اس صدمے سے اس بچی کا دشوار ہے جینا
یہ مشک جو داں خون میں تر جائے گی بھائی		بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی
زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے حضرت نے کہا جعفرؑ طیار سدھارے	۱۷۰	بیکس ہوئے شہ حیف ہے غمخوار سدھارے جرار و وفادار و مددگار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی		باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی
خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاری شبیرؑ ہر بات میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر	۱۷۱	ٹکڑے کیے دیتی ہے جگر کو تری تقریر مصرعے ہیں محبوں کے کلیجے کے لیے تیر
کم ہے عوض اس کا جو کوئی کوہ طلا دے		آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

رباعی

یارب کہیں جلد وہ زمانہ ہووے
بندہ سوئے کربلا روانہ ہووے
لیکن یہ دعا ہے یا مجیب الدعوات
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

رباعی

جب وارد حشر رونے والے ہوں گے
شاہِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامۂ اعمال کے قبالے ہوں گے

رباعی

گذرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن بھی جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طول عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

رباعی

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

رباعی

انسان ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوفِ صیاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

رباعی

یہ حرص لئے کے جا بجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

عباس علیؑ گوہر دریائے شرف ہے غازی کی وفاداری کا غل چار طرف ہے	مرثیہ ۱	سو لعل نہ پہونچیں جسے وہ دُرِّ نجف ہے کیوں شیر نہ ہو شیر الٰہی کا خلف ہے
حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا		اس نہ صدف برج میں اک دُر نہیں ایسا
ہم طلعتِ یوسفؑ تھا وہ اولادِ علیؑ میں ہمت نہ یہ جرأت نہ یہ شوکت تھی کسی میں	۲	تھی قوتِ خیبر شکنی شیر جری میں تھا ایک جوان لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
مشہور ہے اس صاحبِ شمشیر کی طاقت		آنکھ اس سے ملائے یہ نہیں شیر کی طاقت
غازی کی زہے قدر زہے دبدبہ و جاہ زیبِ علم فوج ہزبرِ صفِ جنگاہ	۳	حمزہؓ کی جو شوکت تو شکوہِ اسداللہؑ اقلیمِ جوانمردی و ہمت کا شہنشاہ
بخشش سے کبھی ہاتھ کو خالی نہیں پایا		جعفرؑ نے بھی یہ رتبۂ عالی نہیں پایا
اللہ نے دی عزت و توقیر یداللہؑ ہر بات میں رنگینیٔ تقریر یداللہؑ	۴	مشہور ہوئے وارثِ شمشیر یداللہؑ صورت کا یہ انداز کہ تصویر یداللہؑ
روشن ہوا دل قدرتِ اللہ کو دیکھا		دیکھا شہِ مرداں کو جو اس ماہ کو دیکھا
لشکر شکن و صفدر و زور آور و خوش رو خلقِ حسنی غربتِ شاہنشہِ خوش خو	۵	فرزند یداللہؑ تو شبیرؑ کا بازو ساری وہی ہمت وہی خصلت وہی خو بو
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں		کیا کیا صفتیں جمع تھیں اس ایک جواں میں
سرو چمنِ مرتضوی تھا قد بالا عضو بدن ایسے کہ کہے دیکھنے والا	۶	فرزند نبیؐ نے جسے آغوش میں پالا ہے نور کے سانچے میں خدا نے اسے ڈھالا
رُخ ایک طرف حسن سے اعضا نہیں خالی		خوبی سے سراپا میں کوئی جا نہیں خالی
رعب ایسا کہ شیروں کا جگر خوف سے تھرائے حلم ایسا کہ تصویرِ حسنؑ آنکھوں میں پھر جائے	۷	زور ایسا کہ قوت اسداللہ کی یاد آئے حسن ایسا کہ یوسفؑ بھی جسے دیکھ کے شرمائے
نظارہ خورشید گوارا تھا نظر کو		اس رخ پہ ٹھہرنے کا نہ یارا تھا نظر کو
اس طرح کا صفدر کوئی آفاق میں کم تھا ہمراہ سدا لشکرِ اقبال و حشم تھا	۸	حقا کہ وہ فخرِ عرب و روم و عجم تھا زیبا تھا علم اس کو تو وہ زیبِ علم تھا
شبیرؑ سا سردار خوش اطوار نہ ہوگا		عباسؑ دلاور سا علمدار نہ ہوگا
اللہ نے دو شیر کیے خلق میں پیدا ہمت میں وہ بے مثل شجاعت میں وہ یکتا	۹	حیدرؑ سا ولی حضرتِ عباسؑ سا آقا عاشق وہ محمدؐ کے یہ شبیرؑ کے شیدا
اُن کو تو نبوت کا نگہبان کیا تھا		حکم ان کو امامت کی حفاظت کا دیا تھا

۱۰
کیا کیا شہ مرداں نے محمدؐ کی مدد کی — جو آئی بلا شیر الٰہی نے وہ رد کی
برباد کیا کفر کو اور دین کی کد کی — مشہور ہے عالم میں وغا بدر و احد کی
کہہ دے کوئی اصحاب وفادار کدھر تھے — تلوار چلی جب تو علیؑ سینہ سپر تھے

۱۱
وہ فخر شجاعانِ جہاں فارسِ میداں — شمشیر خدا قوتِ دیں کاشفِ قرآں
عنتر کش و خیبر شکن و ضیغمِ یزداں — تھا بیرِ الم میں بھی محمدؐ کا نگہباں
پر جلتے تھے اُن سب کے بہادر جو بڑے تھے — ٹھہرے نہ قدم اُن کے علیؑ کو دیڑے تھے

۱۲
خندق کی وغا میں جو ہوئی فوج صف آرا — واں عمرو سے لڑنے کو نہ تھا ایک کو یارا
ایک ضرب میں مولا نے کیا اس کو دوپارا — گردوں سے فرشتوں نے یہ خوش ہو کے پکارا
بس اب نہ رسولؐ دو جہاں ہو ویگا ایسا — تیغ ایسی نہ ہو گی نہ جواں ہو گا ایسا

۱۳
عباسؑ کو بھی ایسی ہی تھی الفت شبیرؑ — اک آن گوارا بھی نہ تھی فرقت شبیرؑ
عاشق کی طرح دیکھتے تھے صورت شبیرؑ — یا طاعت معبود تھی یا خدمت شبیرؑ
نعلین تھی شہ کی انھیں افسر کے برابر — حضرت کو سمجھتے تھے پیمبرؐ کے برابر

۱۴
اللہ ری وفاداری عباسؑ خوش اطوار — ہے بعد فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
رکھتے ہیں جب ور اس علم شہ کے عزادار — اور بیچ میں ہوتی ہے ضریح شہ ابرار
مرنے پہ بھی عشقِ شہِ خوش خو نہیں چھوڑا — اب تک شہِ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا

۱۵
مرتے رہے شبیرؑ پہ جب تک کہ جیئے ہیں — بے جان تو ہیں بھائی پہ گر جان دیئے ہیں
بے دست ہیں ہاتھوں سے گر سایہ کیئے ہیں — آغوش میں فرزند پیمبرؐ کو لیے ہیں
عاشور کے دن تعزیہ داری میں ہیں آگے — گھر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے

۱۶
بھائی تھے مگر بندۂ شاہِ شہدا تھے — وہ اُن پہ تصدق یہ شہِ دیں پہ فدا تھے
وہ گل تھے تو یہ بلبلِ بستانِ وفا تھے — وہ قبلۂ ایماں تھے تو یہ قبلہ نما تھے
بلبل کو بھی یہ عشقِ گلستاں نہیں ہوتا — پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

۱۷
عباسؑ سا دل سوز نہ ہو گا کوئی زنہار — اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ انس نہ یہ پیار — قربان علمدار نثار شہِ ابرار
مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا — صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا

۱۸
بیٹی سے محبت جو بہت رکھتے تھے سرور — عاشق تھے سکینہؑ کے علمدار دلاور
آغوش مبارک میں لیے پھرتے تھے دن بھر — بیٹوں سے زیادہ انھیں پیاری تھی وہ دختر
فرماتے تھے گھر کی مری آبادی ہے یہ تو — خادم ہوں میں اس کا مری شہزادی ہے یہ تو

19
گردن سے لپٹ کر جو وہ کہتی تھی چچا جاں
زانو پہ بٹھاتے جو اسے سرورِ ذی شاں
یہ کہتے تھے عمو تری آواز کے قرباں
منہ چھوٹے سے پاؤں پہ یہ رکھ دیتے تھے اُس آں
پروا تھا کہ ثابت نہ ہو سلطانِ امم پر
مل لیتے تھے آنکھیں شہ والا کے قدم پر

۲۰
زینبؑ سے یہ فرماتے تھے اکثر شہ ذی جاہ
ہے اس کی وفا سے دلِ شبیرؑ ہی آگاہ
یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ہیں مرے ہمراہ
یہ پاس ہو گر اور کوئی پاس نہ ہووے
میں قالب بے جاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

۲۱
کیوں اہل عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار
قاسمؑ جو ہوا رن میں فدائے شہ ابرار
اب سبطِ پیمبرؐ سے بچھڑتا ہے علمدار
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
سنتے ہی گرفتار الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

۲۲
زینبؑ سے کہا لو بہن اب تن سے چلی جان
صدقے ہو برادر اسے روکو کسی عنوان
عباسؑ دلاور کے بچھڑنے کا ہے ساماں
مر جاؤں گا میں گر وہ سدھارے سوئے میداں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو
جیتا رہے عباسؑ حسینؑ اس پہ فدا ہو

۲۳
اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اٹھا لے
سجادؑ کو سمجھائے سکینہؑ کو سنبھالے
وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے
عباسؑ جنازہ مرا اس گھر سے نکالے
اس کو یہ خوشی ہے کہ برادر مجھے روئے
میں اس کو نہ روؤں وہ دلاور مجھے روئے

۲۴
میں نے تو ہے بیٹوں کی طرح سے اسے پالا
میں اس کا ہوں عاشق وہ مرا چاہنے والا
زینت مرے گھر کی مرے لشکر کا اجالا
کیونکر نہ ہو سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پاؤں گا کہاں جا کے اگر کھوئے گا عباسؑ
پیدا نہ علیؑ ہوں گے نہ پھر ہوئے گا عباسؑ

۲۵
بھائی نہیں وہ روح ہے شبیرؑ کے تن کی
جاتی ہے بہار آج محمدؐ کے چمن کی
جب جان نہ ہو تن میں تو کیا قدر بدن کی
بھینا یہی دولت ہے مجھ آوارہ وطن کی
تصویر علیؑ جب نہ مرے گھر میں رہے گی
پھر جان نہ فرزند پیمبرؐ میں رہے گی

۲۶
بابا کی نشانی ہے وہ اے زینبؑ دلگیر
ہاتھوں سے گنوا دوں میں یداللہ کی تصویر
عباسؑ کے ہونے سے قوی ہے دلِ شبیرؑ
رکھ دیتا ہے بازو کوئی اپنا تہِ شمشیر
دانستہ بھلا اپنا برا کرتا ہے کوئی
اس طرح کے عاشق کو جدا کرتا ہے کوئی

۲۷
رن سے مرے لاشے کو اٹھا لائے گا پھر کون
بچے مرے روئیں گے تو سمجھائے گا پھر کون
ہمراہ جنازے کے مرے جائے گا پھر کون
روضے پہ نبیؐ کے مجھے پہنچائے گا پھر کون :.:.
اعدا کو مری روح کا بھی پاس نہ ہوگا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباسؑ نہ ہوگا

۲۸
فرماکے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور
بیتابی شبیرؑ پہ زینبؑ ہوئی مضطر
غصہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر
باہر ہیں کہ خیمے میں ہیں عباسؑ دلاور
یاں بادشہ عرش نشیں خاک نشیں ہے
کیا بھائی کے رونے کی خبر اُن کو نہیں ہے

۲۹
بولی یہ سکینہؑ کہ سنو مجھ سے پھوپھی جاں
میں تھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا ساماں
ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوڑتیں داماں
وہ کہتے ہیں ہونے دو مجھے شاہ پہ قرباں
اس فدیۂ سلطان دو عالم کو نہ روکو
ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

۳۰
کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے
صاحب میں تمھیں واسطے دیتی ہوں خدا کے
فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے
رونے کا نہ غم اُن کے یہ رخصت کی خوشی ہے
اللہ تمھیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

۳۱
ہے ہے تمھیں کچھ میری تباہی کا نہیں غم
منظور یہ ہے قید میں سر ننگے پھریں ہم
فرماتے ہیں وہ دھیان کسی کا نہیں اس دم
بچے بھی فدا ہم بھی نثار شہ عالم
رونا نہ وصیت یہ کیے جاتا ہوں تم کو
بانوؑ کی کنیزی میں دیے جاتا ہوں تم کو

۳۲
یہ سن کے جو میں رونے لگی اشک بہا کر
فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمھیں نہر سے لا کر
تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
پر حال یہاں کا مرے آقا سے نہ کہنا
روتی ہیں چچی یہ شہ والا سے نہ کہنا

۳۳
زینبؑ کو سکینہؑ نے خبر جب یہ سنائی
شہ بولے بہن اب نہ رکے گا مرا بھائی
بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی
واللہ سکینہؑ یہ ہے پیغام جدائی
بے وجہ تو مشکیزے کو جانی نہیں مانگا
تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا

۳۴
اس پردے میں بی بی انھیں منظور ہے مرنا
منت سے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
الفت ہے تو پانی کا سوال اُن سے نہ کرنا
دشوار ہے بے خوں میں بھرے مشک کا بھرنا
پانی کے لیے ہاتھ سے کھوؤ گی چچا کو
دریا پہ جو بھیجو گی تو روؤ گی چچا کو

۳۵
گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ ناداں
سچ کہتے ہو بابا مجھے کچھ اس کا نہیں دھیان
سب روتے ہیں لو یاں تو ہے کچھ اور ہی ساماں
اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جاں
بے روکے ہوئے اُن کو اب آرام نہ لوں گی
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی

۳۶
ہرچند کہ دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
اب جانے نہ دوں گی انھیں دریا کے کنارے
پانی مجھے پیارا نہیں عباسؑ ہیں پیارے
کیا ہاتھوں سے کھو دوں گی میں بازو کو تمھارے
عاشق ہیں مرے مجھ کو رلا سکتے ہیں عباسؑ
تم روؤ نہ بابا کہیں جا سکتے ہیں عباسؑ

٣٧
بس اتنے میں عباسؑ دلاور نظر آئے
کچھ سوچ کے زینبؑ نے قدم جلد بڑھائے
چار آئینہ پہنے ہوئے ہتھیار لگائے
فرمایا کہ صدقے بہن اس آنے کے جائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
مرجاؤں گی رخصت کو نہ شبیرؑ سے کہنا

٣٨
بھائی ہے مرا بے وطن و بے کس و بے آس
سو طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس
تم اُن کو رلاؤ نہیں لازم تمھیں عباسؑ
جب تم نہ ہوئے پاس تو جینے سے ہوئی یاس
بے مونس و یاور پسر شاہ نجف ہے
منصف ہو تمھیں بھائی مرا حق کی طرف ہے

٣٩
قوت تمھیں اُن کی تھیں شوکت تمھیں اقبال
لو آن کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال
بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؑ کا لعل
کس درد سے روتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ ساتھ اس کے ہمارا بھی سفر ہے
بھینا مجھے عباسؑ کے مرجانے کا ڈر ہے

٤٠
عباسؑ بھی رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر
کی عرض کہ اے وارث ذریت حیدرؑ
اور دست ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؑ کے برابر
اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجے
اے بنت علیؑ عقدہ کشائی مری کیجے

٤١
دنیا میں علیؑ ہوتے تو غم کاہے کو سہتا
ماں ہوتیں تو کچھ ان سے سفارش کو میں کہتا
یوں اشکوں کا دریا مری آنکھوں سے نہ بہتا
رخصت کا فقط کام تھا یوں بند نہ رہتا
کیا غم ہے جو سر پر مرے ماں باپ نہیں ہیں
پالا ہے مجھے کیا مری ماں آپ نہیں ہیں

٤٢
اب جینے سے بیزار ہے دنیا میں مرا دل
ساتھی تو ہوے سب چمن خلد میں داخل
گر آپ مدد کیجیے تو آساں ہو یہ مشکل
دن ڈھلتا ہے کھوٹی نہ کہیں ہو مری منزل
آداب تو مانع ہے یہ دل رہ نہیں سکتا
میں فاطمہؑ کے لال سے کچھ کہہ نہیں سکتا

٤٣
بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا ہمشیر
مرجانے میں ہے آج مری عزت و توقیر
وہ کیجیے کہ رخصت پہ رضا مند ہوں شبیرؑ
شبیرؑ کے بدلے مری چھاتی پہ لگیں تیر
کوشش کرو اپنی جد امجد کا تصدق
دلوادو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدق

٤٤
عباسؑ کا منہ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو
شبیرؑ تو روتے ہیں یہ کہتے ہیں رضا دو
سمجھاتی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھ کو
کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو
بے بے نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی
اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی

٤٥
بتلاؤ میں اس ٹوٹے ہوئے گھر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہ کو کہ اصغرؑ کو سنبھالوں
یا ہاتھوں سے اپنے دل مضطر کو سنبھالوں
عباسؑ کو روکوں کہ برادر کو سنبھالوں
جان ان میں لگی ہے مرا دل ان کی طرف ہے
وہ لعل ہے زہراؑ کا تو یہ در نجف ہے

کیوں کر کہوں بھائی سے کہ بھائی کو رضا دو مرنے پہ یہ مرتے ہیں انھیں اذن وغا دو	۴۶	عباسؑ علم دار کو ہاتھوں سے گنوا دو غم ہوگا تو خوش ہوں گے بھیں مجکو بتا دو
بھائی کو یہ سنتے ہی غش آجائے گا بھائی		ہم سے تو نہ رخصت کو کہا جائے گا بھائی
لے چلنے کو لے چلتی ہوں آؤ مرے ہمراہ زانو پہ جھکائے ہوئے سر رو رہے تھے شاہ	۴۷	جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابن یداللہؑ قدموں پہ گرا سبطِ پیمبرؐ کے وہ ذی جاہ
شہ نے کہا کیا کہتے ہو خیر باد برادر		اٹھو مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
اِن ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنے کے میں صدقے کیوں روتے ہو اس اشک بہانے کے میں صدقے	۴۸	سر شرم سے قدموں پہ جھکانے کے میں صدقے بازو کے تصدق میں ترے شانے کے صدقے
بھائی یہ تری گل بدنی بھاتی ہے مجکو		بو حیدر کرار کی آجاتی ہے مجکو
منہ مل کے کفِ پا سے لگے کہنے علمدار سائل کو ئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار	۴۹	ہیں آپ سخی ابن سخی یا شہ ابرار خادم بھی ہے مرجانے کی رخصت کا طلب گار
جب تک کہ رضا رن کی نہ میں پاؤں گا آقا		اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا
شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اٹھاؤ اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان نہ لاؤ	۵۰	کیوں روتے ہو کب میں نے کہا یہ کہ نہ جاؤ فاقے کئے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ
قرباں تمھیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے		شبیرؑ کو رونے کو بنایا ہے خدا نے
روتے ہوئے قدموں سے اُٹھے حضرتِ عباسؑ فرمایا سکینہؑ سے کہ اب کچھ نہیں وسواس	۵۱	اور گرد پھرے سبطِ پیمبرؐ کے بصد یاس کیوں مشک چھپا رکھی ہے لے آؤ مرے پاس
اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریں ہے		بولی یہ سکینہؑ کہ مجھے پیاس نہیں ہے
منہ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش خو لشکر کا علم دار تو ہم کر چکے اُن کو	۵۲	حضرت نے کہا جاؤ انھیں مشک بھی لادو اب مرتبہ تم پیاسوں کی سقائی کا بجنتو
جعفرؑ سے دو بالا ہوا رتبہ ترے عم کا		اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا
مشکیزے کو لے آئی سکینہؑ جگر افگار خیمے میں پڑا غل کہ چلا شاہ کا غم خوار	۵۳	غازی نے اسے لے کے بھتیجی کو کیا پیار غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علم دار
ہاتھوں سے اُسے تھام کے دل سب نے سنبھالا		شہ اُٹھ کے جو گرنے لگے زینبؑ نے سنبھالا
خیمے سے برآمد ہوا ابنِ شہِ مرداں اک نور خدا پھیل گیا تا سرِ میداں	۵۴	گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گردان کے داماں ذرات زمیں ہو گئے خورشید درخشاں
موسیٰ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوہ		ہر نخل میں تھا یاں شجر طور کا جلوہ

کاندھے پہ علم رکھ کے جو گھوڑے کو اڑایا یہ نور کسی حور کے چہرے نے نہ پایا	۵۵	کیا تیز پری تھی کہ ہوا ہو گیا سایا تھا تخت سلیماں کہ ہوا پر نظر آیا
پڑھنے کو درود آئی تھیں روحیں شہدا کی		غازی کی سواری تھی کہ قدرت تھی خدا کی
گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمکتے ہوئے ہتھیار اللہ رے شکوہ علم و شانِ علمدار	۵۶	شانہ وہ چھٹا دوش پہ وہ ہاتھ میں تلوار حمزہؑ کوئی کہتا تھا کوئی جعفرؑ طیار
سائے میں علم کے وہ سلیمانِ زمن تھا		یا فرق ہمایوں پہ ہما سایہ فگن تھا
پنجہ تھا کہ تھا دستِ خدا سر پہ جری کے ہو جاتی تھی جنبش جو پھریرے کو زری کے	۵۷	پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے بال پری کے جھونکے چلے آتے تھے نسیم سحری کے
کرسی سے جو بالا ہو یہ پایا ہے اسی کا		طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے اسی کا
میدان میں آیا پسرِ ضیغمِ یزداں نعرہ جو غضنفر نے کیا یا شہِ مرداں	۵۸	روباہوں کا لشکر ہوا دہشت سے پریشاں تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں
غل پڑ گیا لو شیرِ خدا نعرہ زن آئے		گھوڑوں کو بھگاؤ شہِ خیبر شکن آئے
یوں لاکھوں پر آئے یہ شجاعت ہے کسی میں شق ہو جگرِ شیر یہ ہیبت ہے کسی میں	۵۹	پروا نہیں مرنے کی یہ ہمت ہے کسی میں نعرے سے ہلیں کوہ یہ طاقت ہے کسی میں
گر ہوں اسد اللہ تو کچھ دور نہیں ہے		یہ غیرِ علیؑ اور کا مقدور نہیں ہے
اعدا کے سخن سن کے علمدار پکارا تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا	۶۰	حیدرؑ نہیں یہ حیدرؑ صفدر کا ہے پیارا ہم آئے ہیں اب ٹھہرے کر جاؤ کنارا
لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا		عباسؑ غلامِ شہِ دیں نام ہے میرا
مشہور جو حیدرؑ کی ہے تصویر وہ میں ہوں آقا نے جسے بخشی ہے توقیر وہ میں ہوں	۶۱	ہے جس کا پدؑ صاحبِ شمشیر وہ میں ہوں بازو جسے فرماتے ہیں شبیرؑ وہ میں ہوں
کس لب پہ مری شان میں احسنت نہیں ہے		آفاق میں مجھ سا کوئی ساونت نہیں ہے
محراب در کعبۂ ایماں ہے مری تیغ جل جاؤ گے برقِ شرر افشاں ہے مری تیغ	۶۲	کافر کے لیے آتشِ سوزاں ہے مری تیغ میں بحرِ شجاعت ہوں تو طوفاں ہے مری تیغ
اک دو کے لہو سے نہیں بھرتا ہے شکم اس کا		کھنچ آئے گا لشکر دمِ اژدر ہے دم اس کا
رتبے میں فلک ابن ید اللہ سے کم ہے دشمن ہو اگر شیر تو روباہ سے کم ہے	۶۳	اقبالِ سلیماںؑ بھی مرے شاہ سے کم ہے آگے مرے اک کوہ گراں کاہ سے کم ہے
زور آور و سرکش کا بھی اب سر نہیں اٹھتا		گردوں سے مری تیغ کا لنگر نہیں اٹھتا

٦٤
بچتا نہیں نیزے سے مرے سینۂ دشمن
چھٹتی نہیں پنجے سے مرے شیر کی گردن
کرتا ہے مرا نیزہ دلِ کوہ میں روزن
چار آئینہ فولاد کا بن جاتا ہے جوشن
آگے ہیں مرے زیر زبردست جہاں کے
رستم کو پکڑ لیتا ہوں حلقے میں کماں کے

٦٥
تلوار جو کھینچوں تو زمیں لاشوں سے بھر جائے
آبِ دمِ شمشیر سروں پر سے گزر جائے
دشمن جو چڑھے منہ پہ تو سر تن سے اتر جائے
غصے سے اگر شیر کو دیکھوں تو وہ مر جائے
کس کا ہے یہ منہ بڑھ کے جو ٹوکے مجھے کوئی
لو نہر میں جاتا ہوں میں روکے مجھے کوئی

٦٦
یہ سنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے
تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے
لچکاتے ہوئے ڈانڈ بڑھے برچھیوں والے
گرد آ گئے تنہا کے سواروں کے رسالے
گردوں پہ پہونچتی تھی صدا طبل وغا کی
فریاد گئی عرش پہ شاہِ شہدا کی

٦٧
چلائے کہ نرغے میں ہے یارب مرا بھائی
اک جان کو درپیش ہے لاکھوں سے لڑائی
یہ ایک طرف ایک طرف ساری خدائی
ہے شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
بے جان دیے پھر کے نہ یاں آئے گا عباسؑ
مر جائے گا شبیرؑ جو مر جائے گا عباسؑ

٦٨
یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی
واں آہِ حزیں سیدِ ابرار نے کھینچی
تصویرِ اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی
گھوڑے کی عناں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی
سر پر ابھی پہونچی تھی نہ بیداد گروں کے
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گرزے سروں کے

٦٩
تھا شور کہ ہے چار طرف شعلہ در آتش
ہے پا پہ کبھی اور کبھی بالائے سر آتش
گھوڑوں کا یہ عالم ہے کہ ہیں نعل در آتش
کس راہ سے بھاگیں ادھر آتش ادھر آتش
اس آگ نے سر تا بہ قدم گھیر لیا ہے
معلوم ہوا زیست نے دل پھیر لیا ہے

٧٠
نیزے کے ہلانے میں جو استاد جہاں تھے
ایسے گئے ثابت نہ ہوا یہ کہ کہاں تھے
جن پاس علم تھے کہیں اُن کے نہ نشاں تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار نہاں تھے
تیروں کی نہ چلّوں کی نہ ترکش کی خبر تھی
گر تھی تو اُسی شعلۂ سرکش کی خبر تھی

٧١
میداں میں پڑے لوٹتے تھے سر تہ و بالا
جوں ماہیِ بے آب تھے پیکر تہ و بالا
اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا
اک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا
ملعونوں کے ہتھیار بھی ناکارہ ہوئے تھے
چار آٹھ تھے اور آٹھ بھی سی پارہ ہوئے تھے

٧٢
رہوار سبک سیر و نسیمِ سحری تھا
ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

۷۲
تھا کاوہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
سم بدر سے اور نعل مہ نو سے تھے روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کے چتون
ٹاپ اس کی بلا تھا اجل کا پئے دشمن
مستِ مئے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

۷۴
تلوار سے جب شام کے بادل کو ہٹایا
عباسؑ علم دار کو دریا نظر آیا
منہ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ واں پیاس سے بچے کہیں مر جائیں
اب پانی جو مل جائے تو سب کام سنور جائیں

۷۵
یہ کہہ کے گئے نہر میں عباسؑ خوش اطوار
آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو رو رو یہ کی گفتار
گرمیں ہوں وفادار تو تو بھی ہے وفادار
شرمندگی ہوئے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امام دوسرا کے

۷۶
دریا سے چلا بحر شجاعت کا شناور
گویا افق چرخ سے نکلا شہ خاور
غل پڑ گیا تو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور
ہاں مشک کو لے جانے نہ پائے یہ دلاور
رمنے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے روکو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے روکو

۷۷
دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی در آئیں
نیزوں کی بھی نوکیں کئی بالائے سر آئیں
تیغوں کی جو موجیں سر ساحل نظر آئیں
پیاسوں کے لیے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آجائے جو ہم میں
یونسؑ کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

۷۸
غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارا
دریا سے بھرا شکل غزال اس نے طرارا
پانی میں جو اترے تھے انھیں تیر سے مارا
جو گھاٹ پہ تھے تیغ کی گھاٹ اس کو اتارا
بجلی سی گری لشکر سفاک کے اوپر
لاشے تو گرے نہر میں سر خاک کے اوپر

۷۹
پھر نہر سے گھوڑے کو اڑاتے ہوئے نکلے
کس شان سے نیزوں کو ہلاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
نرغے میں چپ و راست پس و پیش نظر تھی
سر پر اجل آپہونچی ہے اس کی نہ خبر تھی

۸۰
گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کماندار
مینھ پڑتا ہے جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھار
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
سینے کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

۸۱
اٹھ سکتے ہیں حربے ہوں اگر ایک کے دو کے
ایک تشنہ دہن لاکھوں کو کس طرح سے ٹوکے
کس کس سے لڑے کس کو ہٹائے کسے روکے
ہاتھوں میں نہ طاقت تھی علم تھامتا تھا جو سکے
غش آتا تھا جب ضعف سے تھراتے تھے عباسؑ
یا شیر خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباسؑ

۸۲
افسوس نہ بر آئی تمنائے علمدار
شکرے پر اک تیر لگا شانے پہ تلوار
اس ہاتھ سے اس ہاتھ میں لی تیغ شرربار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بیکار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

۸۳
اک ہاتھ گرا کٹ کے تو پروا مجھے کیا ہے
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دست خدا ہے
آقا مرا فرزندِ رسولِؐ دوسرا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تلک اُن پہ فدا ہے
روح اسد اللہ کو میں شاد کروں گا
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا

۸۴
فرما کے یہ جھپٹا اسد اللہ کا پیارا
روباہوں کا لشکر تہ و بالا ہوا سارا
بھتوں کو اسی ہاتھ سے اس شیر نے مارا
زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا
سقائے سکینہؑ پہ ستم ہو گیا ہے ہے
وہ ہاتھ بھی شانے سے قلم ہو گیا ہے ہے

۸۵
چلائے کہ تشریف ادھر لائیے آقا
مشتاق کو دیدار دکھا جائیے آقا
الطاف و کرم بندہ پہ فرمائیے آقا
اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام آئیے آقا
باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی انھیں کہہ جائے
مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے

۸۶
بھائی کی صدا سن کے تڑپنے لگے شبیرؑ
چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبؑ دلگیر
غل پڑ گیا ہے ہے اسد اللہ کی تصویر
سب قافلہ رانڈوں کا کھلے سر نکل آیا
عباسؑ کا فرزند بھی باہر نکل آیا

۸۷
زینبؑ نے کہا ساتھ لیے جاؤ مجھے بھی
تصویر علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی
چلائی سکینہؑ وہیں پہنچاؤ مجھے بھی
دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی
بیتاب ہوں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی جا کر
میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جا کر

۸۸
عباسؑ کی زوجہ نے کہا کوٹ کے سینا
مجھ کو بھی لیے چل ترے قربان سکینہؑ
شوہر کے الم میں مجھے دشوار ہے جینا
میں رانڈ ہوئی موت نے وارث مرا چھینا
والی نہ رہا جی سے گذر جاؤں گی میں بھی
عباسؑ جہاں ہیں وہیں مر جاؤں گی میں بھی

۸۹
تھا حضرت عباسؑ کے بیٹے کا عجب حال
غم سے کبھی منہ زرد تھا غصہ سے کبھی لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ تھے گیسوؤں کے بال
ماں تھامے تھی اور کہتا تھا وہ صاحب اقبال
اس نہر سے کوثر کے کنارے گئے بابا
روکو نہ چچا روتے ہیں مارے گئے بابا

۹۰
گربار بھی ڈالے ہیں کوئی تو نہیں غم
کیا جان کا خدشہ ہے یتیم اب تو ہوئے ہم
فرزند ہیں کیوں کر نہ کریں باپ کا ماتم
چھٹ جائیں مصیبت سے نکل جائے گر دم
سینے میں عجب حال ہے ننھے سے جگر کا
کیا آخری دیدار بھی دیکھیں نہ پدر کا

۹۱
واں لاش پہ شہ خاک اڑاتے ہوئے پہونچے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے پہونچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہونچے
پہونچے تو مگر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے
چلائی کہ جاتی ہے مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

۹۲
بھائی کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
نعلین پہ منہ رکھ کے یہ آقا کو سنایا
اٹھ کر قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکایا
گو ہاتھ مرے کٹ گئے حضرت کو تو پایا
سر ہوئے گا آغوشِ شہِ کون و مکاں میں
اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

۹۳
یہ کہتے ہی عباس علمدار سدھارے
بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے
چلائے شہِ دیں مرے غمخوار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِ طیار سدھارے
چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی
تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

۹۴
خاموش انیس اب کہ بہت رونے کا ہے جوش
اللہ نے بخشی ہے جنہیں چشم خطا پوش
ہو گی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہل سخن عام کی تعریف

رباعی

دیدارِ دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیٔ مرگ
ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

رباعی

داماد رسول کی شہادت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلینؐ
معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
خاتون قیامت پہ قیامت ہے آج

رباعی

قطرے ہیں یہ سب جس کے وہ دریا ہے علیؑ
پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ
ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار
اللہ اللہ ایسا بندہ ہے علیؑ

رباعی

مولد جو وہاں حکم قدر سے پایا
کعبے نے شرف علم کے در سے پایا
گودی میں نبیؐ لیے یہ کہتے نکلے
لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

رباعی

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلال اسم اعلےٰ علیؑ
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

رباعی

اب وقت سرور فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروف جشن نوروزی ہے
ہے آج سے دور شاہی شاہ نجف
یہ رنگ بہار فتح و فیروزی ہے

رباعی

ہر غنچے سے شاخ گل ہے کیوں نذر بکف
ہے روزِ خلافتِ شہنشاہِ نجف
حیدرؑ ہوئے جانشینِ خاص نبوی
ہے آج طلوع نیرّ برج شرف

رباعی

عرفان تصدیق حجت حیدرؑ ہے
ایمان نورِ محبت حیدرؑ ہے
دوزخ ہے عداوت علیؑ کا بدلہ
فردوس بہارِ الفتِ حیدرؑ ہے

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی جاسوس کہہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی خوش بو ہے دشت بادِ بہاری قریب ہے	مرثیہ ۱	ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی غش آگیا ہے شہ کو یہ ہے وجہ دیر کی ہشیار غافلو کہ سواری قریب ہے
آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے سر بر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے	۲	شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے وہ مرد ہے گھر میں انھیں کے اتری ہے تیغ آسمان سے
مشہور ہے جہاں میں یہ صفدر وحیدرِ دہر رونے میں آگئی جو شجاعت کی اُن کو لہر فرزند ہیں علیؑ کے شہِ کائنات کے	۳	جبار کے غضب کا نمونہ ہے اُن کا قہر لاکھوں سے ایک وار میں یہ چھین لیں گے نہر لاشوں کے پل بندھیں گے کنارے فرات کے
ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے لختِ دلِ درندہ اژدر قریب ہے جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے	۴	لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیلؑ کے
یکتائے روزگار ہے وہ شیرِ حق کا لعل ان سے مقابلے کی بھلا ہے کسے مجال دکھلائیں گے چلن اسدِ کردگار کا	۵	اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال جرأت وہی ہے غیظ وہی ہے وہی جلال گھر گھاٹ اُن کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا
رشکِ چمن ہیں سب پہ گُلِ سر سبد یہ ہے ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا	۶	آفاق میں نظیر نہ برابر احد یہ ہے عباسؑ نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہے دُرِ نجف ہے فاطمۂ زہرا کے لال کا
اللہ رے آمدِ عباسؑ صف شکن جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے	۷	لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن گویا مقابلہ ہے جنابِ امیرؑ سے
تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور فوجیں فقط نہ بھاگیں تھیں منہ موڑ موڑ کے	۸	تھیں موج کی طرح سے ادھر کی صفیں ادھر پانی میں تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے
چھایا تھا سب پہ رعبِ علمدار نوجواں گوشہ اماں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کماں تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا	۹	تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں منہ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

۱۰
ہل چل یہ تھی کہ گرد سواری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا شمع طور سے پرتو حضور کا
خلعت بلا زمینِ مقدس کو نور کا

۱۱
اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے
اترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو الٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

۱۲
نقشِ سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
ہے دو پہر کے بعد سدا شمس کو زوال
اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
یاں ہے وہی عروج زہے حشمت و جلال
۳
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

۱۳
آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے
ابرو سے ماہ رخ سے ضیا آشکار ہے
رخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منہ پر دلیر کے
چہرہ تو جو دکھا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

۱۴
نور جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
ابرو نے رنگِ تیغِ شجاعت دکھا دیا
چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا
قامت نے سب کو طور قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے گیسوئے گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آ گئی

۱۵
ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر
دیدار اس کی فرضِ عین ہے خوش اعتقاد پر
نوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر
قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدیدہ کا در نجف میں ہے
پتلی نہ جانیو دُر مکنوں صدف میں ہے

۱۶
اعجاز لب میں چشم میں سحر حلال ہے
تعریف کیا کریں دہن بے مثال ہے
پتلی نہیں ہے چہرۂ یوسفؑ کا خال ہے
تقسیم جزو لا یتجزی محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہیں
اسرار کردگار ہیں جائے سخن نہیں

۱۷
شیریں لبوں کی مدح میں لب ناطقہ ہے بند
پھیکی جو بات ہے وہ زباں کو نہیں پسند
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
عالم ہے اُن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نَے قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

۱۸
بے مثل ہیں خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب
یوسفؑ نے دیکھے تھے یہی اختر میان خواب
دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
طالع چمک گئے یہ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

۱۹ قربان رونقِ خطِ رخسارِ سرخ فام
واللیل گرد سورۂ والشمس ہے تمام
یہ صبح ہے طلب کی تو گیسو ختن کی شام
گویا جناب خضر کا ظلمات ہے مقام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجوم مور سلیماں کے گرد ہے

۲۰ یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرت نگار ہے
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہے
عنبر فشانیِ قلمِ مشک بار ہے
واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
منہ دیکھے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو

۲۱ روشن اگر زمانہ ہے صبحِ گلو کا نور
نورِ خدا کا صاف گریباں سے ہے ظہور
دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
بوسوں کو حوریں رہ گئیں ہیں ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

۲۲ شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیض یاب ہیں
الٹی ہے آستین جو حیدرؑ کی شان سے
نکلی ہوئی ہے تیغ ید اللہ میان سے

۲۳ ساعد میں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
ایذا میں باحواس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
پنجے کا اُن کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب کیومرث و گیو کا
منہ پھر گیا ہے اُن کے طمانچوں سے دیو کا

۲۴ طاقت بھی ان کے بازوؤں کا ایک نام ہے
اقبال ان کے گھر کا مدار المہام ہے
زور اُن کا خانہ زاد تہور غلام ہے
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہردم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو ان کا غاشیہ بردار کہتے ہیں

۲۵ فوج اُن کی شان و شوکت و اقبال و جاہ ہے
ثابت قدم ہیں پر دمِ تیغ اُن کی راہ ہے
مردانگی غلام جلالت سپاہ ہے
جرأت ہے اُن کا خشم شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشاں چھین لیتے ہیں
سید ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں

۲۶ مرجائیں نامراد یہ ان کی مراد ہے
کم اُن کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہے
ناشاد ہوئے جان تو دل ان کا شاد ہے
جویا ہے کافروں کے یہ شوقِ جہاد ہے
دنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پنجتن کے سوا مانتے نہیں

۲۷ رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست و زیر دست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بند و بست
لشکر تباہ کر دیئے فوجوں کو دی شکست
آنکھ ان کی حق نما ہے نظر ان کی حق پرست
روح الامیں پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سر ان کے خاک پر ہیں نشاں اُن کی عرش پر

سینے کا آئینہ ہے کدورت سے پاک صاف	۲۸	برعکس ان سے جو وہ خدا سے ہے برخلاف
جرأت کا اُن کی قاف سے شہرہ ہے تا بہ قاف		سو سو صفوں کو صاف کیا ہے دمِ مصاف
دعویٰ ہو جسے یہ اسے ٹوک سکتے نہیں		تلوار جب چلی تو سپر رو سکتے نہیں
اب کس طرح ثبات قدم کو کروں رقم	۲۹	کاغذ پہ رُک گیا ہے صدا دے کے یہ قلم
نعلین پائے حضرت عباسؑ کی قسم		ٹل جائے کوہ پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
ثابت ہوا کہ قابل شرح و بیاں نہیں		خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں
وصفِ صلاحِ جنگ میں اب لٹ گئی ہے جاں	۳۰	اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں		جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع ہاں
منزل ابھی ہے دور صفِ کارزار کی		رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی
یہ خود آہنی نہیں فرقِ جناب پر	۳۱	سرپوش نور ہے قدحِ آفتاب پر
ابر آگیا ہے فرقِ رسالت مآبؐ پر		یا تاجِ خسروی ہے سرِ بوترابؑ پر
سایہ میں وہ جو آج سعید زمانہ ہے		اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہے
مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے	۳۲	حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہے
موسیٰؑ کا ہے یہ قول کہ قندیل طور ہے		داؤدؑ کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہے
کشافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا		ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِ مجید کا
رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد	۳۳	الّا عدوئے آلِ پیمبرؐ سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت وانصاف وعدل وداد		بس پنجتنؑ کا نام سپر ہے دمِ جہاد
بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ یہی		جوشن یہی سپر یہی چار آئینہ یہی
پیشانی آئینہ رخِ جاں پرور آئینہ	۳۴	دوش آئینہ ہے سینۂ مہ پیکر آئینہ
بر میں دل آئینہ جسدِ انور آئینہ		ہر آئینہ سے بہتر و خوش تر ہر آئینہ
بے حد و بے حساب و شمار آئینہ ہیں یاں		چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینہ ہیں یاں
دستانہ ہے کہ تیغِ ید اللہ کا نیام	۳۵	منہ میں کلائی شیر کی یہ ہے انھیں کا کام
قالب ظفر کا فتح کا گھر زور کا مقام		پنجے میں ہے جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
دنیا میں کوئی اُن سے نہ افضل نہ دیں میں		قوت خدا کے ہات کی ہے آستین میں
یہ شیر نیستانِ ولایت کے ببر ہیں	۳۶	بیٹے ہیں شیرِ حق کے یہ وہ ہزبر ہیں
چپ جا ہو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں		کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
ربِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے		برق اُن کی تیغ ہے تو گھٹا اُن کی ڈھال ہے

۳۷
روباہ دل ہے شیر ژیاں اُن کے سامنے
پشّے سے کم ہیں پیل دماں اُن کے سامنے
لرزاں ہیں مثل پیر جواں اُن کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
تن پرزے ہو کے خاک کے پیوند ہوتے ہیں
انساں تو کیا ہیں تینوں کے دم بند ہوتے ہیں

۳۸
ہے دوش صبح عید شب قدر ہے سپر
اک ماہ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
قدرت خدا کی یہ ہے اِدھر شب اُدھر سحر
گویا دولہن بنی ہوئی ہے لیلیٰ ظفر
جو خوبیاں کہ چاہیئیں وہ سب حصول ہیں
معشوق سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

۳۹
ہے وصفِ تیغ میں پسر انداختہ زباں
مضموں ہیں مثل برق جہندہ شرر فشاں
لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دم بیاں
پیدا صریر کلک سے ہے شور الاماں
کیوں کر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

۴۰
قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول
مفتاح فتح ہے در نصرت کو اس سے کھول
جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول
وہ تیغ ہے خراج صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

۴۱
دل سوز شعلہ خو شرر انداز جاں گداز
خوں خوار کج ادا دل آزار و سرافراز
لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
کج اس کی ہے پسند جہاں کو سجی نہ ہو
معشوق پھر نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

۴۲
پشتہ وہ اس کا اور وہ باریکئ خمیر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے جہاں پر چلی نہیں

۴۳
چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی آب
کیا تاب ہے کہ لا سکے اس کی چمک کی تاب
دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں

۴۴
ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
تیغ و سپر ہے یا علم شاہ سربلند
لیکن کماں نہ ساتھ ہے نے تیر نے کمند
سب حرب دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
کیا خوف اُن کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس اک اس میں بھی نوک ہے

۴۵
صدقے علم کے حضرت عباسؑ کے نثار
شمشاد سبز پوش گلستانِ اقتدار
طوبیٰ شکوہ عرش تجمل فلک وقار
حمزہؑ کا اقتدار تو جعفرؑ کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش پہ پایا اسی کا ہے
ظلِ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہے

۴۶
دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے بادبانِ جہازِ امامِ دہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبیٰ کی شاخ سبز پہ مریم کا ہاتھ ہے

۴۷
دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمعِ طور
بے شبہ دو امام کے ہے نور کا ظہور
اس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

۴۸
لکھتا ہے اب یہ کیستِ قلم سرعتِ سمند
آہوشکار شیر طبیعت وغا پسند
نازک مزاج خوش قد و طناز و سربلند
دہ پیش و پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
اتری تھی اک پری فرس تند خو نہ تھا
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

۴۹
تنہا ہے اس شکوہ سے عباسؑ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفاک سب کے سب
تیغیں علم کیے ہے سپاہِ دغا طلب
ڈھالوں سے اہلِ شام کی دن ہو گیا تھا شب
سرہنگ روم و رے ہیں دغا پر تلے ہوئے
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

۵۰
کہتا تھا شمر آ کے ہر ایک کے پرے کے پاس
ہاں صفدرانِ شام خبردار با حواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباسؑ حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہے پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

۵۱
ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شورِ طنطنۂ فوجِ شام ہے
حیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

۵۲
پہونچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آ کے سامنے اے فوجِ اشقیا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

۵۳
آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
سید بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

۵۴
مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
بچپن سے میں ہوں اس پہ خدا مجھ پہ ہے نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہاں کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

۵۵
بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جان یہی
قوت یہی عصا یہی تاب و توان یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت نشاں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
پانی پلانے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں
ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

۵۶
دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے
سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے
پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
کیونکر نہ روؤں روح کا اور تن کا ساتھ ہے
طفلی کی الفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے

۵۷
ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے
جاں ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے
قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں
بے جاں ہوا یہ جان برادر تو ہم کہاں

۵۸
دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی
دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی
کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اسی سے بھائی سے جس سے جدائی ہو
جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو

۵۹
رد کر جو مستغیث امام بحق ہوئے
الم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحب حیا تھے وہ غرق عرق ہوئے
سن کر صدا حسینؑ کی عباس فق ہوئے
برچھی لگی الم کی دل دردناک پر
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

۶۰
گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام
دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
آپ آئے کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
سر پر عمامہ رکھئے پیمبر کے واسطے
یہ اضطراب بندہ احقر کے واسطے

۶۱
پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو
سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں ویر سے نہ رلاؤ گلے لگو
لو تم بھی دست شوق بڑھاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں
اب کی جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

۶۲
دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند
دنیا میں ہجر کا کسے پہونچا نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند
آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روئے جو مدتوں تو خوشی ایک دم رہے
تھوڑے دنوں نبیؐ و علیؑ بھی بہم رہے

۶۳
وہ دل ہے داغدار جو ہجراں نصیب ہے
کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے
اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں چمن روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

۶۴
فرماکے یہ بہ شوق امام امم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو وہ بحرِ غم بڑھے
عباسؑ اس طرف کو جھکا کر علم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
دونوں پہ کوہ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباسؑ گر پڑے

۶۵
بولے گلے لگا کے شہنشاہ نامدار
بیٹے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
اے میرے یادگار پدر میں ترے نثار
بھیا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ زخم جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغ پدر تازہ ہو گیا

۶۶
زیر بغل تھے دست شہنشاہ بحر و بر
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
چھاتی سے سر لگائے تھے عباسؑ نامور
ہچکی لگی تھی ان کو ادھر اور انھیں ادھر
تھمتی تھی رقت اُن کی نہ زہراؑ کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

۶۷
عباسؑ رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
صدقے غلام اے مرے آقا نہ روئیے
سر پیٹتی ہیں فاطمہؑ زہرا نہ روئیے
پردے میں کچھ نہ آلِ نبیؐ کے خلل پڑے
ایسا نہ ہو غضب کہ سکینہؑ نکل پڑے

۶۸
دل تھا جو شہ کا فرط محبت سے بے قرار
بولے یہ کانپ کے عباسؑ باوقار
فرمایا ہم کو گرد تو پھرنے دو ایک بار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نثار
کیوں کر کہوں کہ قابل لطف امام ہوں
میں تو سکینہؑ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

۶۹
رو کر کہا حسینؑ نے اے جان الوداع
بھائی تمھارے عزم کے قربان الوداع
اچھا سدھارو اے مرے ذی شان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

۷۰
روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہ دیں پناہ
ہم شکل مصطفیٰؐ کو پکارے بہ اشک آہ
تا دیر اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بھولے اُسے جو کہہ گئے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے

۷۱
فرما کے یہ چڑھے فرس خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابر شام پر
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
غصے سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آ گئے

مطلع دوم
۷۲
اے رخشِ خامہ شوخیِ جولاں گری دکھا
اے شہسوارِ فوجِ سخن صفدری دکھا
اے نطقِ سحر کار زباں آوری دکھا
اے زورِ طبع دبدبۂ حیدری دکھا
سطریں نہیں ورق پہ صفیں کارزار کی
مصرع ہر اک دکھائے برش ذوالفقار کی

۷۳	ہاں اے قلم سروں کی جدائی دکھا مجھے دریائے کشت وخوں کی ترائی دکھا مجھے	خندق کی اور احد کی لڑائی دکھا مجھے شمشیر مصطفےٰ کی صفائی دکھا مجھے
	دل شق کرے صریر قلم کارزار میں	غل ہے کہ شیر گونج رہا ہے کچھار میں
۷۴	نکلے وہ شعر طبع فصاحت شعار سے نقطے تھے آبدار دُرِ آبدار سے	فقرے تھے جس کے تیز کہیں ذوالفقار سے مضموں برش میں تیز تھے خنجر کی دھار سے
	اعدا کے نظم و نسق کی صورت بدل گئی	تیغ دودم عرب کے فصیحوں پہ چل گئی
۷۵	نعرہ یہ تھا کہ ہم در دریائے نور ہیں خیبرکشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں	دنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں جرار ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
	اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے	اب تک ہماری حرب کا سکہ دلوں پہ ہے
۷۶	جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے روکی ہے تیغ کفر کی بستی اجاڑ کے	دم میں قدم اکھاڑ دیے ہیں پہاڑ کے پھینکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اکھاڑ کے
	پڑھ کر درود فوج ملک مدح خواں ہوئی	جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی
۷۷	درپے ہیں رہے رہِ حق کی تلاش کے چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے	ٹکڑے تلک جلا دیے کافر کی لاش کے کاٹے ہیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
	ناقوس کو اٹھا کے زمیں پر پٹک دیا	آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا
۷۸	جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں دنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں	صولت میں دبدبے میں عدیم النظیر ہیں اس اوج پر حسینؑ کے در کے فقیر ہیں
	رتبے پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے	گر ہے تو بس غلامی حضرت پہ ناز ہے
۷۹	کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں	یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
	بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں	سر دیدیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں
۸۰	تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول	بیعت اٹھیں تو صلح ہمیں کبھی نہیں قبول لیجو نہ منھ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ
	سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو	گدی سے کھینچ لوں گا زباں دراز کو
۸۱	تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیر شام تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام	کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعت غلام او بے ادب یزید کجا اور کجا امام
	دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے	کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

۸۲
یہ کہہ کے لی دلیر نے تلوار میان سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے
سکن چڑھا ہما ے سعادت نشان سے
چمکے شرارے، پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکل قہرِ خدا نے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ دیے پر جبرئیل نے

۸۳
حملہ دلیر کا غضب کردگار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس بے قرار تھا
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

۸۴
وہ تیغ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول بجھ گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا

۸۵
ہوش و حواس سمتِ سیہ رو اڑا دیے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اڑا دیے
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابرو اڑا دیے
تھا نورِ چشم شیرِ الٰہی جلال میں
پتلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کی ڈھال میں

۸۶
بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی
دم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی
ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
اللہ رے منہ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اسے
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اسے

۸۷
غصہ تھا شیر کا سپتے تھے بزدلوں کے دل
لوہے کو اس کے مان گئے جاہلوں کے دل
سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
تھی ماہِ نو یہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
چمکی تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی

۸۸
رزّاں ہر ایک بانیٔ بیداد و جور تھا
رُخ زرد تھے سپاہ کے کچھ رنگ اور تھا
لشکر تھا بے حواس تباہی کا طور تھا
نیزوں کا تھا نہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں محلے اجاڑ تھے

۸۹
گر اس طرف بڑھا کسی بیداد گر کا ہاتھ
رکتا نہ تھا علیؑ و ولی کے پسر کا ہاتھ
لائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
اٹھتی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر

۹۰
تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں خود سر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
اور معرکہ میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

۹۱
گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادھر ادھر
شدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادھر ادھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل ادھر ادھر
بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں ہل چل ادھر ادھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے

۹۲
سرہنگ نام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
کتنے جوان سموں کے تلے آکے مر گئے
جو بچ گئے ادھر سے ادھر جا کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

۹۳
بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
کجلا اٹھیں سمند کی ہر جست و خیز نے
چن کر صفوں کو صاف کیا تیغ تیز نے
گیتی الٹ دی ابن علیؑ کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

۹۴
تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
خورشید چھپ گیا یہ اٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
تارے پڑے ہوئے تھے محیط سپہر میں

۹۵
تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہل شہر
ماہی علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر ایک سپر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

۹۶
مصروف تھے جہاد میں عباسؑ باوفا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا
ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
اے نور چشم ساقیِ کوثر دہائی ہے

۹۷
جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
پھنکتا ہے سینہ آگ جگر کی بجھائیے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجیے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تلک آپ کے آنے کی آس پر

۹۸
اعدا کو بار بار نہ جھنجھلا کے دیکھیے
کانٹے مری زبان کے اب آ کے دیکھیے
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھیے
رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھیے
صدمہ فراق کا ہے دل دردناک پر
جلد آئیے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر

۹۹
عباسؑ نے سنی جو یہ آواز ناگہاں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیر خوں چکاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
رخ جانب فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اڑا کے تیر سے آئے کچھار میں

100
گرمی میں تھے جو غرق عرق سر سے تا بہ پا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
سردی سے اس ترائی کے جان آ گئی ذرا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہ کربلا
دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہ کی
عباسؑ نامدار نے اک سرد آہ کی

101
دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

102
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ نیک نام
گر تو ہے تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
بس اتنا مضطرب ہوا وہ اسپ تیز گام
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہ خاص و عام
اٹھتا ہے شور گریہ محمدؐ کے آل سے
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہؑ کے حال سے

103
عباسؑ نے کہا جو یہ بچوں کا حال زار
جب نہر علقمہ میں در آیا وہ نامدار
گردن ہلا کے رہ گیا اسپ وفا شعار
پانی سے تھوتھنی کو اٹھاتا تھا بار بار
جاں بازی سمند پہ غازی نے رو دیا
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

104
دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشک آب
لو مشک لے چلا جگر و جان بوتراب
چلایا فوج کو عمر نا خراب
سادات پہ بس اب نہ کبھی ہوں گے فتحیاب
گر مشک تا خیام شہِ نیک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی

105
یہ شور سن کے گھاٹ پہ امڈی سپاہِ شام
تولے تھے پہلوان تبر و خنجر و حسام
پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجوم عام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
اب پاس آبرو کا ہے جانوں کا غم نہیں
عباسؑ نامور ہیں یا آج ہم نہیں

106
تیغ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا
پہلے نہ رک سکے تو بھلا اب رکیں گے کیا
مجھ کو نہ دور جانیو اے لشکر جفا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے خبردار اک ذرا
دیکھیں تو یاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو

107
یہ سن کے جوڑنے لگے حلقوں میں واں خدنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیر شعلہ رنگ
یاں بادپا ترائی میں تھا صورت نہنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کماں کی جنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اس کے کاٹ پر
برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

108
تا نصف راہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ منہ کو پھیر پھیر
تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثال شیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی

١٠٩
نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہ منیر
منظور ظلم سخت تھا ہر بدخصال کو
برچھی لگاتے تھے حیدرؑ کے لال کو

١١٠
اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
غل ہو گیا تھا بازوئے فرزند بوتراب
کہتا تھا ہاتھ اٹھانے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشک آب
پروانہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشک سکینہؑ بچاتے تھے

١١١
برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

١١٢
تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

١١٣
چھینٹیں لہو کی اڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
دامن سے پونچھتے تھے علمدار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو سراسر
شقہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زماں رہے
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

١١٤
واحیف وا دریغ تمنائے جاں نثار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
اور یاں کمیں میں تھا بن ورقائے نابکار
ماری شقی نے دوش پہ اک تیغ آبدار
آفت پڑی نصیبِ سکینہؑ الٹ گیا
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

١١٥
اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
بہتا تھا خون ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
فریاد الغیاث ستم پر ہوا ستم
تیغا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

١١٦
کٹ کے گرا تھا بازوئے غازی جو زمیں پہ
تلوار ادھر لٹک رہی تھی اور ہاتھ ادھر
بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
صدقے جو اس ابن شہ ذوالفقار کے
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

١١٧
بے دستیاں ہوا جو وہ مہرو حسینؑ کا
دل تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسینؑ کا
گھائل ہوا برادر خوش رو حسینؑ کا
ہاں نوجیں بجاؤ ظفریاب ہم ہوئے
گویا علیؑ کے دستِ مبارک قلم ہوئے

۱۱۸ گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علم شاہ حق شناس
دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بدرد و یاس
یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

۱۱۹ ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بیدست تشنہ لب
چھاتی پہ نیزے رکھ کے انھیں روکتے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز بے غضب
صدمے سے زرد چہرۂ پرنور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

۱۲۰ ہر چند پھٹ گیا تھا سپر دلبر علیؑ
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
ہرنے پہ سر ٹیک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھوں سے اشک بہہ کے بصد یاس گر پڑے
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے

۱۲۱ آئی صدائے شیر الٰہیؑ یہ ایک بار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار
شبیرؑ آ نثار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
ہونٹوں پہ دم بہ دم ہے صدا یا حسینؑ کی
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نور عین کی

۱۲۲ جس دم سنا حسینؑ نے یہ نوحۂ پدر
گر گر اٹھے سنبھل کے گرے شاہ بحر و بر
ٹپکا عمامۂ سر اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرؑ مہرو کا تھام کر
واحسرتا جوان برادر بچھڑ گیا
تھامو ہمیں کہ بند کمر کا اکھڑ گیا

۱۲۳ زینبؑ نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہے ہے کا شور اہل حرم میں بپا ہوا
چلائے اے بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہراؑ نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
گھبرا کے بنت شاہ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہؑ نکل پڑی

۱۲۴ دریا پہ سر برہنہ شہ بحر و بر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو باچشم تر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
یہ بھی چلے ادھر شہ والا جدھر چلے
صدمہ ہے ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر

۱۲۵ صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
آلودۂ غبار الم روئے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دست یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہیں

۱۲۶ جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشک ماہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں وہ حضور ترا بھائی قریب ہے

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی میں پائی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں گزری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے	۱۲۷	زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے
منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا کیوں پتلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا ہے کیا میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے	۱۲۸	اے شیر اے دلیر یہ بے کس ترے فدا عباسؑ میں حسینؑ ہوں دیکھو مجھے ذرا بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے
ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو کروٹ کراہ کر مرے آرامِ جاں نہ لو مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا	۱۲۹	ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا
بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی	۱۳۰	آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جانِ زار پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی
زانوئے پاکِ نورِ خدا اور سرِ حقیر ذرے کو مہر کر دیا اے آسمان سریر پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں	۱۳۱	عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں
رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں	۱۳۲	لے کر رسولؐ جامِ شرابِ طہور آئے ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں
مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال استادہ ہیں یہ حضرتِ شبّرؑ نکو خصال تنہا نہیں حضور بھلا کیوں ہراس ہیں	۱۳۳	یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال جن کا غلام میں ہوں وہ سب تیرے پاس ہیں
شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب سر خاک پر ٹیک کے یہ بولا وہ جاں بہ لب کس کس کو رو گئے کہ یہ اعدا کے ریلے ہیں	۱۳۴	عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب اے جانِ فاطمہؑ جگرِ سیدِ عرب صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں
راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں	۱۳۵	صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

۱۳۶
یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد
رخسار سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
منہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہ سرد
دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بیکس و ناچار ہو گیا

۱۳۷
بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبی پر گزر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

۱۳۸
جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
زینبؑ تمھیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اٹھاؤ
کب سے بلک رہی سکینہؑ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہ ہو

۱۳۹
کیا ہے، جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لو سے ہوا سے تم
کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
ہم اٹھ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

۱۴۰
اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زماں
لے چلئے گھر میں لاش علمدار نوجواں
رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بی بیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

۱۴۱
سینے سے کی حسینؑ نے اک دل آہ دل خراش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش
فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آئے کاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
کیوں کر کہوں کہ لاشۂ عم گھر میں لے چلو
بہتر ہے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو

۱۴۲
اکبرؑ نے جب علم کو اٹھایا بدرد و آہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشک ماہ
ہے جس طرح زمانے میں اندوہ غم کا ساتھ
اب حشر تک رہا یوں ہی مشک و علم کا ساتھ

۱۴۳
اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہ زماں
واں بھی مرے لیے وہی ہوتا ہے جو یہاں
رو کر امام دیں نے کہا جائیں اب کہاں
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
اٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر ہاتھ جوڑ کر

۱۴۴
ناچار اٹھ کے واں سے امام امم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے
فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
سر ننگے پیچھے سرور عالی ہمم چلے
جنگل میں شور نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپ علمدار شاہ تھا

۱۴۵ فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر
پردہ الٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سیدانیو اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
اکبرؑ علم لیے ہیں علیؑ کا نشاں نہیں
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں

۱۴۶ ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں
گویا کہ تھا شبیہ الم سر بہ سر نشاں
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پرنور دُر فشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۱۴۷ سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اڑ گئے رخوں سے کلیجے الٹ گئے
ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچوں سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

۱۴۸ اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
بولی بہو ترائی میں رو آئے شیر کو

۱۴۹ لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
پرچم پہ یوں لپکتا تھا پنجہ وہ بار بار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈوں میں تھی پکار
سر پیٹتے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

۱۵۰ زیر علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی کہ اے اسد کبریا کے لال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے

۱۵۱ مرجائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے
وہ کیجیے کہ خلق میں ذکر وفا رہے
تھوڑی سی جا مرے لیے پائیں پا رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا
صاحب کی پائنتی ہو سرہانا کنیز کا

۱۵۲ دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی
صورت تمھیں عروس شہادت دکھا گئی
جاگے تمام رات کے تھے نیند آ گئی
کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے آغوش میں سوئیں گے

۱۵۳ صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ
صورت کوئی پناہ کی میرے لیے بتاؤ
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
دنیا تو اب اجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

۱۵۴
فرماتے تھے آج کی شب تک ہمارا پیار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے مرے منہ کو بار بار
کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

۱۵۵
میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب
کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہے غضب
تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں

۱۵۶
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار
زینبؑ نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
لے جائیے علم کو اب اے شاہِ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گذر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباسؑ مر نہ جائے

۱۵۷
زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
اب تو نہ فوج ہے نہ علمدارِ صف شکن
لشکر نشاں کو جائے کہاں اب یہ بے وطن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
لو یہ نشانی شہِ دلدل سوار لو
پٹکا علم سے کھول لو پنجہ اتار لو

۱۵۸
جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
رایت لٹا کے خاک پہ کہنے لگے امام
سر اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بس الوداع اے علمِ سیدِ انام
پیارے گلے کو خنجرِ خوں خوار چاہیے
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیے

۱۵۹
پُرخوں علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
ان نے جو طوق اتارے تھے اور کان کے گہر
گلے کھلے تھے کرتوں کے تھراتے تھے جگر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا

۱۶۰
چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پہ اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی حد سے گذر گئے
بھیا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

۱۶۱
دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
رو کے پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میت نہ اٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

۱۶۲
بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
مداحِ آلِ پاکِ نبیؐ تھا وہ خوش کلام
ہو مغفرت خلیقؔ کی یارب ذوالاکرام
یارب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

	مرثیہ	
جب آب رواں بند ہوا فوجِ حسنؑ پر زغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا	۱	فاقے کئی گزرے شہِ دیں کے رفقا پر پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر باجوں کا ادھر غل تھا ادھر نادِ علیؑ کا
خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہ شام تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو	۲	کس شان سے تھا بیچ میں گلدستۂ اسلام سب تشنہ دہن قتل ہوں زہراؑ کے گل اندام بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو
یہ شیر ہیں آغوش ید اللہ کے پالے گھیرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو	۳	جو سب سے زبردست ہو ہاتھ اُن پہ وہ ڈالے نزدیک سے تلواریں چلیں دور سے بھالے دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو
دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر نازاں ہے بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ ایک عشق ہے ہم شکلِ رسولِؐ مدنی سے	۴	ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر دنیا سے مٹا دو اسد اللہ کی تصویر چھیدو جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے
قاسمؑ کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی فرزندوں کو زینبؑ کے نہ دینا کہیں پانی تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے	۵	ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی اک جعفرِ طیارؑ ہے اور ایک علیؑ ہے
کس شان سے ہیں نیچے ہاتھوں میں سنبھالے کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے تلواروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شبیرؑ	۶	بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے زخمی ہوں کسی بیچ سے یہ گیسوؤں والے زینبؑ نکل آئے گی تو مرجائیں گے شبیرؑ
واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار ذی قدر جواں مردِ خوش اطوار و وفادار آغوشِ محمدؐ کا نگیں اُن کی طرف تھا	۷	تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار دنیا تو ادھر جمع تھی دیں اُن کی طرف تھا
تھا فتح کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ کہتا تھا کوئی حمس کے توکلت علی اللہ گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا	۸	پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا
تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دوجہاں پر تسبیح امامت کے عجب دانے ملے تھے	۹	مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر یا فاطمہ کی شمع کو پروانے ملے تھے

۱۰ عاشق شہ والا کے مطیع اسد اللہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ
سر دینے کو سب ہادی کونین کے ہمراہ
دنیا کو وہ دیں دار سمجھتے تھے گذرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جناب احدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیم ابدی پر

۱۱ خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری
کوئی تو محدّث کوئی حافظ کوئی قاری
معشوقِ امامِ دوجہاں عاشقِ باری
ہم رتبۂ سلمانؓ و ابوذرِ غفّاریؓ
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذّات جہاں کو
تھا چاشنی فقر سے کام اُن کی زباں کو

۱۲ گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر
دانائے جہاں سیفِ زباں صاحبِ شمشیر
موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
طینت میں وفاداروں کے تھی الفتِ شبیر
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

۱۳ ایک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست
سرکائیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست
ثابت قدم و صفدر و جاں باز و زبردست
سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا نہ اولاد کا نہ مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

۱۴ کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پُرنور میں تیروں کے پڑیں تھیں
آنکھیں سپہ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

۱۵ پہلو میں کوئی اور کوئی پیش شہ خوش خو
رخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوش بو
کوئی سپر حفظ کوئی جوشنِ بازو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

۱۶ کیا شانِ حبیب ابن مظاہر کا لکھوں حال
کیا رتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال
وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمانؓ و ابوذر کو نبیؐ سے
ان کو وہی الفت تھی حسینؑ ابن علیؑ سے

۱۷ انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
ابرار بھی دیں دار بھی عصیاں سے بری بھی
پروانۂ جانباز بھی شمع سحری بھی
زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

۱۸ تھا وہ قدم گشتہ شجاعت سے نہ خالی
پس پا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی
مرنے کو چلے گیا کہ چلی تیغ ہلالی
نعرہ تھا یہ ہردم کہ نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رسل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

۱۹
وہ مومن کامل جو زمانے سے سدھارا
فرماتے تھے رو رو کہ نہیں صبر کا یارا
حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنازے پہ حسنؑ کے

۲۰
مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے
دیکھا سوئے افلاک امامِ دوسرا نے
سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
تسبیح امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر ان پہ چلے فوج شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

۲۱
مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
آخر ہوئی اولاد عقیلؑ جگر افگار
بے جاں ہوئے مسلم کے یتیمانِ وفادار
پامال ہوا لو چمن جعفر طیارؑ
لشکر میں تلاطم ہے امام ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں پہ علیؑ کے

۲۲
تھی فکر کے سجدہ میں ید اللہ کی جائی
سیدانیو لوٹی گئی زینبؑ کی کمائی
فضہ نے خبر آکے یکایک یہ سنائی
دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دو بھائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

۲۳
سجدے سے جو سر حضرت زینبؑ نے اٹھایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا کیوں شور مچایا
ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتے ہوئے پایا
جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

۲۴
سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے پیارے
فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے
شادی ہوئی پروان چڑھے لال ہمارے
تھا آج کے دن کے لیے پالا انھیں میں نے
شاہد رہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

۲۵
یاں سن کے ادھر بی بیاں سب پیٹتی تھیں سر
مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشن حیدرؑ
لاکھوں سے لڑا لخت جگر حضرت شبرؑ
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہ زمن کے
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزند حسنؑ کے

۲۶
بھاوج کے جو پردے کو چلے سید ابرار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبؑ ناچار
آگے گئے روتے ہوئے عباسؑ علمدار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر

۲۷
کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ
باقی ہوں غلاموں میں تو میں بیٹوں میں اکبرؑ
دنیا سے سفر کر گیا سب لشکرِ حیدرؑ
دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبرؐ
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو
دیکھا ہے کن انکھیوں سے کئی بار پسر کو

۲۸

میداں میں ترے بھائی کا پیارا ہوا بے دم
کیا جانیے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
اکبرؑ بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
ہوگا وہی جس امر میں کہ آپ کریں گی
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی

۲۹

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کردیں جو اشارا
ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
پھر کیا ہے سنور جائے ابھی کام ہمارا
حامی ہو تو دیر ایک دم ایک پل نہیں ہوتی
مشکل کوئی بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی

۳۰

سنکر یہ سخن کہنے لگی زینبؑ ذی جاہ
اچھا میں کہوں گی یہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
دلوادے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
بھائی سے نہ اٹھے گا یہ کوہ غم جاں کاہ
مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی
آسان نہیں چاہنے والے کی جدائی

۳۱

ہاں رخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو ان کو گوارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا
فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمھارا
اول تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے

۳۲

یہ ذکر تھا جو شاہ امم خیمے میں آئے
اکبرؑ بھی بصد رنج و الم خیمے میں آئے
روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
عباسؑ بھی گردن کیے خم خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو
شبیرؑ نے ایک ایک کا پرسا دیا سب کو

۳۳

جن جن کے پسر ہوگئے تھے دشت میں بے جاں
اے بی بیو تم سب کے ہیں شبیرؑ پہ احساں
ان سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
سب بولیں کہ اے محسنِ عالم ترے قرباں
اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

۳۴

رو کر شہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ
سب واقفے والوں نے تو فردوس کی لی راہ
مشتاقِ اجل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے اللہ
اب ہم نہ کوئی داغ غم و یاس اُٹھائیں
لاشے کو مرے اکبرؑ و عباسؑ اُٹھائیں

۳۵

اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے
عباس یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
آقا یہ جوانی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
حضرت ہی ہمارے تنِ صد پاش اٹھائیں
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں

۳۶

عباسؑ کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ
عباسِ علی رونے لگے سن کے یہ تقریر
فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہے میرا
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا

۳۷
زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہے
شہ نے کہا فرمائیے ہمشیرہ کیا ہے
حضرت نے کہا خیر مناسب ہے بجا ہے
اکبرؑ سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
جلدی انھیں کاہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے

۳۸
کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
رخصت کے لیے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
پوچھو تمھیں تھا ہم سے اور اُن سے یہی اقرار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے اٹھیں گے
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

۳۹
زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجیے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
ان کی یہی دھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجیے
اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجیے
جاں باز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں
ناز اُن کے اٹھا لیجیے کہ اب یہ سفری ہیں

۴۰
یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمھیں ہم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر

۴۱
خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
کیا کہتے ہو تم مجھکو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

۴۲
میں جیتی ہوں کیسا ایسا چلا جاتا ہے آساں
عباسؑ کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانیے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

۴۳
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
چلائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

۴۴
بتلائیے جاتی ہے کدھر آج سواری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری
اس پیاس میں لی راہ خبر خوب ہماری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

۴۵
عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قرباں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
ہم جاتے ہیں پانی کے لیے آؤ مری جاں
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

۴۶
پانی کے لیے واہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں
شب ہوئے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لیے پھر تمھیں روؤں
ہے ہے شہ بیکس کا رلانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

۴۷
عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
قرباں میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
تم بھی پیو اصغرؑ کو بھی چلو سے پلاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا

۴۸
کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گی کسی تدبیر
کیا کہتے ہیں سنئے تو چچا جان کی تقریر
اب مشک بھی لا دو انھیں جو خواہش تقدیر
روکو نہ کہ در پیش عجب راہ ہے اُن کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے انکو

۴۹
دی مشک جو حکمِ پسرِ شاہِ نجف سے
غل خیمے میں رونے کا اٹھا چار طرف سے
رخصت ہوئے عباسؑ محمدؐ کے خلف سے
طالع ہوا خورشید زمیں برج شرف سے
کھولا علم دیں کو جو اس بحر کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

۵۰
گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
تیار تھا اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن
قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
اقبالِ سلیماں سے پری بن گیا توسن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زیں اس پہ نہ تھا تخت سلیماں تھا ہوا پر

۵۱
آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کا تنزل ہوا رن میں
غارت صفِ اعدا کا تجمل ہوا رن میں
شیر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمع مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا پیچھے یہ تلاطم نظر آیا

۵۲
شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
تھرانے لگے کوہ شجر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے در میں
سرقاف چھپانے لگے نقطوں کے پر میں

۵۳
ہلچل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضب حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

۵۴
ناگاہ بیابان بلا نور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حسن رخ حور سے چمکا
جوں پنجۂ خورشید علم دور سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ سر طور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
میں پنجتن پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

۵۵	تھی شانِ علیؑ چہرۂ انور پہ جری کے لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے	کلغی تھی عجب حسن سے مغفر پہ جری کے پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
	شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں	دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں
۵۶	غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو ہم صورت و ہم شانِ یداللہ کو دیکھو	نوباوۂ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
	دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا	نقشہ تھا یہی حسن یہی نور یہی تھا
مطلعِ دوم ۵۷	جب رن کو چلے حضرت عباسؑ علمدار وہ شیر کہ اتری ہے جسے عرش سے تلوار	دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو اک بار اس کا پسر آتا ہے خبردار خبردار
	اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی	آمد ہے بڑی دھوم سے عباسؑ علیؑ کی
۵۸	تشریف اُحد میں یونہیں لائے تھے یداللہ ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے یداللہ	خیبر میں اسی شان سے آئے تھے یداللہ لاکھوں سے یونہیں آنکھ ملائے تھے یداللہ
	قبضے میں یونہیں قبضۂ شمشیرِ دودم تھا	کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا
۵۹	تحریرِ سراپا پہ جو مائل ہوئی خاطر پر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر	حورانِ صفا ہیں کی صدا آئی کہ حاضر ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
	دل نے کہا کیوں امرِ فضولی میں یہ کرے ہے	دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سندی ہے
۶۰	کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا دشوار ہے عباسؑ سے آقا کا سراپا	ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلیٰ کا سراپا آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
	بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے	تشبیہ جب اس شیر کو دیجے تو علیؑ سے
۶۱	جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام	خوش ہو کے عوام اٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
	جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے	یاں رونے کی لذت ہے رلانے کا مزا ہے
۶۲	واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی نافہم اچھلنے لگے چپ ہو گئے باکی	پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی اشکوں نے بھی رک رک کے کہا یہ عینِ خطا کی
	ہمسر کیا ذرے کو رخِ بازوئے شہ کے	کھولے درِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے
۶۳	ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قرباں ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیاں	ابرو بھی جگر گوشۂ حیدر کے زہے شاں یہ اس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جاں
	جو شاہ ہے قوسین مکاں ارض و سما میں	فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

۶۴

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو
چہرہ کو کہا گر گل مہتاب ہے یہ رو
اس کی تو بصارت نہیں اس کی نہیں ابرو
اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سرخی نہ یہ خوش بو
بے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ ایک داغ لگا ہے

۶۵

مضمون دہن کے شعرا رہتے ہیں جو یا
غنچہ جو کہا لطف سخن اور بھی کھویا
پوچھے کوئی کوثر سے زبانوں کو بھی ہے دھویا
اسرار الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
اس عقدہ کو گر آپ ہی کھولیں تو کھلے گا

۶۶

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
یہ دُرِ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے
بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
تاروں کو بھی صدقے فلک اُن پر سے اتارے
کیا وصف کریں اُن کا سوا اصل علی کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نور خدا کے

۶۷

لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہن تنگ
اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کی اوصاف کی ہم میں
یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

۶۸

قامت کو کہا سرو تو چال اس میں کہاں ہے
یہ حسن یہ صورت یہ جمال اس میں کہاں ہے
یہ سیب و ذقن یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ ایک شاخ لگی ہے

۶۹

جو بات کہ مہمل ہو وہاں چاہیئے اہمال
ہاں دیکھ کمیت قلم اچھی نہیں یہ چال
زیبا غزل و شعر میں ہے وصف خط و خال
اب بڑھتے ہیں عباسؑ صفیں ہوتی ہیں پامال
ہے جوش وغا ضیغم یزداں کے پسر کو
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

۷۰

اعدا بھی ادھر مستعد جنگ و جدل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے یل ہیں
کوفے کے تمن رے کے پرے شام کے دل ہیں
سب دشت میں نیزوں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
اونچا ہے ہر ایک ہاتھ سپر سر سے اٹھی ہے
گھنگھور گھٹا شام کے لشکر سے اٹھی ہے

۷۱

کالے وہ علم فوج سیہ رو کی نشانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
تھی صاف صدا ہائے بہادر کی جوانی
بے کس شہ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی
شہنا میں بھی مظلوم حسیناؑ کی صدا تھی

۷۲

یاں تیغ جگر بند علیؑ میاں سے نکلی
فریاد دلِ قوم بنی جان سے نکلی
کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

۷۳
نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
تھرانے لگے کوہ اراضی عرب کے
ماہی سے ادھر گاوِ زمیں مل گئی دب کے
تھرائے صدا سن کے شجاعِ ازلی کی
جبریلؑ کو یاد آ گئی آوازِ علیؑ کی

۷۴
شبدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا
تنگی سے قفس تھا اسے دنیا کا خرابا
پھر آ گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دو رکابا
اترا تو دبانے کو عجب غیظ سے چابا
نے جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

۷۵
پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے
تارے دمِ شوخی و رداردو نظر آئے
جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے
جب جم کے اڑا چار مہِ نو نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر
خورشید تو زیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر

۷۶
سیدھی جو چلی تیغ صفوں کا ورق الٹا
چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق الٹا
اُستادِ شجاعت نے پڑھایا سبق الٹا
جبریلؑ پکارے کہ زمیں کا طبق الٹا
رکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علیؑ کا

۷۷
وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا
کفار پہ وہ حملۂ حیدر نہیں بھولا
اب تک مجھے اس ضرب کا لنگر نہیں بھولا
بہتا ہے لہو آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

۷۸
بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جو سَن سے
راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے
صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے
سر طائرِ وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے
کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے جو ہوں بس میں
مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں

۷۹
چلے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
خوں پی کے برش تیغ نے پائی تھی غضب کی
اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
انداز ہر اک تاب میں تھا چیں بہ جبیں کا

۸۰
کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشارا
نے بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
اک چشم زدن میں اسے مارا اسے مارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اُس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر

۸۱
کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا
وہ دیدۂ جوہر سے جفاکاروں کا تکنا
شعلہ تھا تجلی گرد تھا بجلی کا چمکنا
گویا تھا تماشہ اسے کشتوں کا پھڑکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

۸۲
بجلی کا چلن شعلے کی خو سرکش و بیباک
خوں خوار، جفاکار و ستم پیشہ و سفاک
صرصر سے سبک دست، گراں قیمت و چالاک
کج بازو سر انداز، ترش رو و غضبناک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آمد تھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

۸۳
بسمل ہوا جس کو جھلک اس کی نظر آئی
چورنگ کیا اس کو آسے اُٹھ کر آئی
بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

۸۴
فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
خوں اتنے کیے اور گنہگار نہ ٹھہری
مجرم رہی، سرکش رہی، بے باک رہی وہ
دھبہ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

۸۵
کاٹی جو سپر، مغفر سنگیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ، ظالم خود ییں پہ نہ ٹھہری
سر سے جو بڑھی گردن بے دیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا یہ زیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پر جبریلؑ امیں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو

۸۶
پشتے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس
جب خون میں بھر جاتی تھی وہ پرچۂ الماس
پیتی تھی لہو دم بہ دم اور بجھتی نہ تھی پیاس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرت عباسؑ
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
عباسؑ کی سرکار سے رومال ہوا تھا

۸۷
ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے پسر کے

۸۸
ہر موج زیارت کے لیے ہو گئی بے تاب
تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب
آتا ہے ادھر بحر شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو سنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے نذر ہتھیلی پہ صدف کی

۸۹
جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
یاد آ گئی بس تشنگیِ سید والا
لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

۹۰
دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
انصاف کرا انصاف یہ کیسا ظلم ہے کیا قہر
سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
شبیرؑ تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاسے کا جب ذکر پیمبرؐ سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیِ کوثر سے کریں گے

اے آب محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے گلزار نبیؐ کا گل تر تشنہ دہن ہے	۹۱	اے آب شہ جن و بشر تشنہ دہن ہے دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے		ہیں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے
دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک تسمے سے دہن باندھ کے ہرنا پہ دھری مشک	۹۲	بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک غل پڑ گیا دیکھو لیے جاتا ہے جری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو		دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو
گرداب سے ایک حلقۂ ماتم تھا نمودار سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار	۹۳	پانی کے لیے لہر ہر اک بن گئی تلوار لو ڈوبتا ہے خوں میں علیؑ کا دُرِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لب جو سے		پھر تیروں کا مینھ پڑنے لگا فوج عدو سے
دریا تو ادھر اور اُدھر لشکر قہار تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھار	۹۴	مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علم دار جا سکتے تھے آفت میں نہ اس پار سے اس پار
طوفاں تھا تلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی		کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی
ہوتا تھا ادھر خاتمۂ جنگ علم دار اٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوج ستمگار	۹۵	بسمل سے تڑپتے تھے ادھر سید ابرار گر گر کبھی چلاتے تھے ہے ہے مرے غم خوار
بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ		جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ
کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی	۹۶	شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہے بھائی مشکیزہ کے لے آنے پہ ہوتی ہے لڑائی
خوں خواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے		دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہے
کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس	۹۷	کیوں بی بیوں بچے مرے کیا ہو گئے بے آس اے وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو		تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو
عباسؑ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈسالہ پہناؤ	۹۸	آ جائے گا پھر غش نہ سکینہؑ کو رلاؤ ڈیوڑھی پہ چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
خود کہہ کے گئے تھے وہ سلامت نہ پھریں گے		عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے
ماتم تھا ادھر گھر میں ادھر روتے تھے شبیرؑ دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر	۹۹	واں چلتے تھے عباس علیؑ پر تبر و تیر ہر سمت سے اُمڈا ہوا تھا لشکر بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی		لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس وہ فوج کا نرغہ وہ ہجوم الم و یاس	۱۰۰	ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباسؑ		تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ
فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ پیچھے سے پڑی تیغ ستم دوش پہ ناگاہ	۱۰۱	شمشیر بکف بیچ میں ابنِ اسد اللہ شاخِ شجرِ باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ
ایک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دو دم کے		اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے
گرنے لگا جس دم علمِ سید والا اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا	۱۰۲	عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شیر نے ڈالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا		شق ہو گیا سر حضرتِ عباسِ علیؑ کا
کچھ گرز گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا	۱۰۳	سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا پھر تیر نے شکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوجِ عدو میں		مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں
ناگاہ یہ آوازِ علیؑ دشت سے آئی چلائی یہ زینبؑ کہ دہائی ہے دہائی	۱۰۴	شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہِ ہر دو سرا لائے ہیں زینبؑ		عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ
جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو ریتی پہ گرے شاہ کے غم خوار کے بازو	مطلع سوم ۱۰۵	شانوں سے جدا ہو گئے جرار کے بازو تھرانے لگے سیدِ ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیرؑ		ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ
اکبرؑ سے کہا کردو گریباں مرا پارا عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا	۱۰۶	ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہؑ		بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہؑ
فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا	۱۰۷	سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ		گھبرا کے ہر ایک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ
کہتے تھے اٹھا کر یہ علی اکبرؑ ذی جاہ فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ	۱۰۸	دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ عباسؑ علیؑ کھو گئے دنیا سے ہمیں آہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا		اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

۱۰۹ حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
عباسؑ علمدار سسکتے نظر آئے
بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

۱۱۰ ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر
صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
اکبرؑ نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

۱۱۱ سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے
پھیر دو مرے لاشے کو میں قربان تمہارے
قبلے کی طرف چاہیئے منہ اے مرے پیارے
بے دست ہیں اس وقت میں احسان کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

۱۱۲ کیا میرے لیے روتے ہو بابا کو اٹھاؤ
میں اٹھ نہیں سکتا تمہیں مولا کو اٹھاؤ
للہ زمیں سے شہِ والا کو اٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اٹھاؤ
واجب پسرِ مصحفِ ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے

۱۱۳ غش میں یہ سخن سن کے پکارے شہِ ذی شاں
اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جاں
یہ کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
ل بیجے عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسِ علیؑ سے

۱۱۴ چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی
کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمہیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

۱۱۵ خشکیدہ زباں کو جو نہیں تاب کا یارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم سے اِشارا
معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمہارا
کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

۱۱۶ یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری
عباسِ علمدار کراہے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری
چلا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہؑ

۱۱۷ یوں کہنے لگی دوڑ کے فضہ جگر افگار
چلائی بہن ڈیوڑھی سے یا سید ابرار
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ

۱۱۸
گھبرا کے سوئے خیمہ گئے دیکھنے سرور
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی ٹوپی نہیں سر پر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہر خدا نہر کدھر ہے

۱۱۹
سقے کا مرے نام ہے عباسؑ علمدار
تصویر علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار
پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
پھر آنے کی قسمیں انھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

۱۲۰
لاشے پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے
کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تمھارے
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس کے مارے
حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
میں تم کو اسی واسطے بہلاتا تھا رو کر
اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

۱۲۱
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر
دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسؑ دلاور
اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر
حضرت نے کہا لاش علمدار دکھا کر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منہ دیکھ لو یہ نہر سے عباسؑ پڑے ہیں

۱۲۲
میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی
چلائی سکینہؑ کے دہائی ہے دہائی
ریتی پہ علمدار نے بھی شکل چھپائی
تھرانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ
لاشے سے بھی آئی یہ صدا ہائے سکینہؑ

۱۲۳
خاموش انیسؔ اب یہ دعا کر کہ الٰہی
اب جلد سوئے روضۂ شبیرؑ ہوں راہی
اب ہند میں کب تک یہ فقیری یہ تباہی
اُس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی
سرکار شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسؑ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

عباسؑ سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبرؑ سا بھی گل بدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ہلے
اصغرؑ سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

رباعی

گر دوستیِ علیؑ میں مرجاویں گے
بگڑے ہوئے سب کام سنور جاویں گے
جس وقت کہیں گے منہ سے یا شیرِ خدا
جوں برق صراط سے گذر جاویں گے

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے جلادوں میں اُس صاحبِ توقیر کو لائے	مرثیہ ۱	لختِ جگرِ بانوئے دل گیر کو لائے ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو		خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے قمر کو
معصوم کے رخ پر ہے عجب حسنِ عجب نور اسپند ہے اس رخ کے لیے خالِ رخِ حور	۲	آئینۂ افلاک تجلی سے ہے معمور موسیٰ کے کفِ دست پہ ہے شمعِ سرِ طور
کیا صاحبِ اعجاز امامِ دوجہاں ہے		نورِ یدِ بیضا بہ سرِ دست عیاں ہے
حسنِ رخِ اصغرؑ سے خجل نیّرِ اکبرؑ گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر	۳	خورشید تو ذرہ ہے ستارہ مہِ انور ہیں صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
بالوں کے تلے لوحِ جبیں نور فشاں ہے		ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے
ابرو کو دیا ہے یدِ قدرت نے عجب خم ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم	۴	بس دو مہِ نو صاف نظر آتے ہیں باہم دشوار ہے پلکوں کا جھپکنا جھپیں ہر دم
ہے خواب بھی اس چشمِ گہربار کو بھاری		جس طرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری
آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی	۵	روشن ہوا دل جس کو وہ صورت نظر آئی زردی سی ہے ان پھول سے رخساروں پہ چھائی
شہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے		ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے
روشن وہ گلا شمعِ تجلی کی ہے تصویر دو روز سے پانی نہ مقدر میں ہے نہ شیر	۶	سو اس پہ لگے تیر یہ قسمت کی ہے تحریر اور کنٹھ جو بیٹھا ہے تو ہے موت گلو گیر
اب دودھ بھی اور طوق بھی منت کا بڑھے گا		فریاد ہے نیزے پہ یہ سر کٹ کے چڑھے گا
کیا دوش و بر و ساعد و بازو کا کہوں طور ننھا سا وہ سینہ ہے کہ آئینۂ بلور	۷	سب نور کے سانچے میں ڈھلے ہیں جو کرو غور کس طرح اٹھا ایسے پہ دستِ ستم و جور
ان ہاتھوں پہ جو پنجتنی ہیں وہ فدا ہیں		گو مٹھیاں باندھے ہیں مگر عقدہ کشا ہیں
گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبہ ہے زیادا کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادا	۸	ہے موسمِ طفلی میں جوانوں کا ارادا زہراؑ سی تو دادی ہے اسداللہ سا دادا
ہے عمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے		بے جنگ کے خلق میں کیا نام کیا ہے
نازک ہے لبِ لعل جو برگِ گلِ تر سے گہوارے میں دم توڑتے تھے چار پہر سے	۹	وہ پانی کو محتاج رہے دودھ کو ترسے لے آئے ہیں گھبرا کے شہِ دیں اُسے گھر سے
بچے کو اماں ظلم سے پانی نہیں دیتے		منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

۱۰
وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ
خوشبو میں یہ از عطر گلاب اس کا پسینہ
جس میں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
سینہ نہیں اک در نجف کا ہے نگینہ
اب خوں میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا
جس جھولے میں وہ پلتے ہیں تابوت بنے گا

۱۱
اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اس کا شہِ خوش خو
جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو
میداں میں تجلی ہے مہ و مہر کی ہر سو
کھولے ہیں دہن مثل صدف اصغرِ مہ رو
پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

۱۲
کچھ گھٹنیوں چلنے سے ابھی تک نہیں آگاہ
ہے عمر تو کوتاہ پہ ہمت نہیں کوتاہ
ہیں راہِ الٰہی میں مگر باپ کے ہمراہ
اس سن میں عجب عزم ہے العظمۃ للہ
میداں میں مرنے کے لیے آئے ہیں گھر سے
پہلے ہی فردوس میں پہونچیں گے پدر سے

۱۳
فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیارے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے
بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہلِ جفا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
بے پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں

۱۴
مجھ پر تو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی
منت کشِ ادنیٰ ہوں یہ جا گہ ہے عجب کی
حاجت متعلق ہے مری ذات سے سب کی
میں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہر لبن دور نہیں ہے

۱۵
مشکل میں مدد چاہتی ہے مجھ سے خدائی
شاہوں کے لیے فخر ہے اس در کی گدائی
ہر بندے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
جنات مرے نام کی دیتے ہیں دہائی
قرآن سے ظاہر ہے شرف آلِ نبیؐ کے
احساں ہیں ملائک پہ حسینؑ ابن علیؑ کے

۱۶
بخشے ابھی اللہ ہیں جس شے کا ہوں خواہاں
قطرے سے جو چاہوں تو اٹھے نوحؑ کا طوفاں
پانی کا جو لوں نام تو ہو بارشِ باراں
پیدا ابھی اس خاک سے ہو چشمۂ حیواں
یہ سب مجھے قدرت ہے پہ راضی بہ رضا ہوں
مظلوم ہوں پیاسا ہوں غریب الغربا ہوں

۱۷
چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری
ظاہر کرے کوثر کو یہیں خالقِ باری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمہاری
بابا بھی رہِ حق میں فدا تم بھی فدا ہو
ہم مرتے ہیں اس پر کہ رضامند خدا ہو

۱۸
لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار
میں نے بھی کیا ہے طلب آب کا اقرار
دروازے پہ سر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کا اظہار
پردہ نہیں دینے کا مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

۱۹
یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعب تشنہ دہانی
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
کہتے ہیں کہ ایک بوند پلا دو ہمیں پانی
سب خلق پہ احسان حسینؑ ابن علیؑ ہیں
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آل نبیؐ ہیں

۲۰
آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمھارے
ہم حیدر و زہرا و پیمبر کے ہیں پیارے
دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
دن آج تمھارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

۲۱
اب چوکے تو بخشش کا کوئی طور نہیں ہے
ہم پیاس سے مرتے ہیں تمھیں غور نہیں ہے
کوثر پہ پہونچنے کی سبیل اور نہیں ہے
سوچو یہ مقام ستم و جور نہیں ہے
مسلم ہو طریقِ اسد اللہ پہ آؤ
بہکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ

۲۲
بس دل میں نہیں نور محبت کا ہماری
بےکار ہے گو عمر عبادت میں گذاری
قرآں سے ہے ثابت کہ وہ ناری ہے وہ ناری
کچھ نفع نہ بخشے گی اسے طاعت باری
عشق اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہے
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اس میں نہیں ہے

۲۳
جو دوست ہمارے ہیں وہ ہوں گو کہ گنہ گار
پلّے پہ علیؑ ہووینگے اور احمدؐ مختار
بخشائیں گے ہم اور انھیں بخشے گا غفار
ہو جائے گی میزانِ عمل آپ سبک سار
ہے دوستیِ آل انھیں روز ازل سے
پیارا ہے یہی ایک عمل لاکھ عمل سے

۲۴
جو لوگ ہیں ثابت قدمِ الفتِ حیدر
فرمائیں گی یہ فاطمہؑ ان لوگوں سے آکر
بالائے صراط اُن کے نبیؐ ہوویں گے رہبر
لو تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
دم بھرتے رہے ہو سحر و شام علیؑ کا
جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علیؑ کا

۲۵
تم لوگوں میں احمدؐ نے امانت ہمیں چھوڑا
قرآں سے بھی تم پھر گئے منہ ہم سے بھی موڑا
سو تم نے تو سر رشتۂ الفت ہی کو توڑا
یہ بھی ہے بہت پانی اگر دو ہمیں تھوڑا
اولادِ نبیؐ قابلِ بیداد نہیں ہے
کیا آیۂ لا اسئلکم یاد نہیں ہے

۲۶
ان پھولوں سے رخساروں کو کمھلانے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس اٹک جانے کو دیکھو
اتنی ہے عداوت تمھیں نازوں کے پلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گلے سے

۲۷
سن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے
خیر آئے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی میں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

۲۸
فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
دریا سے تمھیں پانی پلا دو اسے لا کر
اپنے لیے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

۲۹
وہ بولے کہ اکبرؑ سے زیادہ نہیں اصغرؑ
گو چھوٹے بڑے ہیں پہ ہیں اک بحر کے گوہر
شہ بولے کہ رتبے میں تو دونوں ہیں برابر
وہ برجِ شرف کا قمر ہے تو یہ اختر
اس کو جو کلیجہ تو مرا دل اُسے سمجھو
قرآں اُسے سمجھو تو حمائل اُسے سمجھو

۳۰
بڑھ کر بنِ کاہل نے کہا اے شہِ والا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرہ
اکبرؑ کو تو دیکھا اُسے میں نے نہیں دیکھا
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچہ
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرؑ صفدر کی زیارت

۳۱
شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا
خم ہو گئے اسے مثلِ کماں شہ نے بچایا
چلّے سے کماں دار نے وال تیر ملایا
مانندِ اجل ناوکِ ظلم و ستم آیا
شبیرؑ چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

۳۲
حلقہ تو وہ دو ماہ کا اور تیر سہ پہلو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرؑ مہ رو
منھ کھل گیا تھرانے لگے ننھے سے بازو
گلرنگ ہوا طوق گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر

۳۳
فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
دم آ کے رکا حلق میں اُس تشنہ گلو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
خوں منھ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

۳۴
مچھلی سا جو ہاتھوں پہ تڑپتا تھا وہ بے شیر
جب خوں نہ ہوا بند گلے سے کسی تدبیر
بیتاب تھے بچے کے لیے حضرت شبیرؑ
چلو سے لگے پھینکنے سوے فلک بے تیر
اس خوں کو ملک لے گئے افلاک کے اوپر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

۳۵
قطرہ اگر اس خون کا گرتا بہ سرِ خاک
ہو جاتی گرفتارِ بلا اُمتِ سفاک
دانہ کبھی اگتا نہ زمیں پر تہِ افلاک
اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ لولاک
فرماتے تھے راضی ہوں میں جو مجھ پہ تعب ہو
نازل مگر اُمت پہ نہ خالق کا غضب ہو

۳۶
جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
چلّائے عجب درد سے رو دیے شہِ والا
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غل تھا کہ اب امت کا نگہبان علیؑ ہے
فریاد کو زہراؑ طرفِ عرش چلی ہے

۳۷
شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
اے بارِ خدا خلق سے اصغرؑ بھی سدھارے
کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

۳۸
گردوں سے صدا آئی کہ اے فخرِ خلائق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق
رتبہ ہے ترا صبر میں ایوبؑ سے فائق
ہے شوق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شائق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے
اب وصل کا معشوق کے ہنگام قریں ہے

۳۹
سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
تعویذ پہ منہ رکھ دیا رقت بہت آئی
چلائے کہ دُر دُر کے نہ رونا علی اصغرؑ
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

۴۰
فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار
یا تو ہے دلِ افگار کی دولت سے خبردار
اس بندۂ بےکس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف کا
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں دُرِّ نجف کا

۴۱
فرماکے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبطِ پیمبرؐ
کیا جاکے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغرؑ
رو کر کہا اب خیمے میں جانا نہیں بہتر
پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کے برابر
سرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھوں کو قبضہ پہ دھرے تھے
کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

۴۲
افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن
مغفر تو سرِ پاک پہ اور جسم پہ جوشن
چار آئینے میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
گردانے ہوئے جامۂ پرنور کا دامن
کرتا تنِ اطہر میں رسولِ عربیؐ کا
زیبِ کمرِ پاک کمربند علیؑ کا

۴۳
اس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی
تفسیر تھا وہ حاشیۂ ریشِ خضابی
تھا رتبے میں قرآں سے نہ کم روئے کتابی
پر تین شب و روز سے تھی بے خور و خوابی
کہتے تھے ملک دین کے سرتاج کو دیکھو
شانِ پسرِ صاحبِ معراج کو دیکھو

۴۴
اڑتے تھے ہوا سے جو وہ گیسوئے معنبر
عالم کی ضیا بخش تھی پیشانیِ انور
سارا وہ بیاباں تھا کئی کوس معطر
ہم رتبۂ لوح ورقِ مصحفِ اکبر
سجدے کی جگہ پر جو ستارہ سا عیاں تھا
وہ احمدِ مختار کے بوسے کا نشاں تھا

۴۵
ابرو ہے کلیدِ درِ گنجینۂ اسرار
اس چشم پہ آنکھوں سے فدا ہیں اولو الابصار
بالیدہ و سنجیدہ و پیوستہ و خمدار
گر خواب میں دیکھے تو ہے طالعِ بیدار
ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا
دیکھا جو اسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

۴۶ مژگانِ سیہ سبزۂ گردِ لبِ کوثر
اشکوں سے صدا خوفِ الٰہی میں رہے تر
اور شمع سرِ طور کی تو بینیِ انور
سوکھے ہوئے لب لعلِ بدخشاں سے تھے بہتر
دندانِ مبارک کو نہ کہیے کہ گہر ہیں
ہیرے کے نگینے ہیں تو یاقوت کے گھر ہیں

۴۷ کیا سینہ و گردن کے کروں حسن کو تحریر
وہ شمع تجلی ہے تو یہ نور کی تصویر
سو اُس پہ تو شمشیر چلی اُن پہ چلے تیر
تیغ ایک پہ اور ایک پہ تھا زانوے بے پیر
تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی رن میں
سر کھولے ہوئے فاطمہ چلاتی تھی رن میں

۴۸ شانوں کا وہ نور اور وہ بازو کی صفائی
کمزور تھے جس وقت سے مارا گیا بھائی
جن ہاتھوں نے سب خلق کی کی عقدہ کشائی
فریاد ہے جمال نے کاٹی وہ کلائی
اک ظالم بے رحم نے یہ ظلم کیا تھا
اُنگلی کو انگوٹھی کے لیے کاٹ لیا تھا

۴۹ اُن قدموں کا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں ہے
کیا مرحلۂ عشقِ الٰہی کو کیا طے
حاصل تھی نہ اسباب تعلق سے کوئی شے
ہر آن رہے رونقِ اسلام کے درپے
بتلا گئے وہ راہ رضا سب کو جہاں میں
پیرو ہیں جو اُن کے وہی پہونچیں گے جناں میں

۵۰ لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور
جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستم گر
بجلی سا تہِ ران فرسِ خاصِ پیمبرؐ
حمزہ کی سپر تیغِ علیؑ نیزۂ جعفرؑ
غل تھا شہِ ابرار کے کاندھے پہ کماں ہے
یا شمس فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہے

۵۱ دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی
تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی
تنہائی اِدھر اور اُدھر ساری خدائی
سر کاٹ لیں تھے واں کے سوار اس تگ و دو میں
یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت تھی جلو میں

۵۲ تھی داہنی طرف فاطمہؑ بکھرائے ہوئے بال
کہتی تھی ہیں صدقے تری غربت کے مرے لال
قربان گئی زخم کا بازو کے ہے کیا حال
گھوڑے سے جھکو تم تو یہ ماں باندھ دے رومال
ہے ایک تو صدمہ تمھیں تشنہ دہنی کا
اس زخم پہ پھر قصد ہے شمشیر زنی کا

۵۳ فرماتے تھے یہ شیرِ خدا بادلِ غمناک
روحی بفداک اے پسرِ سیدِ لولاک
گرتے تھے کبھی فرطِ بکا سے بسرِ خاک
اُٹھتے تھے کبھی تھام کے رہوار کی فتراک
روتے تھے ملک گریۂ محبوبِ خدا سے
ہلتی تھی زمیں ہائے حسینا کی صدا سے

۵۴ تھے سارے نبیؑ احمدِ مرسلؐ کو سنبھالے
اور نوحؑ کی گردن میں وہ تھے ہاتھوں کو ڈالے
چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کے پالے
صدقے ترے اے میری زباں چوسنے والے
امت کے لیے برچھیاں کھانے کو چلے ہو
دوزخ سے محبوں کو بچانے کو چلے ہو

۵۵
جنات میں تھا سید کونین کا ماتم
ڈر تھا کہ نہ دنیا ہو کہیں درہم و برہم
سب کہتے تھے موجود ہیں لڑنے کے لیے ہم
ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا عرش معظم
مشتاق تھے سب جنگ شہ جن و ملک کے
کھولا تھا فرشتوں نے دریچوں کو فلک کے

۵۶
ناگاہ ادھر چوب لگی طبل وغا پر
طاری ہوا غصہ پسر شیر خدا پر
اور پڑنے لگے تیر امام دوسرا پر
تلوار علم کر کے چلے اہل جفا پر
فرمایا کہ ہاں پہلے کدھر کھیت پڑے گا
لڑنے کو سب آتے ہیں کہ ایک ایک لڑے گا

۵۷
وہ بولے کہ یوں آپ سے سر بر کوئی کب ہو
کچھ غم نہیں تم ایک مرے سامنے سب ہو
فرمایا کہ معلوم ہوا ننگ عرب ہو
کیا ڈر اُسے خود جس کو شہادت کی طلب ہو
لڑتا نہ کبھی تم کو اگر نیک سمجھتا
ہیں لاکھ کو اور ایک کو ہو ایک سمجھتا

۵۸
جوہر ہے جو ان مردوں کا تلوار سے مرنا
ہے ننگ شجاعوں کے لیے موت سے ڈرنا
جو گذرے سو گذرے کہ جہاں سے ہو گذرنا
خلعت ہے شہادت کا ہمیں خون میں بھرنا
تلواریں لگیں نخل شہادت کے یہ پھل ہیں
مرنے پہ وہ مرتے ہیں جو مشتاق اجل ہیں

۵۹
بلوہ یہ زیادہ نہیں صفین و جمل سے
تنہا ہی لڑے شیر خدا فوج کے دل سے
ہاں ہے یہ نئی بات کہ پیاسا ہوں میں کل سے
پھولا گل اسلام اسی تیغ کے پھل سے
سب مل کے لڑو مجھ سے رضامند ہوں میں بھی
اے قوم اسی شیر کا فرزند ہوں میں بھی

۶۰
فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہ مرداں
رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں
کفار پکارے کہ گری برق درخشاں
ہاں منہ سے نہ نکلی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
پیوست جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے
معلوم ہوا پہلوؤں سے پر نکل آئے

۶۱
اس کے لیے ایک گام تھا سو کوس کا دھاوا
اڑتا کبھی مڑتا کبھی جست اور کبھی کاوا
تیغوں کو چباتا تھا یہ جوہر تھا علاوا
کہتے تھے ستمگر یہ پری ہے کہ چھلاوا
کس گھات سے روکیں فرس تیز قدم کو
سایہ بھی تو اس کا نظر آتا نہیں ہم کو

۶۲
غصے میں وہ تن تن کے دہانوں کو چباتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا
اور جوش شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے تھلکتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا

۶۳
لڑتے تھے حسینؑ ابن علیؑ فوج ستم سے
ہر غول میں پھرتا تھا وہ کس کس چم و خم سے
سر گرتے تھے ضربت شمشیر دو دم سے
پامال بدن ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
رہوار نے واں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا
تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا

۶۴
بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر خوں میں ٹپکتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
واں چمکی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اس برق کے واروں نے جلایا
شعلوں سے جو بھاگے تو شراروں نے جلایا

۶۵
غل فوج میں تھا آج تو ہے آگ برستی
کوفے کو لگی آگ جلی شام کی بستی
فریاد ہے اب خاک ہوا خرمنِ ہستی
بس اب کوئی دم میں نہ بلندی ہے نہ پستی
یہ برق غضب کم نہیں کچھ قہر خدا سے
چنگاریاں آتش کی نکلتی ہیں ہوا سے

۶۶
بجلی کی طرح لشکر سفاک پہ چمکی
جب ہاتھ اٹھا طارم افلاک پہ چمکی
بے جاں ہوا جس کے سرِ ناپاک پہ چمکی
چمکی کبھی گردوں پہ کبھی خاک پہ چمکی
ساتوں طبق ارض دہل جاتے تھے اس سے
سکان سماوات بھی تھراتے تھے اس سے

۶۷
وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
گہہ فرق پہ گہہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
چمکی جو چھری چل گئی دشمن کے جگر پر
پس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دو سر پر
جس پر گئی بے دو کئے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

۶۸
ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینے میں بھی نہ رہے امن سے جلاد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفر فولاد
تھی سیل فنا خانۂ تن کردیے برباد
ضرب اس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسی دام اجل میں

۶۹
تیروں سے قلم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں
ثابت نہ رہے تیر نہ ترکش نہ کمانیں
رہ جاتے تھے سب داب کے دانتوں میں زبانیں
جانے لگیں دوزخ کو جفاکاروں کی جانیں
ناوک جو ستم گاروں نے ترکش میں دھرے تھے
تیروں سے وہ خالی تھے مگر خوں سے بھرے تھے

۷۰
شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
سیدھی جو پڑی سر پہ تو اللہ رے صفائی
اک ہاتھ مع سر کے نہ دیتا تھا دکھائی
بس ہو گئی دشمن کے سر و تن میں جدائی
کھینچا اسے دو کر کے جو شمشیر دو سر کو
گھوڑے کے ادھر نصف گرا نصف ادھر کو

۷۱
نعرہ تھا لعینو! ان کا ہل کو بتاؤ
مرتد کو جفاکار کو جاہل کو بتاؤ
ہاں اصغرِ معصوم کے قاتل کو بتاؤ
ظالم کا نشاں سرورِ عادل کو بتاؤ
کچھ سوچ کے اس وقت اسے چھوڑ دیا تھا
اس نے تو کلیجے کو مرے توڑ دیا تھا

۷۲
تھراتے تھے سن سن کے یہ نعرے ستم آرا
بیہر فوج میں ڈوبا اسد اللہ کا پیارا
تھا ایک کو دہشت سے نکلنے کا نہ یارا
اس وقت یہ شمر ستم ایجاد پکارا
حضرت کو تو یاں قاتل اصغر کی طلب ہے
واں بی بیاں خیمے سے نکل آئیں غضب ہے

۷۳
مڑ کر شہِ والا نے جو دیکھا تو یہ دیکھا
سر کھولے ہوئے پیٹتی ہے دخترِ زہرا
اک حشر مزارِ علی اصغرؑ پہ ہے برپا
کہتی ہے سکینہ مرے بھیا مرے بھیا
بانوئے حزیں چاک گریباں کیے ہے
چھاتی کے تلے ننھی سی تربت کو لیے ہے

۷۴
چلاتی ہے اصغرؑ مجھے آواز سنا دو
قربان گئی ننھے سے ہاتھوں کو اٹھاؤ
تربت میں اندھیرا ہے مری گود میں آؤ
مر جائے گی ماں خاک سے منہ کو نہ چھپاؤ
تھا میں نے تو سبط شہ لولاک کو سونپا
شبیر نے ہاں لا کے تمہیں خاک کو سونپا

۷۵
یہ حال جو دیکھا تو پکارے شہِ دلگیر
یہ سنتے ہی سب ٹوٹ پڑا لشکرِ بے پیر
قاتل ہے کہاں پھیر دے اب حلق پہ شمشیر
سینے پہ لگے تیغ و سناں و تبر و تیر
ٹکڑے ہوا ہر عضوِ بدن تیغوں سے کٹ کر
غش ہو گئے رہوار کی گردن سے لپٹ کر

۷۶
خاتونِ قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
گرتا ہے مرا لال محمدؐ کی دہائی
اب کیا کروں ہے ہے مری اماں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے سید کو بچاتا نہیں کوئی

۷۷
واں نالۂ زہرا سے فلک تھا تہ و بالا
ہلنے لگا جو عرش فرشتوں نے سنبھالا
یاں پہلوئے سرور پہ لگا ظلم کا بھالا
چلاتی تھی وہ ہائے مری گود کا پالا
حیدر کے تو نالے گئے افلاک کے اوپر
اور تاجِ سرِ عرش گرا خاک کے اوپر

۷۸
غلطاں جو لہو میں نظر آیا اسے اسرار
دو تین گھڑی تک تو رہے غش شہِ ابرار
سر خاک پہ جھک جھک کے ٹیکنے لگا رہوار
آنکھیں جو کھلیں حلق پہ تھا خنجرِ خوں خوار
پہلو میں سرِ فاطمہؑ عریاں نظر آیا
جلاد کے پنجے میں گریباں نظر آیا

۷۹
خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کئی باری
خاموش انیس اب کہ غم و درد ہے طاری
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
اس ظلم کا بخشے گا صلہ ایزدِ باری
محشر میں علی ساغرِ کوثر تجھے دیں گے
گھر خلد میں رہنے کو پیمبر تجھے دیں گے

رباعی

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

رباعی

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوان حیدرؑ
ذاکر بھی ہیں مصروف بیانِ حیدرؑ
ہر گھر میں ہے آج بزم ماتم برپا
رونے کو ہیں جمع شیعانِ حیدرؑ

رباعی

رونے میں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں
کیا صبر امامؑ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بر میں
اس بیٹے کو اُمّت پہ فدا کرتے ہیں

رباعی

بانو کہتی تھی ہائے اکبرؑ نہ رہے
غم رہ گیا ہم شکل پیمبرؐ نہ رہے
ہو کر چھ مہینے کے گئے دنیا سے
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

رباعی

دستان یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہراؑ
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہراؑ
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ لوگو
کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہراؑ

رباعی

جب ذبح حسینؑ ذوی الاکرام ہوا
ماتم کا حرم سرا میں کہرام ہوا
آتی تھی یہ شہ کے تن بے سر سے صدا
اب بخشش امت کا سرانجام ہوا

رباعی

مومنو یہ مقام زاری ہے
روؤ اب وقتِ اشک باری ہے
فاطمہ آپ کی ہیں مجلس میں
اب کہو کس کی انتظاری ہے

مرثیہ ۱

اے مومنو مصروف رہو یاد خدا میں
اوقات کرو صرف عزائے شہدا میں
جینے کا بھروسہ نہیں اس دار فنا میں
سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
نزدیک ہے دنیا سے سفر ملک عدم کا

۲

اس منزل فانی میں دل اپنا نہ لگاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ
الفت نہ کرو اس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
پابندی دنیا سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آ نہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسباب جہاں جا نہ سکے گا

۳

یاں رخت اقامت کا سرانجام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا
اس منزلِ پر خوف میں آرام ہے بے جا
مانندِ نگیں آرزوئے نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثل چراغ سحری ہے
کر لو عملِ خیر یہی ناموری ہے

۴

امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام
آپہونچے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی ملک نہ اِملاک سمجھنا
ہونا ہے تمھیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

۵

دنیا میں سدا ایک سا رہتا ہے نہیں احوال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال
ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال
خالی رہیں گے بعد فنا ہاتھ تمھارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمھارے

۶

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند
عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
ہوشیار کہ ہونا ہے تمھیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہ شاہ و گدا کنج لحد ہے

۷

ہیں زیر زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج
جو شاہ کہ شاہوں سے صدا لیتے رہے باج
جو صاحبِ نوبت تھے نشاں ان کے نہیں آج
وہ بعدِ فنا آپ کفن کے رہے محتاج
درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی

۸

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئے گی جس دم
کیا دیکھیں گے ایک ایک کو حسرت سے بصد غم
کھنچ کھنچ کے ہر اک رگ سے نکلنے لگے گا دم
اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
سب کے لیے اک روز یہ تکلیف دھری ہے
اس پر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے

۹

بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا
نے مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا
بیگانے ہیں سب ہووے گا جس دم سفر اپنا
دو گز ہے کفن قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
کچھ ساتھ بجز بیکسی و یاس نہ ہوگا
رہ جائیں گے سب دور کوئی پاس نہ ہوگا

۱۰ اس زیست پہ پھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد
دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد
گھر سیکڑوں یاں سیل فنا نے کیے برباد
اس قالب خاکی کی عجب سست ہے بنیاد
کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیر زمیں ہیں
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں

۱۱ کس کس گلِ رنگیں کی نہ اس باغ میں تھی دھوم
دکھلا رہی ہے رنگ عجب ہستی موہوم
اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
کیا قصد ہے گلچین اجل کا نہیں معلوم
اس باغ میں جس سرو کو دیکھا تو رواں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اُس پہ خزاں ہے

۱۲ دنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے
یاں کیا متقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے
رہ جائے نہ کوئی یہی آوازِ درا ہے
ہے راہ کڑی زادِ سفر پاس نہیں ہے
منزل پہ پہونچنے کی ہمیں آس نہیں ہے

۱۳ دستور ہے توشہ سفری لیتا ہے ہمراہ
جانا تو مصمم ہے پہ دھڑکا ہے یہ واللہ
عصیاں کے سوا پاس ہمارے نہیں کچھ آہ
نے راہ سے آگاہ نہ منزل سے ہے آگاہ
ہاں ایک اس امید پہ دل اپنا قوی ہے
رہبر جو ہمارا ہے حسینؑ ابن علیؑ ہے

۱۴ حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے
ہے فاطمہؑ ماں نانا نبیؐ باپ علیؑ ہے
کیا خالقِ اکبر نے شرافت اسے دی ہے
بچپن سے وہ مقبول جناب احدی ہے
جبریلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہ بھیجی ہے خدا نے

۱۵ درگاہ الٰہی میں تھی یہ عزت و توقیر
جبریلؑ سے فرماتا تھا یہ مالک تقدیر
اٹھتی تھی جو طاعت کے لیے مادرِ دلگیر
جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شبیرؑ
زہراؑ کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو
ایذا اسے ہوئے یہ گوارا نہیں ہم کو

۱۶ نادار ہے محتاج ہے خاتونِ قیامت
تو کیجیو کہ خادم کو عنایت ہے یہ خدمت
اور کرتی ہے وہ آسیہ گردانی کی محنت
تم دودھ پلا دو کہ ہو شبیرؑ کو راحت
خدمت مجھے جھولے کے جھلانے کی جو دی ہے
شبیرؑ نہ روئے یہی خالق کی خوشی ہے

۱۷ کیا رتبہ ہے جبریلؑ نے جھولے میں جھلایا
جو ناز کیا شیرِ خدا نے وہ اٹھایا
اور فاطمہؑ نے سینۂ اقدس پہ سلایا
اللہ کے محبوب نے کاندھے پہ چڑھایا
یہ لطف و کرم تھا یہ عنایت تھی خدا کی
مقبول وہیں ہو گئی جس وقت دعا کی

۱۸ اک سال ہوئی شہر مدینہ میں گرانی
خلقت نے مناجات بھی کی نذر بھی مانی
دانا ہوا نایاب کہ برسا تھا نہ پانی
جز خشک زمیں پر نہ ہوئی قطرہ فشانی
غلہ کے لیے خلق ترستی تھی زمیں پر
پانی کے عوض آگ برستی تھی زمیں پر

۱۹
تھا قحط سے ہر سمت مدینہ میں تلاطم
پژمردہ زراعت تھی سراسیمہ تھے مردم
آدم کو نہ آتی تھی نظر صورتِ گندم
شادابیٔ گلزارِ جہاں ہو گئی تھی گم
ہر غنچے کا منہ زرد تھا اور خشک رگِ جاں تھی
ایامِ بہاری پہ نہالوں میں خزاں تھی

۲۰
سب مل کے گئے پاس محمدؐ کے بصد غم
ہیں آپ تہیدستیٔ امت سے تو محرم
کی عرض کہ اے کعبۂ دیں قبلۂ عالم
پانی جو نہ برسے گا تو بچنے کے نہیں ہم
آپ آیۂ رحمت ہیں عطا کیجیے مولا
مینھ برسے خدا سے یہ دعا کیجیے مولا

۲۱
حضرت نے انھیں مضطرب الحال جو پایا
شبیر کا منہ چوم کے اس طرح سنایا
دل آپ کا امت کی غریبی پہ بھر آیا
اللہ نے ہے عقدہ کشا تم کو بنایا
حق سے طلبِ بارشِ باراں کرو پیارے
مشکل مری امت پہ ہے آساں کرو پیارے

۲۲
زانوئے پیمبر سے اٹھے سبطِ پیمبر
خالق سے کہا چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
قبلہ کی طرف منہ کیا اور کھول دیا سر
بندوں پہ بس اب رحم کر اے خالقِ اکبر
راحت کی گرانی ہوئی ارزانی ہے غم کی
مشتاق ہے خلقت تری بارانِ کرم کی

۲۳
جس دم یہ محمدؐ کے نواسے نے دعا کی
برسانے لگی پانی کو تحریک ہوا کی
گردوں پہ گھٹا چھا گئی قدرت سے خدا کی
یہ رعد نے بجلی کے چمکتے ہی صدا کی
عالم کی طرف رحمتِ حق کی جو نظر ہے
فرزندِ محمدؐ کی دعا کا یہ اثر ہے

۲۴
مینھ برسا جو صدقے سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے
شبیر سے احمدؐ نے کہا مارے خوشی کے
سب دوڑ کے قدموں پہ گرے سبطِ نبیؐ کے
سینے سے لوگ جاؤ رسولِ عربیؐ کے
گردن کو سوئے قبلہ جھکانے کے میں صدقے
ان چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھانے کے میں صدقے

۲۵
شبیر گلے لگنے کو ہنستے ہوئے آئے
آنسو بھی مگر متصل آنکھوں سے بہائے
منہ چوم کے ہاتھ آنکھوں سے حضرت نے لگائے
اصحاب نے پوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے
بخشا ہے خدا نے یہ اثر اس کی زباں میں
اک روز یہی پانی کو ترسے گا جہاں میں

۲۶
جن ہاتھوں سے تم سب کے لیے کی ہے مناجات
پانی نہیں ملنے کا اسی پیاسے کو ہیہات
تلواروں سے کٹ جائیں گے اک روز یہی ہات
برسائیں گے مینھ تیروں کا اس پیاسے پہ بدذات
بجلی سی ہر اک تیغِ ستم آئے گی اس پر
میداں میں گھٹا شام کی چھا جائے گی اس پر

۲۷
اے مومنو آقا کی سنی تم نے فضیلت
تھی ان پہ ہر اک رمز میں خالق کی عنایت
بچپن سے گنہ گاروں کے ہیں آیۂ رحمت
جب مانگی دعا ہو گیا وا بابِ اجابت
یہ عزت و توقیر ہے اس عقدہ کشا کی
خالق نے اسے عید کی پوشاک عطا کی

۲۸
تھا حیدر و زہرا و نبی کا جو پیارا
بھائی کو ملا بچہ آہو جو قضا را
رنج اس کا خدا کو بھی نہ ہوتا تھا گوارا
پوچھا یہ حسن سے نہ رہا ضبط کا یارا
بھائی کہو یہ بچہ تمھیں کس نے دیا ہے
لایا ہے کوئی نذر کو یا مول لیا ہے

۲۹
بولے یہ حسن ہم انھیں از بس کہ ہیں پیارے
شبیر یہ سن جانب مسجد جو سدھارے
بچہ یہ دیا ہے ہمیں نانا نے ہمارے
الفت سے نبی ہاتھ اٹھا کر یہ پکارے
آ چھاتی سے لگ اے گل بستان محمد
اس چاند سی صورت پہ فدا جان محمد

۳۰
پاس اپنے بلاتے رہے شاہنشہ خوش خو
کہتے تھے نبی صدقے ترے اے مرے گلرو
شبیر رہے دور بھرے آنکھوں میں آنسو
کس نے تجھے آزردہ کیا مجھ سے تو کہہ تو
بابا نے کیا شور کہ کچھ ماں نے کیا ہے
کیوں آن کے چھاتی سے لپٹتے نہیں کیا ہے

۳۱
تو پاس اب آ تو تمھیں چھاتی سے لگا دیں
عف عف کریں اور صحن میں مسجد کے پھرا دیں
ہم اونٹ بنیں اور تمھیں کاندھے پہ چڑھا دیں
لیجاؤ جدھر تم ادھر ہم دوڑتے جائیں
دنیا میں محمد سا ہے رہوار تمھارا
جبرئیل سا خادم ہے جلودار تمھارا

۳۲
کیوں تیوری چڑھائی ہے میں اس غصے کے قرباں
آزردہ ہو وہ پیار کی چتون نہیں اس آن
دل سینے میں بے تاب ہے نانا کا مری جاں
کس چیز کو دل چاہتا کس شے کے ہو خواہاں
جو مانگو گے نانا وہ منگا دیوے گا تم کو
میں دے نہ سکوں گا تو خدا دیوگا تمکو

۳۳
نانا سے یہ کہنے لگا زہرا کا وہ دلدار
پھیلائیے ہاتھوں کو نہ اے سید ابرار
تھا مجھکو یقیں سب سے زیادہ ہے مرا پیار
میں آپ کے سینے سے نہیں لپٹوں گا زنہار
بچہ دیا آہو کا جنھیں پیار انھیں کیجے
نہ چوم کے کاندھے پہ بھی اسوار انھیں کیجے

۳۴
نزدیک تھا یہ کہہ کے کرے چشم کو پرنم
لو آؤ مری جان کہا مان لو اس دم
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سید عالم
بچہ تمھیں ہرنی کا منگا دیں گے ابھی ہم
یہ سن کے بھی نانا کے نہ پاس آتے تھے شبیر
بڑھتے تھے نبی پیچھے ہٹے جاتے تھے شبیر

۳۵
اصحاب سے فرمایا کہ کام اس گھڑی آؤ
مشکل میں محمد ہے تجسس کرو جاؤ
شبیر مرا روتا ہے سب مل کے مناؤ
بچہ کوئی ہرنی کا جو ہاتھ آئے تو لاؤ
یہ روئے گا مطلوب جو اس کا نہ ملے گا
ہلتا ہے ابھی دل مرا پھر عرش ہلے گا

۳۶
اصحاب سے فرماتے تھے یہ احمد مرسل
کی عرض محمد سے کہ آسان ہوئی مشکل
جو حضرت جبریل ہوئے عرش سے نازل
منظور خدا ہے کہ نہ شبیر ہو بے دل
دو خوش خبری شیر الٰہی کے پسر کو
بچہ لیے ہرنی چلی آتی ہے ادھر کو

۳۷
سن کر یہ خبر شاد ہوئے احمدِ مختار
شبیرؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
بچے کو یہ ہرنی بھی حاضر ہوئی اک بار
بھجوا دیا اللہ نے جس کے تھے طلب گار
جو مانگتے ہو ہاتھ وہ آتا ہے تمھارے
اے لال خدا ناز اٹھاتا ہے تمھارے

۳۸
ہرنی نے ملیں آنکھیں محمدؐ کے قدم پر
فرمایا نبیؐ نے ترا آنا ہوا کیونکر
اور بچے نے شبیرؑ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض یہ ہرنی نے کہ اے عاشقِ داور
کیا مصر و حلب کیا ختن و سرحدِ چیں کا
احوال نہیں آپ سے پوشیدہ کہیں کا

۳۹
اللہ نے دو بچے کیے تھے مجھے امداد
اک بچہ تو پہلے ہی پکڑ لایا تھا صیاد
قیدِ غمِ اولاد سے تھی خلق میں آزاد
دودھ اس کو پلاتی تھی کہ حق کا ہوا ارشاد
شبیرؑ کے کچھ دل پہ الم ہونے نہ پاوے
جلدی اسے پہونچا دے کہ وہ رونے نہ پاوے

۴۰
پیارا ہے ہمیں وہ اسد اللہ کا پیارا
خاتونِ قیامت کی وہ آنکھوں کا ہے تارا
فرزند ہے اس پر مرے محبوب نے وارا
معشوق ہم اس کے ہیں وہ عاشق ہے ہمارا
وہ رویا تو سب جن و ملک رونے لگیں گے
لرزے گی زمیں ساتوں فلک ہلنے لگیں گے

۴۱
یہ سن کے روانہ ہوئی میں واں سے بہ سرعت
ممکن ہے کہ حیواں کو نہ انساں سے ہو وحشت
طے ہو گئی اک دم میں کئی دن کی مسافت
گویا مجھے یاں تک کوئی پہونچا گیا حضرت
اس طرح سے طے راہ کو ہوتے نہیں دیکھا
پر شکر کہ شبیرؑ کو روتے نہیں دیکھا

۴۲
یہ سن کے پڑھا شکر کا حضرت نے دوگانا
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا صدقے ہو نانا
ہرنی ہوئی واں چھوڑ کے بچے کو روانا
اللہ پہ تھا شاق ترا اشک بہانا
کس مرتبہ تم پر کرمِ ذاتِ خدا ہے
لو ہرنی کا بچہ یہ عنایاتِ خدا ہے

۴۳
ان نرگسی آنکھوں میں بھرے جب سے تو آنسو
افراطِ بشاشت سے ہوا سرخ وہ گل رو
ہنسنے لگے آیا جو نظر بچۂ آہو
فرمانے لگے اس سے یہ پیغمبرؐ خوش خو
ہم نے دیا بچہ تمھیں تم کیا ہمیں دو گے
لو اب بھی لگو گے کہ نہ چھاتی سے لگو گے

۴۴
فرمایا نبیؐ نے جو نواسے سے یہ ہنس کر
پھر جوشِ محبت سے پھرے گردِ پیمبرؐ
شرما گیا زہراؑ کا پسر سر کو جھکا کر
اور دستِ ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض کہ نادم ہوں یہ کیوں بے ادبی کی
اب بخشیے تقصیر حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۴۵
کیا پیار سے حضرت نے مجھے پاس بلایا
روتا میں رہا چھاتی سے لگنے کو نہ آیا
اور دستِ مبارک کو کئی بار بڑھایا
کیوں آپ نے بچپن سے مرا ناز اٹھایا
سن پائیں تو بابا کہیں افسردہ ہوں مجھ سے
ڈرتا ہوں نہ اماں کہیں آزردہ ہوں مجھ سے

۴۶
فرمایا محمدؐ نے یہ چھاتی سے لگا کر
اللہ کے بھی پیارے ہو اور جانِ پیمبر
تم جرم و خطا سے ہو بری اے مرے دلبر
ماں باپ بھی قرباں فدا میں بھی ہوں تم پر
روٹھوں گا میں تم سے یہ عبث فکر ہے بیٹا
معصوم سے تقصیر کا کیا ذکر ہے بیٹا

۴۷
یہ سن کے ہوا شاد جو وہ دلبر زہرا
شبرؑ نے جو دیکھا تو یہ شبیرؑ سے پوچھا
مجرا کیا اور رونے کے چلے ہرنی کا بچہ
نانا ہی نے تم کو یہ دیا ہووے گا بھیجا
بولے کریں کس منہ سے صفت ربِ علا کی
نانا کی وہ بخشش یہ عنایت ہے خدا کی

۴۸
یہ پیٹنے اور رونے کی جاگہ ہے مجھ کو
کیا کیا دیئے آزار ستم گاروں نے اُن کو
بچپن میں خدا نے جسے رونے نہ دیا ہو
رویا غم اولاد میں وہ سیدِ خوش خو
بچہ جسے ہرنی کا ملا آگے نبیؐ کے
میداں میں چھری چل گئی بچوں پہ اسی کے

۴۹
منظور یہ تھی خاطرِ شبیرؑ خدا کو
ہم چاہتے ہیں ابنِ بتولِ عذراؑ کو
حکم آتا تھا ہر روز رسولِؐ دوسرا کو
آزردہ کرے کوئی نہ اس ماہ لقا کو
ہم اس پہ سدا لطف و عنایات کریں گے
دن کو جو چاہے گا تو ہم رات کریں گے

۵۰
بچپن ہی سے تھا عاشقِ حق فاطمہؑ کا لال
ہر چند یہ ہٹ کرتے ہیں ہے عادتِ اطفال
تھا ماہِ صیام اور بہت کم تھا سن و سال
مادر سے یہ کہنے لگا وہ صاحبِ اقبال
کل ذائقۂ تشنہ لبی چکھیں گے ہم بھی
کل روزۂ ماہِ رمضاں رکھیں گے ہم بھی

۵۱
ماں سمجھی کہ روزے سے ہے اطفال کو کیا کام
اک نانِ جویں کھا کے کیا رات کو آرام
خاطر سے کہا بیٹے کی اچھا مرے گلفام
بیدار ہوئے جبکہ ہوا صبح کا ہنگام
خالق کے جو عاشق تھے وضو جلدی سے کر کے
طاعت کو کھڑے ہو گئے ہمراہ پدر کے

۵۲
بابا کی طرح کر چکے جس وقت عبادت
کچھ دن جو چڑھا بولی یہ خاتونِ قیامت
کی حق سے دعا ہاتھ اٹھا کر پئے امت
ماں صدقے گئی بھوک لگی ہو گی بہ شدت
عادت کو نہ اے لال فراموش کرو تم
تیار ہے کھانا مری جاں نوش کرو تم

۵۳
کی عرض کہ اماں تمہیں کیا یاد نہیں واہ
ہے توڑنا روزے کا گنہ آپ ہیں آگاہ
روزے سے ہیں ہم کھانا نہیں کھائیں گے واللہ
جنت میں ہے افطار کریں نانا کے ہمراہ
اب آپ بھلا کھانے کی تدبیر میں کیا ہیں
اے والدہ ہم آج تو مہمانِ خدا ہیں

۵۴
یہ سن کے لگی دیکھنے منہ بیٹے کا زہراؑ
اس گرمی میں تم سے نہ رکھا جائے گا روزہ
فرمایا کہ قربان گئی کہتے ہو تم کیا
اٹھ کر سحری بھی تو نہیں کھائی ہے بیٹا
لب خشک جو دیکھوں گی جگر میرا پھنکے گا
دن گرمی کا صدقے گئی کس طرح کٹے گا

۵۵
تھا صاحبِ ہمت اسد اللہ کا جایا
رکھا جو کبھی پیاس کا صدمہ نہ اٹھایا
نے پانی پیا اور نہ کچھ کھانے کو کھایا
لب سوکھ گئے حر تمازت پہ جو آیا
طاقت ہوئی کم ضعف میں قوت ہوئی پیدا
اور نرگسی آنکھوں پہ نقاہت ہوئی پیدا

۵۶
پہونچا دلِ نازک پہ زبس پیاس کا صدمہ
ایک ایک سے کہتی تھیں یہی فاطمہؑ زہراؑ
کملایا حرارت کے سبب پھول سا چہرہ
ہے ہے مرا شبیرؑ نہیں کھولتا روزہ
اب غش اسے آجائے گا حیدرؑ کو بلاؤ
مسجد سے کوئی جلد پیمبرؐ کو بلاؤ

۵۷
بچہ مرا بے حال ہے میں کیا کروں لوگو
لب خشک ہے منہ لال ہے میں کیا کروں لوگو
کم سن یہ مرا لال ہے میں کیا کروں لوگو
ہر دم مجھے اک سال ہے میں کیا کروں لوگو
گرمی سے کنول اس کا کھلا جاتا ہے لوگو
ڈھلتا نہیں دن اور ڈھلا جاتا ہے لوگو

۵۸
سن کر یہ خبر آئے علیؑ اور پیمبرؐ
لو پانی پیو کھانے کو کھاؤ مرے دلبر
کہنے لگے شبیرؑ کو چھاتی سے لگا کر
تم بچے ہو روزہ ابھی واجب نہیں تم پر
ماں باپ کو کاہے کو رلاتے ہو ابھی سے
کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاتے ہو ابھی سے

۵۹
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیدِ اکرم
ہم کر چکے ہیں نیت قربت نہ کرو غم
روزہ تو کسی طرح نہیں توڑیں گے اب ہم
طاقت ہمیں دیوے گا خداوندِ دو عالم
ضائع یہ ریاضت نہیں کی جاتی ہے نانا
اللہ سے اپنے ہمیں شرم آتی ہے نانا

۶۰
جو امر ہو للہ اسے چھوڑیے کیوں کر
بس پا نہوں اس راہ سے کٹ جائے اگر سر
جو منہ سے کہا اس کا نہ کرنا نہیں بہتر
گردن نہ ہلاؤں جو چلے حلق پہ خنجر
تکلیف کا زخموں کی تردد ہمیں کیا ہو
ہم پیاسے ہی مر جائیں اگر حکم خدا ہو

۶۱
زہراؑ نے کہا اے مرے صابر ترے قرباں
بیتاب ہے صدقے گئی ماں پر کرو احساں
جو کہتے ہیں نانا کا کہا مان لو اس آن
روزے کا ثواب اپنے میں دیتی ہوں مری جاں
تم کھانا نہ کھاؤ گے تو غم کھائے گی زہراؑ
تم کو جو غش آئے گا تو مر جائے گی زہراؑ

۶۲
سمجھاتے تھے سب اور نہ تھے مانتے شبیرؑ
کہتے تھے پیمبرؐ کوئی بنتی نہیں تدبیر
لب خشک تھے اور پیاس سے احوال تھا تغییر
تو رحم کر اس بچے پہ اے مالکِ تقدیر
بیتاب ہوں مشکل مرے شبیرؑ کی حل ہو
نہ اس کو کچھ ایذا ہو نہ روزے میں خلل ہو

۶۳
یارب تو ہے عالم کہ یہ ہے بے کس و مظلوم
گرمی میں رہے گا کئی دن پانی سے محروم
صحرا میں اسی پیاس سے کٹ جائے گا حلقوم
عاشق ہے ترا روز تو لدے یہ معصوم
منظور اسے مشق اسی روز کی اب ہے
بچپن میں یہی روزے کے رکھنے کا سبب ہے

٦٤
اس دم یہ ہوا قدسیوں کو حکم خدا کا
سن گرچہ ہے کم فاطمہؑ کے ماہِ لقا کا
روزے سے نواسا ہے رسولِ دوسرا کا
پابندی ہے پر سلسلۂ صبر و رضا کا
کی اُس نے وہ ہمت کہ ثنا کرتے ہیں ہم بھی
آج اس کا عوض دیکھو تو کیا کرتے ہیں ہم بھی

٦٥
ناگاہ ہوا نیّرِ اعظم کو یہ احکام
مرجھا گیا ہے پیاس سے زہرا کا گل اندام
مغرب کو روانہ ہو نہیں دیر کا ہنگام
یہ سنتے ہی خورشید چھپا دن کی ہوئی شام
حیدرؑ تھے خوشی شاد ادھر بنتِ نبیؐ تھی
گویا کہ شبِ قدر کی اس روز خوشی تھی

٦٦
احمدؐ نے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیدِ والا
فرمایا نواسے سے کہ اب کھولیے روزہ
دستور ہے روزہ جو کوئی رکھتا ہے لڑکا
کچھ مجھے ماں باپ بھی بھائی بھی ہیں دیتے
حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی ہمیں دیتے

٦٧
فرمایا پیمبرؐ نے کہ اے جانِ پیمبرؐ
ہے برف سے آب اس کا سفید اور معطر
اللہ نے بخشا ہے مجھے چشمۂ کوثر
شیرینی میں وہ ہے شکر و قند سے بہتر
مالک کیا تھا اس کا مجھے ربِّ غنی نے
وہ آج دیا تم کو رسولِ مدنیؐ نے

٦٨
منھ چوم کے حیدرؑ نے کہا اے مرے پیارے
ہیں دافعِ امراض پھل اس باغ کے سارے
ہے باغ لگایا ہوا دادا کا تمھارے
سو میں نے دیا وہ تجھے اے عرش کے تارے
تو بسکہ ریاضِ نبوی کا گلِ تر ہے
یہ پہلے پھل روزے کے رکھنے کا ثمر ہے

٦٩
خاتونِ دو عالم نے یہ فرمایا کہ بیٹا
ہے آب و نمک گھر میں مرے بھی جہاں کا
محتاج ہوں نادار ہوں ہے تم پہ ہویدا
وہ روزہ کشائی میں تمھیں دیتی ہیں زہرا
حیدرؑ نے کہا آب و نمک سب کو یہ دیگا
پر طرفہ مزا ہے کہ اسی کو نہ ملے گا

٧٠
جبرئیلؑ نے احمدؐ سے کہا اے شہِ والا
سو وہ کئی سو قرن کے ہے بعد نکلتا
اللہ نے ہے خلق کیا ایک ستارا
میں نے کئی سو بار اس اختر کو ہے دیکھا
اس عرصہ میں جو طاعتِ حق مجھ سے ہوئی ہے
وہ آج کے دن نذرِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

٧١
اُس وقت صدا عالمِ بالا سے یہ آئی
سب دے چکے اب دیتے ہیں ہم روزہ کشائی
اب دیکھ کرم کی تو مرے جلوہ نمائی
وہ روزہ کشائی یہ ہے اے میرے فدائی
جس روز عیاں حشر کے آثار کریں گے
بخشش کا امم کے تجھے مختار کریں گے

٧٢
چاہے گا جسے تو اُسے بھیجے گا سوئے نار
دوزخ کا بھی مختار ہے جنت کا بھی مختار
چاہے گا جسے دے گا اسے خلد کا گلزار
ہر امر میں خوشنودی تری ہم کو ہے درکار
دشمن ہیں ترے گو کہ بہت اور ہیں کم دوست
پر دوست ہیں ایسے کہ جنھیں رکھتے ہیں ہم دوست

۷۳

سرور نے یہ سن کر سرِ تسلیم جھکایا
بندہ نے جو کچھ روزہ کشائی میں ہے پایا
اور کہہ کے یہ ہاتھوں کو سوئے قبلہ اٹھایا
اجر اس کا محبوں کو دیا بارِ خدایا
اشک آنکھوں سے اُن کی مرے ماتم میں بہیں گے
وہ حشر تلک میرے عزادار رہیں گے

۷۴

سوچو ذرا حضرات یہ اب غور کی جا ہے
وہ ماہ کہ جس کے لیے خورشید چھپا ہے
آقا کا تمھارے شرف و مرتبہ کیا ہے
پانی کو ترستا ہوا دنیا سے گیا ہے
تھے پیاس سے سوکھے ہوئے لب خشک گلا تھا
تھا تیسرا فاقہ جو وہ مرنے کو چلا تھا

۷۵

اس روز محمدؐ تھے نہ حیدرؑ تھے نہ زہراؑ
خیمے سے جو نکلے تھے تو تھا کوئی نہ اتنا
سب مر چکے تھے آپ فقط تھے تن تنہا
جو آپ کے گھوڑے کی رکاب آ کے پکڑتا
تنہائی پہ بھائی کے یہ گھبرائی تھی زینبؑ
خود تھامنے گھوڑے کی رکاب آئی تھی زینبؑ

۷۶

کہتی تھی یہ آنکھیں قدمِ شاہ پہ مل کر
فرماتے تھے شہ تم سے میں شرمندہ ہوں خواہر
اب تم سے بچھڑتی ہے بہن ہائے برادر
میرے لیے خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
بس بنتِ رسولِ دوجہاں بھی یہی کرتی
جو تم نے کیا بھائی سے ماں بھی یہی کرتی

۷۷

زینبؑ نے کہا مجھ سے نہ کچھ ہو سکا بھائی
بیٹوں کو فدا کر کے بھی تسکین نہیں پائی
شرمندہ ہوں میں کچھ آپ کے میں کام نہ آئی
میری کہاں وہ دولت کہاں زہراؑ کی کمائی
غم کھاتی ہے اور خوں جگر پیتی ہے زینبؑ
تم جاتے ہو مرنے کے لیے روتی ہے زینبؑ

۷۸

ہوتے جو محمدؐ تمھیں آفت سے بچاتے
دم ان کا نکل جاتا جو تم مرنے کو جاتے
آنچ آتی جو کچھ تم پہ گلا اپنا کٹاتے
تلواریں علیؑ کھاتے حسنؑ برچھیاں کھاتے
بے حکم جلو میں بھی بہن جا نہیں سکتی
زندہ ہے تو کس کام کی کام آ نہیں سکتی

۷۹

دو اتنی اجازت کہ بہن بھی چلے ہمراہ
اوجھل ہوئے گر آنکھوں سے تم اے شہِ ذی جاہ
تنہائی ہے ایسی کہ کوئی ساتھ نہیں آہ
سر پیٹ کے مر جائے گی بنتِ اسد اللہ
کرتے تم ارادہ ہو مجھے چھوڑ کے رن کا
دنیا میں سوا آپ کے ہے کون بہن کا

۸۰

حضرت نے کہا کیا کروں گر مرنے نہ جاؤں
باز آیا میں جینے سے نہ کیوں ہاتھ اٹھاؤں
گم ہو گئے جو ساتھ تھے کیونکر انھیں پاؤں
غم کھانے سے بہتر ہے جو میں برچھیاں کھاؤں
بے کس ہوا قوت بخدا کم ہوئی میری
عباسؑ کے مرنے سے کمر خم ہوئی میری

۸۱

ہم جیتے ہیں اکبرؑ ہوئے جنت کے مسافر
باطن میں تو مردہ ہیں جیے گو کہ بظاہر
آخر ہوئے وہ کیا کہ ہمیں ہو گئے آخر
تنہا ہمیں جانے دو خدا حافظ و ناصر
انساں کی بجز مرگ رہائی نہیں ہوتی
کیا بھائی سے بہنوں کی جدائی نہیں ہوتی

۸۲
جو زندہ ہے اک دن ہے جہاں سے اسے جانا
پہلے کوئی اور کوئی ہوا بعد روانا
دیکھو تو اماں ہیں نہ بابا ہیں نہ نانا
واں جاتے ہیں جس ملک سے پھر کر نہیں آنا
دیکھا نہیں کیا صبر قبولِ عذرا کو
بس ہم کو بھلا دو کرو اب یاد خدا کو

۸۳
سر پیٹ کے تب کہنے لگی دخترِ زہراؑ
پردیس میں تم چھوڑ کے مجھے جاؤ نہ بھیا
کچھ مجھ کو وصیت تو کرو صدقے ہو بھینا
بعد آپ کے جیتی رہے زینبؑ تو کرے کیا
تربت پہ رہوں آپ کی جاروب کشی کو
یا جاؤں وطن لے کے میں ناموس نبیؐ کو

۸۴
سب مر چکے قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ
عابدؑ ہے سو بیمار ہے وہ بے کس و مضطر
پینے کو تو پانی نہیں دیتے ہیں ستمگر
کس طرح تمھیں غسل بھلا ہوگا میسر
ہے کون جو فکرِ کفن و گور کرے گا
مظلوم ہو تربت میں تمھیں کون دھرے گا

۸۵
ہو حکم تو میں لاش پہ سر پیٹتی جاؤں
زہراؑ کی ردا آپ کے لاشے پہ اڑھاؤں
تیار کروں قبر کو تابوت بناؤں
پانی کی گدائی کے لیے نہر پہ جاؤں
اعدا سے کہوں سہہ چکے دکھ تشنہ لبی کے
اب غسل تو دینے دو نواسے کو نبیؐ کے

۸۶
شہ نے کہا اس بات کا غم کھاؤ نہ زینبؑ
پانی نہ ملا جس کو اسے غسل ملے کب
مر جانے سے ہے کام کفن نہیں مطلب
تقدیر میں لکھا ہے کہ سر تن سے کٹے جب
ہوئے یہ ستم دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
چالیسویں تک لاش رہے جلتی زمیں پر

۸۷
اور اس کے سوا اک یہ ستم ہووے گا مجھ پر
گھوڑوں سے مری لاش کو روندیں گے ستمگر
خیمے کو جلا دیں گے لٹے گا زر و زیور
تم قید میں جاؤ گی سوئے شام کھلے سر
آغوشِ لحد میں ہمیں سونا نہ ملے گا
لاشے پہ ہمارے تمھیں رونا نہ ملے گا

۸۸
اور تم سے بہن اب یہ وصیت ہے ہماری
کیجیو نہ بہت بعد مرے گریہ و زاری
ہر دم کلمہ شکر کا لب پر رہے جاری
خوش ہوتا ہے صابر سے بہت ایزدِ باری
تم واقفِ سر رشتۂ تسلیم و رضا ہو
منہ ڈھانپ لو بالوں سے جو سر پر نہ ردا ہو

۸۹
رسی سے بندھیں بازو تو کچھ کیجیو نہ شکوہ
حال اس کا بہن تم پہ قیامت میں کھلے گا
معلوم ہے اماں پہ جو کچھ حادثہ گزرا
آبا کا گلا رسی سے بندھتے ہوئے دیکھا
تقسیم صعوبات میں حصہ ہے تمھارا
بیٹی ہو یداللہ کی یہ ورثہ ہے تمھارا

۹۰
کیا کیا کہوں دل میرا بھر آتا ہے اس آن
ہر چند کہ ہر بندے کا خالق ہے نگہبان
پر جانتی ہو تم کہ سکینہؑ ہے مری جان
کمسن ہے مرے بعد بہت اس کا رہے دھیان
ممکن نہیں پھر اب جو مجھے پائے سکینہؑ
ہر آن اسے چھاتی سے جدا نہ سلائے سکینہؑ

۹۱
روتا ہوا زینبؑ اسے ہوں چھوڑ کے آیا
اس عمر میں دو روز سے پانی نہیں پایا
چھاتی پہ جسے تین برس تک ہے سلایا
تقدیر نے آج اس سے یہیں ہم کو چھڑایا
چھاتی مری سونے کے لیے پائے گی کیونکر
زنداں میں اسے خاک پہ نیند آئے گی کیونکر

۹۲
زینبؑ یہ وصیت مری دل سے نہ بھلانا
بھائی کے عوض تم اسے چھاتی سے لگانا
گھر جلنے لگے جب تو کہیں اس کو چھپانا
معصوم کو ظالم کے طمانچوں سے بچانا
نازک ہے وہ جاں اس کی نکل جائے گی تن سے
وہ ننھی سی گردن کوئی باندھے نہ رسن سے

۹۳
جب کر چکے بیٹی کی سفارش شہِ والا
گردن کو جھکا کر کہا زینبؑ سے کہ بھینا
اک اور وصیت ہے مگر کہہ نہیں سکتا
زینبؑ نے کہا صدقے بہن کہیئے ہے وہ کیا
کچھ قید کا بھی غم نہیں دکھ درد بھروں گی
میں تابع فرماں ہوں کہو گے سو کروں گی

۹۴
ہمشیر سے فرمانے لگے رو کے یہ سرور
گھوڑے سے میں غش کھا کے گروں گا جو زمیں پر
چھاتی پہ چڑھے گا مرے تب شمرِ ستمگر
اور ہاتھ میں ہووے گا چمکتا ہوا خنجر
اس دم درِ خیمہ سے سرک جائیو زینبؑ
سر ننگے نہ لاشے پہ چلی آئیو زینبؑ

۹۵
خالق نے بنایا ہے تمھیں صاحبِ توقیر
سر ننگے اگر خیمے سے تم نکلو گی ہمشیر
دشمن یہ کہیں گے ہے یہی خواہرِ شبیرؑ
بھینا میں تڑپ جاؤں گا اس دم تہِ شمشیر
مصروف دعا ہوں گا میں جب حلق کٹے گا
رونے کی صدا سن کے مرا دھیان بٹے گا

۹۶
وہ وقت ہے ایسا کہ عبادت میں بسر ہو
جز جلوۂ معشوق نہ کچھ پیشِ نظر ہو
امت کی دعا لب پہ ہو اور سجدے میں سر ہو
کب حلق کٹا تیغ سے یہ بھی نہ خبر ہو
سب بھولا ہوں یعنی یہ ہے تسلیم و رضا کے
اپنی بھی نہ ہو یاد سوا یاد خدا کے

۹۷
زینبؑ سے یہ کہہ کر ہوئے رخصت شہِ ذی جاہ
منہ پیٹتی خیمے میں گئی بنتِ ید اللہ
پہونچے شہِ بے کس جو قریبِ صفِ جنگاہ
تھا فاطمہؑ کی روح سوا کوئی نہ ہمراہ
تھی دھوپ کڑی سامنا تھا فوج ستم کا
نے ساتھ علمدار نہ سایہ تھا علم کا

۹۸
تھے تینوں کے ٹکڑے کہیں قاسمؑ کہیں اکبرؑ
بے دست پڑے تھے کہیں عباسؑ دلاور
بے جاں تھے کہیں زینبؑ مظلوم کے دلبر
سوتے تھے کہیں حلق کٹائے علی اصغرؑ
ان سب کی طرف شاہ بہ حسرت نگراں تھے
واں زخموں سے خوں بہتا تھا یاں اشک رواں تھے

۹۹
قاسمؑ کے الم سے ہمہ تن ضعف تھے مولا
عباسؑ کے غم سے نہ ہوا جاتا تھا سیدھا
ہجرِ علی اکبرؑ سے عجب حال تھا دل کا
مجروح تھا تیرِ علی اصغرؑ کا کلیجا
حضرت پہ گئی غم کے فلک ٹوٹ پڑے تھے
اس پر یہ خوشی برچھیاں کھانے کو کھڑے تھے

۱۰۰
ایک سمت سے کھینچے ہوئے تلواریں ستمگار
نقارۂ رومی پہ لگی چوب جو اک بار
اک سمت سے انڈے چلے آتے تھے کماندار
سب فاطمہؑ کے لال پہ چلنے لگے ہتھیار
پر قتل میں اعدا کے نہ کد کرتے تھے شبیرؑ
کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے شبیرؑ

۱۰۱
فرماتے تھے دیکھو مجھے اتنا نہ ستاؤ
کیوں آتے ہو منہ پر مری شمشیر کے جاؤ
تلواریں نہ مارو مجھے نیزے نہ لگاؤ
میں ابن علیؑ ہوں مجھے غصہ نہ دلاؤ
واللہ عداوت مجھے اصلا نہیں تم سے
بیٹوں کے بھی کچھ خون کا دعوی نہیں تم سے

۱۰۲
بے جرم دیے داغ عزیزاں مجھے ہر چند
خاصان خدا رہتے ہیں ہر حال میں خرسند
پر یہ نہ سمجھنا کہ میں ہوں تم سے گلہ مند
بیٹے مرے مارے گئے تم ہو مرے فرزند
اچھا کیا بہتر کیا جو بے ادبی کی
میں غیر سمجھتا نہیں امت ہو نبیؐ کی

۱۰۳
حضرت کا تو یہ حال تھا وہ مارتے تھے تیر
شمشیر کے زخموں پہ لگے خنجر بے پیر
لگتا تھا جہاں تیر وہیں پڑتی تھی شمشیر
بہتا تھا لہو حال ہوا جاتا تھا تغیر
کیا رحم تھا کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حضرت
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے حضرت

۱۰۴
تب عرض یہ کی تیغ علیؑ نے بہ سماعت
للہ کرم سے مجھے اب کھینچیے حضرت
کب تک انھیں دکھلاؤ گے مظلومی و غربت
جوہر مرے دکھلایئے اور اپنی شجاعت
شہ نے کہا یہ فوج مرے سامنے کیا ہے
پر ابن علیؑ منتظر حکم خدا ہے

۱۰۵
ہاتف کی ندا آئی یہ افلاک سے اس دم
شاید مجھے مجبور سمجھتے ہیں یہ اظلم
یہ صبر بھی شبیرؑ شجاعت سے نہیں کم
مجبور وہ کب ہو جسے مختار کریں ہم
اس بھوک میں اور پیاس میں طاقت بھی دکھا دو
مظلومی دکھائی تو شجاعت بھی دکھاؤ

۱۰۶
یہ سن کے جلال آگیا دلبند نبیؐ کو
چمکی جو وہ بجلی نہ رہی تاب کسی کو
چوما بہ ادب قبضۂ شمشیر علیؑ کو
گھبرا کے پکارے عمر سعد شقی کو
تلوار کھنچی شاہ کی آفت ہوئی برپا
شبیرؑ کو غیظ آیا قیامت ہوئی برپا

۱۰۷
یہ ذکر تھا جوں فوج میں شبیرؑ در آئے
اس صف پہ کبھی اور کبھی اس غول پہ آئے
سردار ہر اک ضرب میں بے سر نظر آئے
اعدا یہ خدا کا غضب آیا جدھر آئے
جب ہاتھ اٹھا پہونچی چمک چرخ بریں پر
جب فرق پہ بیٹھی تو گری برق زمیں پر

۱۰۸
پیکار کو آیا کوئی گر صف سے نکل کر
تلوار پڑی جس پہ وہ اٹھا نہ سنبھل کر
وہ سرد ہوا آتش شمشیر سے جل کر
مر مر گئے اس شیر کے نعروں سے دہل کر
دیکھا جسے غصے سے جگر پھٹ گیا اس کا
لڑنے کو بڑھے جس سے لہو گھٹ گیا اس کا

۱۰۹
کس سے برش تیغ کی تعریف بیاں ہو
وہ آب کہ کٹ جائے اگر کوہ گراں ہو
جوہر وہی کھولے جو کوئی سیف زباں ہو
اک دم میں ابھی خون کا دریا جو رواں ہو
دشمن کو پناہ اس سے کہیں ہے نہ مفر ہے
گرتاب میں ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے

۱۱۰
کیا اسپ فلک سیر کی سرعت کا لکھوں حال
تھے حور کے کاکل کی طرح مشک فشاں بال
میداں میں وہ تھا گرم عناں برق کی تمثال
پہونچے نہ صبا اس کے کبھی گرد کے دنبال
سایے سے بھی کچھ آگے بوقت تگ و دو تھا
سم بدر تھے ہر نعل بدخشاں مہ نو تھا

۱۱۱
جب تیغ سے تیروں کو قلم کرتے تھے شبیرؑ
پے کر کے انھیں پھیرتے جب رخ شہ دل گیر
جاتا تھا اشارے میں کمانداروں پہ جوں تیر
آتا تھا پیادوں پہ سواروں کی صفیں چیر
سیماب کی صورت نہ قرار اس کو کہیں تھا
کرتے تھے جہاں قصد شہ دیں یہ وہیں تھا

۱۱۲
دو روز سے تھا راکب و رہوار کو فاقہ
روتے تھے وفاداری پہ اس کی شہ والا
حضرت کو تھا غم گھوڑے کا گھوڑے کو غم آقا
شبیرؑ کا منہ دیکھکے رو دیتا تھا گھوڑا
چمکار کے شاباش اسے فرماتے تھے حضرت
کس پیار سے گردن سے لپٹ جاتے تھے حضرت

۱۱۳
فرماتے تھے گھوڑے سے بصد گریہ و زاری
کل ہوں گے نہ رخصت ہے بس اب تجھ سے ہماری
کی بھوک میں اور پیاس میں تو نے مری یاری
آج آخری یہ ہے ترے آقا کی سواری
خوش ہو تو کہ رتبہ ترے راکب کا بڑھے گا
سر تن سے جو اترے گا تو نیزے پہ چڑھے گا

۱۱۴
وہ کہتا تھا میں آپ کی مظلومی کے صدقے
پر بھول نہ جانا مجھے تب شاہ یہ بولے
غم یہ ہے کہ آج آپ جدا ہوتے ہیں مجھ سے
کیا مجھکو وفادار سمجھتا نہیں گھوڑے
مر کر بھی نہ مجھکو ترے بن چین پڑے گا
فردوس میں بھی تو ہی سواری مری دے گا

۱۱۵
گھوڑے سے یہ کہتے تھے کہ پھر فوج نے گھیرا
پر ضعف سے آنکھوں تلے آتا تھا اندھیرا
منہ سید بیکس نے ہزاروں سے نہ پھیرا
دل کہتا تھا اب حال بہت غیر ہے میرا
اس وقت بھی حیدرؑ کی طرح لڑتے تھے شبیرؑ
جو تو کتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے شبیرؑ

۱۱۶
یہ قاعدہ ہے کھاتا ہے نیزہ کوئی یا تیر
مجروح تھے سرتا بہ قدم حضرت شبیرؑ
وہ باندھنے کی زخموں کو کچھ کرتا ہے تدبیر
تو بھی اسی قوت سے چلی جاتی ہے شمشیر
جب وار لگاتے تھے کسی دشمن دیں پر
اڑ اڑ کے لہو گرتا تھا زخموں سے زمیں پر

۱۱۷
آخر تن نازک پہ لگیں برچھیاں کاری
کی عرض یہ گھوڑے نے کہ اے عاشق باری
جھک جھک گئے اور گھوڑے پہ سنبھلے کئی باری
خیمے کی طرف لے چلوں حضرت کی سواری
فرمایا اگر تیغ سے ہر بند کٹے گا
فرزند علیؑ کھیت سے پیچھے نہ ہٹے گا

۱۱۸
موقع نہیں اس وقت جو میں خیمے میں جاؤں
غم دیدہ ہے زینبؑ اسے کیا اور رلاؤں
کیا خوں بھری مشک سکینہؑ کو دکھاؤں
بانوؑ سے میں کیوں کر تنِ مجروح چھپاؤں
بیٹی سے نہ بیٹے سے نہ کچھ گھر سے غرض ہے
اب کام ہے اللہ سے خنجر سے غرض ہے

۱۱۹
اس وقت اگر دل میں یہ حسرت ہے ہمارے
سجدہ کریں خالق کو کہ اب جاتے ہیں بارے
زخمی ہیں زمیں پر کوئی آہستہ اتارے
پر تھے جو مددگار وہ دنیا سے سدھارے
اب ہیں وہ کہاں گودیوں میں جن کی پلے ہیں
کس عالمِ تنہائی میں دنیا سے چلے ہیں

۱۲۰
داہنے سے محمدؐ کی صدا آئی کہ پیارے
اور بائیں طرف سے اسد اللہ پکارے
یہ نانا کھڑا روتا ہے پہلو میں تمہارے
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے راج دلارے
تو غش میں جو سر ہرنے پہ نہوڑا ہے بیٹا
لینے کو پدر ہاتھوں کو پھیلائے ہے بیٹا

۱۲۱
آواز بتولؑ آئی کہ اے فاطمہؑ کی جاں
گھوڑے پہ جو تم جھومتے ہو خون میں غلطاں
یہ دکھ زدی مادر تری مظلومی کے قرباں
ہاتھوں سے ترے بازوں کو تھامے ہیں اماں
ماتم میں گریبانِ کفن پھاڑ چکی ہوں
میں بالوں سے مقتل کی زمیں جھاڑ چکی ہوں

۱۲۲
تنہائی سے کیوں گرتے ہو حاضر ہے یہ مادر
آوے گا لعیں پھیرنے جب حلق پہ خنجر
ہرنے سے اٹھاؤ مرے کاندھے پہ رکھو سر
میں خاک پہ بیٹھوں گی تمھیں گود میں لے کر
چہلم تلک اس بن میں رہوں گی مرے پیارے
چوکی ترے لاشے کی میں دوں گی مرے پیارے

۱۲۳
یہ سنتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
تلواریں چلیں دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
تیورا کے سرِ زیں سے گرے روئے زمیں پر
آمادہ ہوا شمر بھی قتلِ شہِ دیں پر
سینے پہ چڑھا سبطِ رسولِ عربیؐ کے
خنجر سے کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے

۱۲۴
خاموش انیس اب کہ پڑا بزم میں کہرام
کر دے مرے مولا کی زیارت کا سرانجام
گر حق سے دعا یہ ہے حسینؑ ذوی الاکرام
آغاز ہوا جو ہوا بہتر ہو پر انجام
جس روز میں داخل ہوں رواقِ شہِ دیں میں
اس روز میں سمجھوں کہ گیا خلدِ بریں میں

رباعی

ابن اسد اللہ کا دربار ہے یہ
مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ
پہلے ذرا اشک نذر کر لیں مردم
پھر چاہیں سو لیں سخی کی سرکار ہے یہ

مرثیہ ۱

دشتِ وغا میں نورِ خدا کا ظہور ہے
اک آفتابِ رخ کی ضیا دور دور ہے
ذروں میں روشنی تجلی طور ہے
کوسوں زمین عکس سے دریائے نور ہے
اللہ رے حسن طبقۂ عنبر سرشت کا
میدان کربلا ہے نمونہ بہشت کا

۲

حیراں زمیں کے نور سے ہے چرخ لاجورد
ہے روکشِ فضائے ارم وادیِ نبرد
مانندِ کہربا ہے رخ آفتاب زرد
اٹھتا ہے خاک سے تتق نور جائے گرد
حیرت سے حاملانِ فلک ان کو تکتے ہیں
ذرے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

۳

ہے آبِ نہر صورتِ آئینہ جلوہ گر
لہریں بسانِ برق چمکتی ہیں سر بہ سر
تاباں ہے مثلِ چشمۂ خورشید ہر بھنور
پانی پہ مچھلیوں کی ٹھہرتی نہیں نظر
یہ آب و تاب ہے کہ گہر آب آب ہیں
دریا تو آسماں ہے ستارے حباب ہیں

۴

پرتو فگن ہوا جو رخِ قبلۂ انام
اور سنگ ریزے درِ نجف بن گئے تمام
مشہور ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
صحرا کو مل گیا شرف وادی السلام
کعبے سے اور نجف سے بھی عزت سوا ہوئی
خاک اس زمینِ پاک کی خاکِ شفا ہوئی

۵

پھیلا جو نورِ مہرِ امامت دمِ زوال
سارے نہال فیضِ قدم سے ہوئے نہال
ذروں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا محال
اختر بنے جو پھول تو شاخیں بنیں ہلال
پتے تمام آئینۂ نور ہو گئے
صحرا کے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

۶

غل تھا زہے حسینؑ کی شوکت زہے وقار
رخ سے عیاں ہے دبدبۂ شاہِ ذوالفقار
گویا کھڑے ہیں جنگ کو محبوبِ کردگار
ہے نورِ حق جبینِ منور سے آشکار
کیونکر چھپے نہ ماہِ دو ہفتہ حجاب سے
چودہ طبق میں نور ہے اس آفتاب سے

۷

یہ روئے روشن اور یہ گیسوئے مشک فام
ہالے میں یوں نظر نہیں آتا ہے مہ تمام
یاں شام میں تو صبح ہے اور صبح میں ہے شام
قدرت خدا کی نور کا ظلمت میں ہے مقام
زلفوں میں جلوہ گر نہیں چہرہ جناب کا
ہے نصف شب میں آج ظہور آفتاب کا

۸

قرباں کمانِ ابروئے مولا پہ جان و دل
چشمِ غزالِ دشتِ ختن چشم سے خجل
گر ماہِ نو کہیں تو ہے تشبیہ مبتذل
دیکھا جسے کرم سے خطائیں ہوئیں بحل
پتلی بسانِ قبلہ نما بے قرار ہے
گرداں ہیں وہ یہ گردشِ لیل و نہار ہے

۹

رخسار ہیں ضیا میں قمر سے زیادہ تر
ریش مخضب اور یہ رخِ شاہِ بحر و بر
جن پر ٹھہر سکی نہ کبھی شمس کی نظر
پیدا ہیں صاف معنیِ واللیل والقمر
قرآں سے عیاں ہے بزرگی امام کی
کھائی قسم خدا نے اسی صبح و شام کی

۱۰
کس منہ سے کیجئے لبِ جاں بخش کا بیاں
کیا دُرِّ آبدار ہیں اس درج میں نہاں
چوسی جنھوں نے احمدِ مختار کی زباں
گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں
ذرّے زمیں پہ عکس سے سارے چمک گئے
جس وقت یہ کھلے تو ستارے چمک گئے

۱۱
شمعِ حریمِ لم یزلی تھا گلوئے شاہ
اے چرخِ بے مدار یہ کیا ستم ہے آہ
تاریک شب میں جیسے ہویدا ہو نورِ ماہ
شمشیرِ شمر اور محمدؐ کی بوسہ گاہ
جس پر رسول ہونٹوں کو ملتے ہوں پیار سے
کٹ جائے کربلا میں وہ خنجر کی دھار سے

۱۲
منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
یاد آگئی مگر یہ حدیثِ غم والم
ہلتے تھے ذکرِ حق میں لبِ پاک دم بہ دم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

۱۳
تھا جو ستوں کہ رکنِ رسالت کا تکیہ گاہ
تھا جس حصیر پر وہ دو عالم کا بادشاہ
کرسی بھی اس کی پشت کی تھی ڈھونڈھتی پناہ
حسرت سے عرش کرتا تھا اس فرش پر نگاہ
اوجِ زمیں بہشت بریں سے دوچند تھا
ممبر کا نہ فلک سے بھی پایا بلند تھا

۱۴
اصحاب خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
سر پر ملک صفات مگس راں تھے وہ عرب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہِ ہاشمی لقب
جبریلؑ تہ کیے ہوئے تھے زانوے ادب
خادم ہلال قبۂ گردوں اساس تھا
نعلین اس کے پاس عصا اس کے پاس تھا

۱۵
گیسو تھے وہ مفسرِ واللیل اذا سجا
وہ ریشِ پاک اور رخِ سردارِ انبیاؑ
رخ سے عیاں تھے معنیِ والشمس والضحیٰ
گویا دھرا تھا رحل پہ قرآں کھلا ہوا
اوڑھے سیاہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

۱۶
پہلو میں بادشاہ کے تھا جلوہ گر وزیر
دونوں جہاں میں کوئی نہ دونوں کا تھا نظیر
سردارِ دیں علیؑ ولی خلق کا امیر
احمدؐ تھے آفتاب تو حیدر مہِ منیر
ظاہر میں ایک نور کا دوجا ظہور تھا
گر غور کیجئے تو وہی ایک نور تھا

۱۷
مصروفِ وعظ و پند تھے سلطانِ مشرقین
نانا بغیر دونوں نواسوں کو تھا نہ چین
جو گھر سے نکلے کھیلتے زہراؑ کے نورِ عین
بڑھ جاتے تھے حسنؑ کبھی آگے کبھی حسینؑ
کہتے تھے دیکھیں کون قدم جلد اٹھاتا ہے
نانا کے پاس کون بھلا پہلے جاتا ہے

۱۸
وہ گورے گورے چہروں پہ زلفیں ادھر اُدھر
اختر سے وہ چمکتے ہوئے کان کے گہر
کرتے گلوں میں نور بدن جیسے جلوہ گر
رشکِ ہلال طوق گلے غیرتِ قمر
ہیکل پہ نقش نام خدائے جلیل کے
تعویذ گردنوں پہ پرِ جبریلؑ کے

۱۹
مسجد میں آئے ہنستے ہوئے جب وہ گل بدن
تسلیم کو حسینؑ سے پہلے جھکے حسنؑ
خوش بو سے صحن مسجد جامع بنا چمن
خوش ہو کے مسکرانے لگے سرور زمن
بڑھ بڑھ کے خم سلام کو چھوٹے بڑے ہوئے
بیٹھے رہے رسولؐ ملک اٹھ کھڑے ہوئے

۲۰
بیٹوں کو تھا علیؑ کا اشارہ کہ بیٹھ جاؤ
پھیلا کے ہاتھ بولے محمدؐ کہ آؤ آؤ
لازم نہیں کہ وعظ میں نانا کو تم ستاؤ
شبیرؑ نے کہا ہمیں پہلے گلے لگاؤ
بھائی حسنؑ جو آپ کی گودی میں آئیں گے
ہم تم سے نانا جان ابھی روٹھ جائیں گے

۲۱
بولے حسنؑ کہ واہ ہمیں اور کریں نہ پیار
بولے یہ چشم نم بہ حسینؑ فلک وقار
اقرار کر چکے ہیں شہنشاہِ نامدار
دیکھیں تو کون کاندھے پہ ہوتا ہے اب سوار
سب سے سوا جو ہیں سو ہمیں اُن کے پیارے ہیں
آگے نہ بڑھیے آپ کہ نانا ہمارے ہیں

۲۲
بھائی سے تب کہا یہ حسنؑ نے بہ التفات
نانا ہمارے کیا نہیں سلطانِ کائنات
بے وجہ ہم سے روٹھتے ہو اے نکو صفات
ہوتی ہے ناگوار انھیں تو ذرا سی بات
غصہ نہ اتنا چاہیے خوش خو کے واسطے
مچلے تھے یوں ہی بچۂ آہو کے واسطے

۲۳
یہ سن کے منہ علیؑ کا لگے دیکھنے رسولؐ
میں چاہتا ہوں ایک کی خاطر نہ ہو ملول
ہنس کر کہا یہ دونوں ہیں میرے چمن کے پھول
روئیں گے یہ تو گھر سے نکل آئے گی بتولؑ
ہووے نہ رنج میرے کسی نور عین کو
تم لو حسنؑ کو گودی میں لوں حسینؑ کو

۲۴
شبیرؑ سے پھر اشارہ کیا ہو کے بے قرار
پھر بولے دیکھ کر سوئے شبیرؑ نامدار
غصہ نہ کھاؤ پہلے تمھیں کو کریں گے پیار
آ اے حسینؑ آ تری باتوں کے میں نثار
چھاتی سے ہم لگائیں گے جان اپنی جان کر
دیکھیں تو پہلے کون لپٹتا ہے آن کر

۲۵
دوڑے یہ بات سن کے برابر وہ خوش سیر
لپٹے حسینؑ ہنس کے ادھر اور حسنؑ ادھر
پاس آئے آفتاب رسالتؐ کے دو قمر
تھے پانوں زانوؤں پہ تو تھے ہاتھ دوش پر
نانا کے ساتھ پیار میں دونوں کا ساتھ تھا
گردن میں ایک آپ کا اور اُن کا ہاتھ تھا

۲۶
پھر پھر کے دیکھتے تھے شہنشاہِ مشرقین
بیٹھے جو زانوؤں پہ وہ زہراؑ کے نور عین
گہہ جانب حسنؑ تو کبھی جانب حسینؑ
تھا تن کو لطف تاب کو راحت جگر کو چین
جھک جھک کے منہ رسول زمن چومنے لگے
ان کا گلا تو ان کا دہن چومنے لگے

۲۷
شبیرؑ چاہتے تھے کہ چومیں مرے بھی لب
نانا کے منہ کے پاس یہ لاتے تھے منہ کو جب
پر کچھ گلے کے بوسوں کا کھلتا نہ تھا سبب
جھک جھک کے چومتے تھے گلا سید عرب
بھائی کو دیکھ کر جو حسنؑ مسکراتے تھے
غیرت سے اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے

۲۸
اٹھے حسینؑ زانوے احمدؐ سے خشمگیں
رخ پر پسینہ جسم میں رعشہ جبیں پہ چیں
غصے سے رنگ زرد اور آنکھوں پہ آستیں
پوچھا کدھر چلے تو یہ بولے کہیں نہیں
گھر میں اکیلے تیوری چڑھائے چلے گئے
دیکھا نہ پھر کے سر کو جھکائے چلے گئے

۲۹
بیت الشرف میں آئے جو شبیرؑ نامدار
دوڑیں یہ کہہ کے فاطمہؑ زہراؑ جگر فگار
کرتے کو منہ پہ رکھ کے بہت روئے زار زار
ہے ہے حسینؑ کیا ہوا تو کیوں ہے اشکبار
بچہ کو رلا کے غم میں مجھے مبتلا کیا
قربان ہو گئی تجھے کس نے خفا کیا

۳۰
میرا کلیجہ پھٹتا ہے اے دل ربا نہ رو
سر میں نہ درد ہو کہیں اے مہ لقا نہ رو
زہراؑ ہزار جان سے تجھ پر فدا نہ رو
بس بس نہ رو حسینؑ برائے خدا نہ رو
میری طرف تو دیکھو کہ بیتاب ہوتی ہوں
چادر سے منہ کو ڈھانپ کے لو میں بھی روتی ہوں

۳۱
تو منہ تو کھول اے مرے شبیرؑ خوش خصال
مل مل کے پشت دست سے آنکھیں کرو نہ لال
تر ہو گئے ہیں آنسوؤں سے گورے گورے گال
سلجھاؤں آؤ الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
گھر سے گئے تھے ساتھ جدا ہو کے آئے ہو
سمجھی میں کچھ حسنؑ سے خفا ہو کے آئے ہو

۳۲
تم چپ رہو وہ گھر میں تو مسجد سے پھر کے آئیں
اُن سے نہ بولیو وہ تمھیں لاکھ گر منائیں
گذری میں کھیل سے مرے بچے کو کیوں رلائیں
لو آؤ جانے دو تمھیں چھاتی سے ہم لگائیں
واری اگر حسنؑ نے رلایا برا کیا
پوچھوں گی کیا نہ میں مرے پیارے نے کیا کیا

۳۳
بولے حسینؑ ہم تو ہیں اس بات پر خفا
تم اماں جان منہ کو تو سونگھو مرے ذرا
نانا نے چومے بھائی کے ہونٹ اور مرا گلا
کچھ بوئے ناگوار ہے میرے دہن میں کیا
بھائی کے لب سے اپنے لبوں کو ملاتے ہیں
اب ہم نہ جائیں گے ہمیں نانا رلاتے ہیں

۳۴
منہ رکھ کے منہ پہ بولی وہ یہ زہراؑ جگر فگار
چوما اگر گلا تو خفا ہو نہ میں نثار
بوئے گلاب آتی ہے اے میرے گلعذار
تم کو زباں چوساتے تھے محبوب کردگار
یہ مشک میں مہک نہ گل یاسمن میں ہے
خوش بو اسی دہن کی تمھارے دہن میں ہے

۳۵
کہنے لگے حسینؑ یہ ماں سے بچشم نم
یہ کیا انھیں پہ لطف و عنایت ہے دم بہ دم
کیا جانو تم حسنؑ سے ہمیں چاہتے ہیں کم
معلوم ہو گیا انھیں پیارے نہیں ہیں ہم
رو رو کے آج جان ہم اپنی گنوائیں گے
پانی نہ اب پئیں گے نہ کھانے کو کھائیں گے

۳۶
یہ بات سن کے ہو گیا زہراؑ کا رنگ فق
صدقے گئی کرو نہ کلیجے کو میرے شق
بولی پسر سے رو کے وہ بنت رسولؐ حق
ہے ہے یہ کیا کہا مجھے ہوتا ہے اب قلق
میرا لہو بہے گا جو آنسو بہاؤ گے
کاہے کو ماں جئے گی جو کھانا نہ کھاؤ گے

۳۷
یہ کہہ کے اوڑھ لی سرِ پُر نور پر ردا
در تک گئی جو گھر سے وہ دلبند مصطفےٰ
موزے پہن کے گود میں شبیر کو لیا
فضہ نے بڑھ کے بوذر و سلمان کی دی صدا
پیش نبی حسین کو گودی میں لاتی ہیں
ہٹ جاؤ سب کہ فاطمہ مسجد میں آتی ہیں

۳۸
اللہ رے آمدِ زہرا کا بند و بست
احمد کے گرد و پیش سے اٹھے خدا پرست
ساتوں فلک تھے اوج شرافت سے جس کے پست
انساں تو کیا ملک کو نہ تھی قدرت نشست
آئیں تو شاد شاد رسولِ زمن ہوئے
گھر میں خدا کے ایک جگہ پنجتن ہوئے

۳۹
تعظیم فاطمہ کو اٹھے سید البشر
خم تھے حسین دوش پہ ماں کے جھکائے سر
دیکھا کہ چشم فاطمہ ہے آنسوؤں سے تر
تھا اک ہلال مہر کے پہلو میں جلوہ گر
ماں کہتی تھی نہ روؤ مگر چپ نہ ہوتے تھے
آنکھیں تھیں بند ہچکیاں لے لے کے روتے تھے

۴۰
گھبرا کے پوچھنے لگے محبوب ذوالجلال
بولیں بتول آج قلق ہے مجھے کمال
روتا ہے کیوں حسین یہ کیا ہے تمھارا حال
رویا ہے یہ حسین کہ آنکھیں ہیں دونوں لال
آتے ہیں ہنستے روتے ہوئے گھر میں جاتے ہیں
شفقت بھی آپ ہی کرتے ہیں آپ ہی رلاتے ہیں

۴۱
ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں یا شاہ بحر و بر
رونے سے اس کے ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
شفقت کی اس کے حال پہ ہر دم رہے نظر
مجھ فاقہ کش غریب کا پیارا ہے یہ پسر
حیدر سے پوچھئے مرے عسرت کے حال کو
کس کس دکھوں سے پالا ہے اس نونہال کو

۴۲
اشک اس کے جتنے ٹپکے ہیں یا شاہ نیک خو
روئے ہیں پھوٹ پھوٹ کے یہ میرے روبرو
اتنا ہی گھٹ گیا ہے مرے جسم کا لہو
تر ہو گیا ہے آنسوؤں سے چاند سا گلو
دیکھا نہ تھا یہ میں نے جو حال اس کا آج ہے
حضرت تو جانتے ہیں کہ نازک مزاج ہے

۴۳
شفقت سے آج آپ نے چومے حسن کے لب
رہتے ہیں دونوں ایک ہیں یا سرورِ عرب
بوسہ لیا نہ ان کے لبوں کا یہ کیا سبب
میں سچ کہوں یہ سن کے مجھے بھی ہوا عجب
اس کو جو ہو خوشی تو دل اس کا بھی شاد ہو
چھوٹے سے چاہیئے کہ محبت زیادہ ہو

۴۴
آپ ان کے ناز اٹھاتے ہیں یا شاہ بحر و بر
اکثر انھیں چڑھایا ہے حضرت نے دوش پر
پھر کس سے روٹھیں آپ سے روٹھیں نہ یہ اگر
گیسو دیے ہیں ننھے سے ہاتھوں میں بیشتر
روٹھے تھے یہ سو قدموں پہ سر دھرنے آئے ہیں
منہ کے نہ چومنے کا گلا کرتے آئے ہیں

۴۵
یہ کہہ کے پھر حسین سے بولیں بہ چشم تر
آؤ حسین ہاتھ جو ننھے سے جوڑ کر
لو جا کے اب نبی کے قدم پر جھکا دو سر
بے اختیار رونے لگے سید البشر
رو رو کے دیکھتے تھے علی و بتول کو
نزدیک تھا قلق سے غش آئے رسول کو

۴۶
تھی آنسوؤں سے ریش مبارک تمام نم
گاہے ستونوں سے لگ کے ہوئے راست گاہ خم
فرط بکا سے خاک پہ جھکتے تھے دم بدم
ہر لحظہ اضطراب زیادہ تھا صبر کم
ہو سکتا تھا نہ ضبط شہ مشرقین سے
روتے تھے بار بار لپٹ کر حسینؑ سے

۴۷
شبیر رو کے کہتے تھے نانا نہ روئیے
ہلنے لگے گا عرش معلیٰ نہ روئیے
روئیں گے اب نہ ہم شہ والا نہ روئیے
پھٹتا ہے اب ہمارا کلیجہ نہ روئیے
سو بار دن میں ہم تو منہ اشکوں سے دھوتے ہیں
حضرت ہمارے رونے پہ کاہے کو روتے ہیں

۴۸
گھبرا گئے علیؑ ولی شاہ بحر و بر
بیٹی نثار ہو گئی یا سیدؐ البشر
کی عرض فاطمہؑ نے جھکا کے قدم پہ سر
کیا وجہ ہے جو آپ ہیں اس طرح نوحہ گر
جلدی بتایئے کہ مجھے تاب اب نہیں
رونا خدا کے دوست کا یہ بے سبب نہیں

۴۹
حضرت کو علم غیب ہے یا شاہ انس و جاں
کیا آئی آج وحی خداوند دو جہاں
آیندہ و گذشتہ کا سب حال ہے عیاں
ہوتا ہے جو حسینؑ پہ مجھ سے کرو بیاں
فاقوں سے کاٹتی ہوں مصیبت جہان کی
کیوں باباجاں خیر تو ہے اس کی جان کی

۵۰
بوسے جگر کو تھام کے محبوب ذوالجلالؑ
کس منہ سے میں کہوں کہ قلق ہے مجھے کمال
تجھ سے سنا نہ جائے گا اے فاطمہؑ یہ حال
زہراؑ شہید ہوئیں گے تیرے یہ دونوں لال
ماتم کی یہ خبر ابھی جبریلؑ لائے تھے
سارے ملک حسینؑ کے پرسے کو آئے تھے

۵۱
الماس پی کے ہوئے گا بے جاں ترا حسن
بھر جائے گی کلیجوں کے ٹکڑوں سے سب لگن
یہ وجہ ہے کہ چومتا ہوں اس کا میں دہن
ہوگا زمرّدی ترے اس لال کا بدن
سوئے بہشت جب یہ جہاں سے سدھاریں گے
بدکیش تیر اس کے جنازے پہ ماریں گے

۵۲
زہراؑ مجھے کلام کی طاقت نہیں ہے اب
اک بن میں تین روز رہیں گے یہ تشنہ لب
حلق حسینؑ چومنے کا کیا کہوں سبب
کٹ جائے گا گلا یہی خنجر سے ہے غضب
نیزے پہ سر چڑھے گا ترے نور عین کا
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے لاشہ حسینؑ کا

۵۳
روئے خبر یہ کہہ کے جو محبوب ذوالمننؑ
زہراؑ پکاری ہائے لٹے گا مرا چمن
گھبرا کے منہ حسینؑ کا تکنے لگے حسنؑ
میں مرگئی دوہائی ہے یا سرور زمن
یہ کیسی آگ ہے کہ مری کوکھ جل گئی
ہے ہے چھری کلیجے پہ زہراؑ کے چل گئی

۵۴
فریاد یا نبیؐ شہ ابرار الغیاث
اے بے کسوں کے وارث و سردار الغیاث
اے مرسلانِ حق کے مددگار الغیاث
اے جزو کل کے مالک و مختار الغیاث
قدرت ہے سب طرح کی شہ مشرقین کو
حضرت سے لوں گی اپنے حسنؑ اور حسینؑ کو

۵۵
کس جرم پر یہ لال مرے قتل ہوں گے آہ
کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے عرش بارگاہ
رو کر کہا رسولؐ خدا نے کہ بے گناہ
بچوں کو میرے کیا نہ ملے گی کہیں پناہ
تلواریں کھینچ کھینچ کے ظالم جو آئیں گے
حضرت نہ کیا نواسوں کو اپنے بچائیں گے

۵۶
انساں ہے کیا جو قتل کریں گے ستم شعار
اعدا پہ کیا چلے گا نہ دستِ خدا کا وار
کیا شیرِ حق کمر سے نہ کھینچیں گے ذوالفقار
بالوں کو کیا نہ کھولے گی زہراؑ جگر فگار
ٹکڑے جگر جو ہوئے گا مجھ دل دو نیم کا
پایہ نہ کیا ہلاؤں گی عرشِ عظیم کا

۵۷
زہراؑ سے رو کے کہنے لگے شاہِ نیک خو
اس وقت قتل ہوئیں گے یہ دونوں ماہ رو
بیٹی مجھے بتائیں گے تربت میں کینہ جو
دنیا میں جب نہ ہو گا علیؑ اور نہ میں نہ تو
لاشے پہ مجتبیٰؑ کے تو شبیرؑ روئے گا
شبیرؑ جب مرے گا تو کوئی نہ ہوئے گا

۵۸
چلائی سر پٹک کے یہ زہراؑ کہ بے ستم
ماتم کی صف بچھائے گا کون اے شہِ اُمم
پیٹیے گا کون تن سے جو نکلے گا اس کا دم
پرسے کو کون آئے گا اس کے بہ چشمِ نم
ہم ہیں سے ایسے وقت جو کوئی نہ ہوئے گا
ہے ہے مرے حسینؑ کو پھر کون روئے گا

۵۹
بچے کی میرے تعزیہ داری کرے گا کون
دریائے اشکِ چشم سے جاری کرے گا کون
منہ ڈھانپ ڈھانپ گریہ و زاری کرے گا کون
امداد بعدِ مرگ ہماری کرے گا کون
ہو گا کہاں نبیؐ کے نواسے کا فاتحہ
شربت پہ کون دیوے گا پیاسے کا فاتحہ

۶۰
بولے نبیؐ کہ آپ کو زہراؑ نہ کر ہلاک
پیدا کریں گے قوم اک ایسی بروئے خاک
فرما چکا ہے مجھ سے یہ وعدہ خدائے پاک
جو رات دن رہیں گے اسی غم میں دردناک
بزمِ عزا میں آئیں گے وہ دور دور سے
تن خاک سے بنائیں گے دل اُن کے نور سے

۶۱
ہوگی انھیں سے مجلسِ ماتم کی زیب و زین
آنکھیں وہ دیں گے رونے کو سمجھیں جو فرضِ عین
دیں گے انھیں وہ لب کہ رہے جس پہ وا حسینؑ
ہاتھ ایسے غیرِ سینہ زنی ہو جنھیں نہ چین
سامانِ تعزیت کے کبھی کم نہ ہوئیں گے
وہ حشر تک حسینؑ کے ماتم میں روئیں گے

۶۲
ہو گا عیاں فلک پہ محرم کا جب ہلال
کھولیں گی بی بیاں بھی سب اپنے سروں کے بال
رختِ سیاہ پہنیں گے بر میں وہ خوش خصال
ہر گھر میں ہو گا شور کہ ہے ہے علیؑ کا لال
لیں گے صلے میں خلد ترے نورِ عین سے
آنسو عزیز وہ نہ کریں گے حسینؑ سے

۶۳
پیاسا شہید ہو گا جو یہ تیرا دل ربا
ہوئے گی شاد روح شہیدانِ کربلا
مومن سبیلیں رکھیں گے پانی کی جا بہ جا
بھر بھر کے آبِ سرد پکاریں گے برملا
محبوبِ کبریاؐ کے نواسے کی نذر ہے
پیاسے نہ جائیو کہ یہ پیاسے کی نذر ہے

بند		
٦٤	کہنے لگی نبیؐ سے بتولِؑ فلک جناب اے بادشاہ کون و مکاں مالک الرقاب	ہے ہے میں کیا کروں مرے دل کو نہیں ہے تاب درگاہ حق میں آپ کی ہے عرض مستجاب
	کیجیے دعا کہ خالق اکبر مدد کرے	اللہ یہ بلا مرے بچے کی رد کرے
٦٥	بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ کائنات چاہو تو رد کرے یہ بلا ربِّ پاک ذات	روح الامینؑ نے مجھ سے تو یہ بھی کہی ہے بات لیکن نہ ہوئے گی مری امت کی پھر نجات
	محبوب حق نثار ترے نور عین پر	موقوف ہے یہ امر تو قتل حسینؑ پر
٦٦	اللہ رے صبر دخترِ محبوبِ کردگار خوشنود ہو کے کہنے لگے شاہِ ذوالفقار	امت کا نام سن کے جھکایا سر ایک بار صدقے حسنؑ حسینؑ تصدق علیؑ نثار
	اس راہ میں نہ مال نہ دولت عزیز ہے	پیارے پسر نہیں ہمیں امت عزیز ہے
٦٧	کہنے لگے حسینؑ سے پھر شاہ بحر و بر نانا سے بولے چھوٹے سے ہاتھوں کو جوڑ کر	بتلا مجھے کہ کیا تری مرضی ہے اے پسر امت کے کام آئے تو حاضر ابھی ہے سر
	وعدہ کو ہم نہ بھولیں گے گو خورد سال ہیں	جھوٹے نہیں ہیں مخبر صادق کے لال ہیں
٦٨	روتے ہیں آپ کس لیے یا سیدِ امم تلوار بھی چلیں تو نہیں مارنے کے دم	راضی ہیں ہم پہ راہ خدا میں ہوں جو ستم امت پہ اپنے سر کو تصدق کریں گے ہم
	ہم راست گو ہیں بات پہ جس وقت آتے ہیں	کہتے ہیں جو زباں سے وہی کر دکھاتے ہیں
٦٩	بچپن میں جو زباں سے کہا تھا کیا وہ کام گردن جھکا کے برچھیاں کھایا کئے امام	جس وقت رن میں ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام خوں میں قبا رسولؐ کی تر ہو گئی تمام
	تیغیں علیؑ کے لال کے شانے پہ چل گئیں	چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں
٧٠	پھیری نہ تھی جو پشت مبارک دم مصاف سید سے بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف	تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تا بہ ناف غل تھا کہ آج ہوتا ہے گھر فاطمہؑ کا صاف
	سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بوتراب سے	لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے
٧١	بدلی میں فوج کیں کی گھرا وہ مہ منیر مارا ابوالحتوق لعیں نے گلے پہ تیر	تیغوں سے چور ہو گیا کونین کا امیر سینے میں چھد گیا دلِ شاہِ فلک سریر
	تیورائے آپ سانس جو سینے میں اڑ گئی	اتنے میں اور فرق پہ تلوار پڑ گئی
٧٢	نیزہ لگا جو پشت مبارک پہ آن کر جب آ کے سامنے سے لگا گرز گاؤسر	سر رکھ دیا حضور نے گھوڑے کے یال پر دلدل کی پشت پر جھکے سلطانِ نامور
	سنبھلے جو سانس لینے کو گھوڑے پہ جھوم کے	زہراؑ بلائیں لینے لگی شانے چوم کے

[illegible]

۷۳
چلاییں سر کو پیٹ کے للہ کوئی آئے
ہے کون میرے نازوں کے پالے کو جو بچائے
گھوڑے سے گرتا ہے مرا بچہ کوئی اٹھائے
سوکھ پہر کی پیاس میں یہ رنج ہائے ہائے
یارو نہیں کوئی جو سنبھالے حسینؑ کو
اے ذوالجناح تو ہی بچائے حسینؑ کو

۷۴
اے ارض کربلا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہر علقما مرا بچہ ہے بے گناہ
اے دشت نینوا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہر بے وفا مرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے مرے نور عین کو
اے ذوالفقار تجھ سے میں لوں گی حسینؑ کو

۷۵
بڑھ کر بن انس نے سناں کا کیا جو وار
دوڑے اتارنے کو رسولؐ فلک وقار
دامن پکڑ کے زیں کا جھکے شاہ نامدار
دشت نبرد کو ہوا احکام کردگار
اسوار مثل تخت سلیمانؑ صبا پہ ہو
اے مقتل حسینؑ معلق ہوا پہ ہو

۷۶
یہ تاج عرش خالق اکبر ہے اے زمیں
ابن قسیم چشمۂ کوثر ہے اے زمیں
زہراؑ صدف ہے جس کا وہ گوہر ہے اے زمیں
تعظیم کر یہ سبط پیمبرؐ ہے اے زمیں
فوق اور اوج عرش علا سے سوا ملا
دامن میں لے تجھے یہ دُر بے بہا ملا

۷۷
تا گر زمیں دامن زیں تک ہوئی بلند
حربوں سے چور چور تھا شہ کا جو بند بند
اترے زمیں پہ گھوڑے سے سلطان ارجمند
تھے زخم ریگ گرم پہ آتش پہ جوں سپند
آمادہ قتل شاہ پہ آکر عدو ہوئے
یاد خدا میں شاہ امم قبلہ رو ہوئے

۷۸
خنجر چلا کے سنگ پہ شمر لعیں بڑھا
مرفق تلک چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
تیوری چڑھا کے غصہ سے اور خشمگیں بڑھا
موزے پہن کے آہ سوئے شاہ دیں بڑھا
آیا نہ سنگ دل کو ترس اس نحیف پر
رکھا شقی نے پاؤں کلام شریف پر

۷۹
خنجر لعیں نے حلق پہ سید کے جب رکھا
زینبؑ تھیں آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
خیمے سے نکلے پیٹتے ناموس مصطفا
چلائے یہ حسینؑ کہ زینبؑ ادھر نہ آ
شمر لعیں گلے پہ جو خنجر پھرائے گا
تم نرم دل ہو تم سے یہ دیکھا نہ جائیگا

۸۰
سیدانیاں یہ سنتے ہی باہر نکل پڑیں
چلا کے گھر سے بانوئے مضطر نکل پڑیں
گریاں و سینہ چاک کھلے سر نکل پڑیں
کلثومؑ اور زینبؑ بے پر نکل پڑیں
غل تھا فلک نے دفتر عصمت الٹ دیا
دفعتہ نے پردۂ در دولت الٹ دیا

۸۱
آگے بڑھی سکینہؑ تو دیکھا یہ ماجرا
کہہ کر زمیں پہ گر پڑی وہ وامصیبتا
خنجر گلے پہ پھیرتا ہے شمر بے حیا
اٹھ کر پکاری شمر ٹھہر بہر مصطفاؐ
جلدی پدر کے ذبح میں اے اہل شر نہ کر
تو میرے سن کو دیکھ مجھے بے پدر نہ کر

۸۲
للہ شمر سبطِ پیمبر کو چھوڑ دے
حاجی کو بے وطن کو مسافر کو چھوڑ دے
سید کو بے گناہ کو مضطر کو چھوڑ دے
مجھ کو تو ذبح کر مرے سرور کو چھوڑ دے
لپٹوں گلے سے میں پدر ناتوان کے
سینے سے تو سرک تو مرے باباجان کے

۸۳
او شمر دیکھ زخم بدن شہ کے پھٹ نہ جائیں
اک دم ٹھہر کہ خاک تو زخموں سے ہم چھڑائیں
پانی تو دے کہ پیاس ذرا شاہِ دیں بجھائیں
للہ حکم دے کہ حرم شہ کے پاس جائیں
وہ ہم کو اور ہم انھیں اک بار دیکھ لیں
کہہ دے تو آکے آخری دیدار دیکھ لیں

۸۴
زینبؑ نے پھر یہ شمر لعیں سے کیا خطاب
خنجر ذرا تو روک لے اے خانماں خراب
اے شمر دل جلے کے جگر کو نہ کر کباب
سر پیٹتے ہیں دیکھ رسولِ فلک جناب
بابا زمیں پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے ہیں
بھائی حسنؑ حسینؑ کے اب گرد پھرتے ہیں

۸۵
اے شمر میں بھی بھائی تلک آؤں جو تو کہے
زخموں سے سب یہ ریت چھڑاؤں جو تو کہے
ماں جائے کو گلے سے لگاؤں جو تو کہے
حالِ دلِ ضعیف سناؤں جو تو کہے
میں سیدہ ہوں کوکھ جلی سوگوار ہوں
اے شمر تجھ سے اذن کی امیدوار ہوں

۸۶
یہ سن کے بھی نہ شمر خدا سے ذرا ڈرا
حضرت نے آنکھیں کھول کے قاتل سے یہ کہا
خنجر سے بوسہ گاہِ نبیؐ کاٹنے لگا
وقفہ کرا ایک دم کا لعیں پھر گھبرایا
خنجر گلے پہ پھیریو تو پھر حسینؑ کے
حسرت رہے دلوں میں نہ کچھ جانشیں کے

۸۷
خواہاں نہیں کہ دے مجھے آب و طعام تو
دنیا میں آج تک نہ ہوا ظلم یہ کبھو
ہے آرزو کہ قتل نہ کر ان کے روبرو
خنجر گلے پہ چاہنے والے ہوں چار سو
جاؤں گا میں کہاں کہ غریب و نحیف ہوں
سر کاٹیو تو شوق سے میں خود ضعیف ہوں

۸۸
سنتا تھا کب کلام شہِ دیں وہ بے حیا
حضرت نے جھک کے سجدۂ خالق ادا کیا
خنجر گلوئے شاہ پہ بس پھیرنے لگا
شریاں پہ جب پہونچ گیا وہ خنجر جفا
بنتِ علیؑ کھڑی تھی یہ گھبرا کے گر پڑی
دیکھا گیا نہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۸۹
پھر آنکھیں کھول کے یہ کیا شاہ نے کلام
نانا کہاں ہیں دیکھیں احوالِ تشنہ کام
دیکھا نہ ایک نے بھی یہ حسرت کا ہے مقام
پھر سوئے چرخ دیکھ کے کہنے لگے امام
گو شمر نے نہ قتل میں وقفہ ذرا کیا
بندے نے تیرے وعدۂ طفلی ادا کیا

۹۰
یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ بحر و بر
فریاد کرتی رہ گئی زینبؑ بہ چشم تر
سینے سے سر کو کاٹ کے اترا وہ بدگہر
چلائی یہ سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
بانو کی چشمِ غم میں اندھیرا سا چھا گیا
چادر گری جو سر سے بدن تھرتھرا گیا

یاں اہلِ بیت میں تو قیامت ہوئی بپا
ہے ہے حسینؑ پیاسے کا لاشے پہ غل ہوا
واں شمر پکڑے ہوئے سلطانِ کربلا
لٹکائے سر حسینؑ کا اس فوج میں گیا
چوبِ سناں سے کھینچ کے باندھا سرِ حسینؑ
سب کو بلند کر کے دکھایا سرِ حسینؑ

بس اے انیسؔ بزم میں ہے نالہ و فغاں
پوچھو ان کے دل سے جو ہیں سخن فہم نکتہ داں
حق ہے کبھی سنا نہیں اس حسن کا بیاں
گویا کہ یہ خلیق کی ہے سر بہ سر زباں
سچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

رباعی

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
فرقت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہے میری
اوپر کا دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

رباعی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

رباعی

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ پلک نواز ہے ذات تری
جنت انھیں اشکوں کے بہانے سے ملی

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

رباعی

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے
ہر اشک عزادار گہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی ہیں مجلسیں آخر رو لو
اب ماہ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

رباعی

جب خاتمۂ شاہ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

رباعی

بست و یکم ماہ محرم ہے آج
جس چشم کو دیکھتا ہوں پرنم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا
اس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

رباعی

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسویں تک گڑا نہ لاشہ جس کا
اس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رباعی

اے یارو محرم کا مہینہ آیا
سر پیٹو غمِ شاہِ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک ڈالو یارو
احمد کا تباہی میں سفینہ آیا

رباعی

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے
گھبراتا ہے کیوں انیس پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط
شبیر سا دست گیر یاں رہبر ہے

مرثیہ ۱
جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ
خم مثلِ ہلالِ شبِ اول ہوئے عابدؑ
اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
رانڈوں میں تو مجبوریِ سجادؑ کا غل تھا
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا

۲
بے دینوں میں تھی تہنیتِ فتح کی اک دھوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدؑ مغموم
رانڈوں میں یہ تھا شور کہ ہے بے شہ مظلوم
بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں زنجیر بہ صد رنج و محن تھی
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی

۳
تلواریں لیے چار طرف ظلم کے بانی
غربت کا الم بے پدری تشنہ دہانی
حلقے میں دل آزاروں کے وہ یوسفِ ثانی
وہ طوق کا منگر وہ سلاسل کی گرانی
مڑ کر کبھی زینبؑ کے رخِ پاک کو دیکھا
بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا

۴
لغزش میں نہ تھا ہاتھ کوئی تھامنے والا
تھا چاند سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
صدمے سے گرا پڑتا تھا وہ نازوں کا پالا
زنجیر جو ہاتھوں سے چھٹی طوق سنبھالا
مرقد نہ بنا باپ کا یہ فکر بڑی تھی
اک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں پڑی تھی

۵
نرغے میں دل آزاروں کے وہ صاحبِ آزار
شیشے سے سوا ہوتا ہے نازک دلِ بیمار
دلسوز نہ کوئی نہ کوئی مونس و غمخوار
اس پر یہ مصیبت کا گراں کوہ گراں بار
تعویذِ شفا اس کو پنھاتے تو بجا تھا
یاں طوق گراں بار کے حلقے میں گلا تھا

۶
دستور ہے بیمار کے ہیں پاؤں دباتے
ماتم کی خبر کو ہیں مریضوں سے چھپاتے
یاں بیڑیاں بھاری اسے لا کر ہیں پنھاتے
ماں باپ کے سر کاٹ کے اس کو ہیں دکھاتے
یہ دکھ نہ کسی صاحبِ آزار نے دیکھے
ہاں بعدِ پدر عابدؑ بیمار نے دیکھے

۷
ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی
عاشور کو غش تھے کہ یکایک خبر آئی
بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی
شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
ہوش آیا تو گھر آگ میں جلتے ہوئے دیکھا
ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا

۸
کیا کیا نہ ستم اہلِ شقاوت نے دکھائے
جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے
بیمار نے جز شکرِ خدا لب نہ ہلائے
کس صبر سے نہوڑا دیا سر پاؤں بڑھائے
تھی فکر گنہگاروں کی اس رنج و محن میں
بندھوا دیئے امت کے لیے ہاتھ رسن میں

۹
تھا صاحبِ اعجاز کو سب طرح کا مقدور
تھی نار سے آزادیِ امت انھیں منظور
ہونٹوں کے ہلانے میں فنا ہوتے وہ مقہور
دانستہ ہوئے قید نہ بے کس تھے نہ مجبور
زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو
چھوڑا نہ مگر سلسلۂ صبر و رضا کو

۱۰ پھوپیاں سر ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر
ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھیں مادر
بے پردہ تھی اک رانڈ کی بیاہی ہوئی خواہر
پھپیاں تھیں اس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر
ناموس محمدؐ پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزے پہ علم تھا

۱۱ فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
منہ کاہے سے ڈھانپیں حرم حیدرِ کرار
کس درد سے فرماتے تھے سجادؑ دل افگار
صابر رہو شاکر رہو جو مرضیِ غفار
چھٹنے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمھیں کم ہے

۱۲ موئے سر پرنور سے چہرے کو چھپا لو
شکوے کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
لازم ہے تمھیں صبر کلیجوں کو سنبھالو
غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اٹھا لو
چادر نہیں سر پر تو ضرر کیا ہے تمھارا
پردہ رہے امت کا یہ پردہ ہے تمھارا

۱۳ گو آج نہیں محمل و ہودج کی سواری
کل دے گا تمھیں ناقۂ نور ایزدِ باری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمھاری
تم نور خدا ہو تمھیں کیا دیکھیں گے ناری
عریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہ ہو کعبہ کی حرمت نہیں جاتی

۱۴ یہ کہتے تھے جو قتل کا میداں نظر آیا
کٹا ہوا زہرا کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ بے جاں نظر آیا
سوتے ہوئے شیروں کو نیستاں نظر آیا
روحیں تو نثارِ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلے کی طرف ہیں

۱۵ اس شکل سے صحرا میں پڑے تھے وہ دلاور
جس طرح مرقع کہیں ہو جاتا ہے ابتر
سوئے تھے کہیں خاک پہ دو بھائی برابر
دولھا کوئی پامال تھا گھوڑوں سے سراسر
بُندے کوئی پہنے ہوئے پیارا سا پڑا تھا
ریتی پہ کوئی طفل ستارہ سا پڑا تھا

۱۶ سوتا تھا لبِ نہر کوئی ہاتھ کٹائے
تھا خوابِ اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
تھے جسم لہو میں عوضِ غسل نہائے
اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں تو بنائے
دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جواں تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

۱۷ تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشۂ بے سر
گردن پہ نمایاں کئی جاگہ خطِ خنجر
تھا تیروں کی کثرت سے یہ حالِ تنِ اطہر
جس طرح عیاں خار ہوں ساہی کے برابر
بخشا تھا سرِ عرش نشیمن جو خدا نے
پر کھولے تھے اوس اوجِ سعادت کے ہما نے

۱۸ افراطِ جراحت سے سراپا تھا بدن چور
اک قبر کو محتاج تھا وہ صاحبِ مقدور
تھی ریگِ بیاباں عوضِ مرہمِ کافور
آئینۂ صد پارہ تھا وہ سینۂ پرنور
زخموں میں لہو سینے کے دبنے سے بھرا تھا
زانو تھا جہاں شمر کا واں ہاتھ دھرا تھا

۱۹
پہلو میں تھا اک طفل حسینؑ تیر کا مارا
چھوٹا سا شلوکا تھا بھرا خون سے سارا
جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارا
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے باپ کا پیارا
کچھ داغ جو دل پر تھے تو کچھ داغ جگر پر
اک ہاتھ تو تھا سینے پہ اک ہاتھ پسر پر

۲۰
تھا لاش پہ بے کس کے عجب یاس کا عالم
رونے کو سرہانے کوئی مونس تھا نہ ہمدم
کہتی تھی یہ حسرت تری غربت کے فدا ہم
تھے ہاتھ بندھے اُن کے جو تھے صاحبِ ماتم
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اوپر
شہ رگ سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اوپر

۲۱
اُس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پر
آتا تھا جب دور سے طائر کوئی اڑ کر
مرغانِ ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے شہپر
کہتا تھا کہ کیوں پیٹتے ہو بازوؤں سے سر
غم دیکھے ہیں دنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیمانؑ کا بھی ماتم نہیں دیکھا

۲۲
اِس سے یہ بیاں کرتے تھے وہ طائرِ صحرا
گھر لٹ گیا زہراؑ کا قیامت ہوئی برپا
اس سانحہ کی آہ خبر تجھ کو نہیں کیا
بے سر ہے سرِ خاک محمدؐ کا نواسا
یہ وہ ہے رسولِؐ عربی روتے ہیں جس کو
روتے ہیں اسے سارے نبیؑ روتے ہیں جس کو

۲۳
صحرا کے پرندوں میں یہ تھی درد کی تقریر
بے سر نظر آیا جو انھیں لاشۂ شبیرؑ
آپہونچے جو رانڈوں کو لیے عابدؑ دلگیر
قدموں پہ گرے چھوٹ گئی ہاتھ سے زنجیر
بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرّا گیا لاشہ پسرِ شیرِ خدا کا

۲۴
سر پیٹ کے چلائے یہ سجادِؑ دل افگار
صدقے تری مظلومی کے اے سیدِ ابرار
رخصت کے لیے آیا ہے یہ صاحبِ آزار
باندھے ہوئے گردن لیے جاتے ہیں جفاکار
تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

۲۵
بعد آپ کے اُمت نے یہ کی ہے مری توقیر
پہنایا ہے گردن میں بھی اک طوقِ گلوگیر
اونٹوں کی رسن ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر
جو قافلے سے چھٹ گیا ہے اس کی یہ تعزیر
بیماری میں جو ہم پہ ستم ہو سو روا ہے
شمشیر سے گردن نہ کٹانے کی سزا ہے

۲۶
اعجاز سے اس لاشے نے ہاتھوں کو اٹھایا
پھر حلقِ بریدہ سے یہ عابدؑ کو سنایا
کس پیار سے فرزند کو چھاتی سے لگایا
روؤ نہ کفن ہم نے نہ پایا تو نہ پایا
اے لال یہی خوں بھری پوشاک کفن ہے
جب خاک کی ملی خاک میں پھر خاک کفن ہے

۲۷
یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہؑ یہ پکاری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپھی جان تمھاری
اے قافلہ سالارِ حرم عاشقِ باری
ایسا نہ ہو مر جائے یداللہ کی پیاری
ماں جائے کی مظلومی و تنہائی پہ رووے
اونٹوں کو بٹھا دو تو بہن بھائی کو رووے

۲۸
چلائی سکینہؑ مرا ناقہ بھی بٹھا دو
خوشبوئے شہِ مظلوم کی چھاتی کی سنگھا دو
اچھے مرے بھیا مجھے بابا سے ملا دو
سوتے ہیں اگر نام مرا لے کے جگا دو
مارا ہے عبث شمر نے مجھ خستہ جگر کو
دکھلاؤں گی یہ نیل طمانچے کا پدر کو

۲۹
گھبرا کے پکارا عمرِ سعد جفاکار
نیزے لیے ناقوں کے رہیں گرد ستمگار
کہہ دو کہ اٹھے لاشے سے اب عابدؑ بیمار
اونٹوں سے زمیں پر کوئی اترے نہ خبردار
خولی سے کہو آگے بڑھے لے کے سروں کو
ہاں جلد روانہ کرو ان نوحہ گروں کو

۳۰
عابدؑ کو تنِ شاہ سے اعدا نے چھڑایا
جب اونٹ چلے رانڈوں نے یہ شور مچایا
جی بھر کے پسر باپ کو رونے بھی نہ پایا
رونا نہ ملا لاشوں پہ فریاد خدایا
کشتے ہوئے سب دفن لعینوں کی طرف سے
لاشے کو نہ گاڑا پسرِ شاہِ نجف کے

۳۱
ہے ہے ہمیں اونٹوں سے اترنے نہیں دیتے
کھینچے لیے جاتے ہیں ٹھہرنے نہیں دیتے
کوشش کفن و غسل کی کرنے نہیں دیتے
مظلوم کو تربت میں بھی دھرنے نہیں دیتے
مٹی نہ ملی لاش کو شاہِ شہدا کی
فریاد نبیؐ کی ہے دوہائی ہے خدا کی

۳۲
اس قافلے سے روتے ہوئے عابدؑ مضطر
بیٹھا ہوا تھا کرسی پہ نخوت سے بداختر
پہونچے پسرِ سعد کے خیمے کے برابر
اور فتح کی نذریں اسے دیتے تھے ستمگر
تھا جشن کا غل کشتیوں میں آتے تھے خلعت
خدام کھڑے شمر کو پہناتے تھے خلعت

۳۳
نوفل پسرِ سعد سے کرتا تھا یہ گفتار
عباسؑ کے شانوں پہ لگائی ہے وہ تلوار
دو خلعتِ پُرزر کا ہوں میں آج طلبگار
جس ضرب سے ٹوٹی کمرِ سیدِ ابرار
کاٹا علمِ شاہ کو شمشیر سے میں نے
مشکیزے میں سوراخ کیا تیر سے میں نے

۳۴
کس فخر سے کرتا تھا بیاں قاتلِ اکبرؑ
کہتا تھا کوئی چھیدا ہے اک تیر لگا کر
اس نیزے سے بے جاں ہوا ہم شکلِ پیمبرؐ
بانوؑ کا جگر شاہ کا دل گردنِ اصغرؑ
ہر زخم کا انعام جدا چاہیئے مجھ کو
اس تیر سہ پہلو کا صلہ چاہیئے مجھ کو

۳۵
کہتا تھا سنا کر اُسے کوئی ستم آرا
رہوار کے پاؤں سے بدن سب کیا پارا
لختِ دلِ شبیرؑ کو ہے اس تیر سے مارا
نوشاہ زمانے سے پرارمان سدھارا
کیا قبر میں ہوئے گا قلق ابنِ حسنؑ کو
رنڈسالہ میسر نہیں اک شب کی دولھن کو

۳۶
کہتا تھا کوئی لوٹ کا اسباب دکھا کر
باقرؑ کی یہ ہنسلی ہے سکینہؑ کا ہے گوہر
مقنع یہ دولھن کا ہے یہ بانوؑ کی ہے چادر
شملہ یہ ہے اکبرؑ کا یہ گہوارۂ اصغرؑ
یہ خون میں تر جامۂ شاہِ شہدا ہے
پیوند ہیں جس میں یہی زینبؑ کی ردا ہے

۳۷ عابدؑ نے سنی جب یہ ستم گاروں کی تقریر
فرمایا کہ قبروں میں تو گاڑے گئے بے پیر
نزدیک عمر آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
کی ہے پسر فاطمہؑ نے کون سی تقصیر
کھلوا دے مرے ہاتھ کہ صدمہ ہے جگر کو
میں دفن کروں شیر الٰہی کے پسر کو

۳۸ بے دفن و کفن ہیں جو ید اللہ کے پیارے
بکھرے ہوئے یاں پھول محمدؐ کے ہیں سارے
واللہ گڑا جاتا ہوں میں شرم کے مارے
صحرا میں کوئی ہے کوئی دریا کے کنارے
ان پھولوں کو مقتل سے اٹھا لینے دے مجھ کو
مٹی میں ستاروں کو چھپا لینے دے مجھ کو

۳۹ سفاک نے تب چیں بہ جبیں ہو کے سنایا
تو کوفے میں اب تک سر شبیرؑ نہ لایا
حاکم کا یہ شقہ ہے مرے نام پہ آیا
صحرا سے خبردار جو لاشوں کو اٹھایا
مرنے پہ بھی راحت تنِ سرور کو نہ دینا
زنہار کفن سبطِ پیمبرؐ کو نہ دینا

۴۰ چپ ہو گئے سجادِ حزیں سر کو جھکا کر
جیتا رہا گر قید کی تکلیف اٹھا کر
چلائے تنِ شہ کی طرف منہ کو پھرا کر
گاڑے گا غلام آپ کو اب شام سے آکر
حیدرؑ کی حمایت میں تنِ شاہ کو سونپا
آئی یہ صدا تمکو بھی اللہ کو سونپا

۴۱ صدقے ہو پدر آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
ہم چین سے یاں سوتے ہیں تم قید میں جاؤ
لاشے کے نہ اٹھوانے کا صدمہ نہ اٹھاؤ
چادر کوئی ملجائے تو زینبؑ کو اڑھاؤ
ماتم میں بہن کو نہ بھلا دیجیو بیٹا
ہر وقت سکینہؑ کی خبر لیجیو بیٹا

۴۲ سہنا ہے تمھیں رنج اسیری میں سفر کا
اے نورِ نظر غم نہ کرو لاشِ پدر کا
اک بوجھ تو ہے طوق کا ایک بوجھ ہے گھر کا
بابا کے مقدر سے ہے کیا زور پسر کا
دن گذریں گے ایذا کے تو فرصت بھی ملے گی
تم چھوٹ کے جب آؤ گے تو راحت بھی ملے گی

۴۳ یہ سن کے چلے روتے ہوئے عابدؑ بیمار
بے غسل و کفن رہ گئی نعشِ شہ ابرار
راہی ہوئے خیموں کو اکھڑوا کے ستمگار
جز بیکسی و یاس نہ دل سوز نہ غمخوار
روتے تھے ملک سرِ عرش پہ جب روتی تھی زہراؑ
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہوتی تھی زہراؑ

۴۴ وہ گرمی کے ایام وہ صحرائے خطرناک
اٹھتے تھے بگولے کہیں اڑتی تھی کہیں خاک
پتے کا نہ سایا تھا بہ جز سایۂ افلاک
رتی پہ پڑا تھا پسر سید لولاک
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر
اس دھوپ میں سایہ نہ تھا لاشِ شہ دیں پر

مطلع دوم

۴۵ جب گلشن ایماں کو قلم کر چکے اعدا
ناموس محمدؐ پہ ستم کر چکے اعدا
نیزے پہ سر شہ کو علم کر چکے اعدا
تاراج سب اسباب حرم کر چکے اعدا
کوفے کی طرف لے گئے ناموس نبیؐ کو
گاڑا بھی نہ فرزند رسولِ عربیؐ کو

۴۶
جنات کے رونے کی صدا آتی تھی ہر دم
دریا میں یہ تھا شور کہ ہے شہ عالم
پریاں پسر فاطمہؑ کا کرتی تھیں ماتم
اڑ اڑ کے پرندے بھی فغاں کرتے تھے باہم
فریاد کا غل اٹھتا تھا ہر بار زمیں سے
ریتی پہ برستا تھا لہو چرخ بریں سے

۴۷
ٹکراتے تھے جب کوہ تو اڑتے تھے شرارے
جو کھیت لہکتے تھے وہ مرجھائے تھے سارے
چلتے تھے درختوں پہ غم و درد کے آرے
اور لوٹتی تھیں مچھلیاں دریا کے کنارے
دانے کا نہ تھا ہوش پرندوں کو جہاں میں
چوپائے نہ منہ ڈالتے تھے آب رواں میں

۴۸
کھیتوں پہ جو آتے تھے وہاں اہل زراعت
دن بھر تو وہ سب روتے تھے با صد غم و حسرت
لاشے نظر آتے تھے انھیں آتی تھی رقت
اور شب کو گھروں میں بھی نہ تھی غم سے فراغت
کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے سحر تک
شبیر کی مظلومی پہ روتے تھے سحر تک

۴۹
تب عورتیں کہتی تھیں یہ با دیدۂ پُر نم
اشک آنکھوں سے تم لوگوں کے تھمتے نہیں اک دم
کیوں بے خور و بے خواب ہو کس بات کا ہے غم
بتلاؤ یہ ہے کون سے مظلوم کا ماتم
کھانے جو پکائے ہیں اسی طرح دھرے ہیں
کون اٹھ گیا دنیا سے کہ دل غم سے بھرے ہیں

۵۰
تم لوگوں کے غم کھانے کا کھلتا نہیں احوال
کیا پیچ پڑا کون سا نقصان ہوا اس سال
خرمن پہ گری برق کہ کھیتی ہوئی پامال
املاک ہوئی ضبط کہ دنیا میں پڑا اکال
کچھ جرم کسی طرح کا ٹھہرایا ہے تم پر
کیا حاکم جابر کا عتاب آیا ہے تم پر

۵۱
وہ بولے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں آہ
تھی تیسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ
کیا تم سے کہیں ہم پہ جو ہے صدمۂ جانکاہ
وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تھوڑے سے ملازم تھے پہ سب غنچہ دہاں تھے
کچھ پیر تھے کچھ طفل تھے کچھ تازہ جواں تھے

۵۲
ہم نے کبھی دیکھے نہیں اس طرح کے خوش رو
چہروں پہ لٹکتے تھے عجب حسن سے گیسو
میدان میں تھی جلوہ گری نور کی ہر سو
جب ہنستے تھے تب پھولوں کی آجاتی تھی خوش بو
رشک چمن خلد کا صحرا کو ملا تھا
دریا کی ترائی میں عجب باغ کھلا تھا

۵۳
باندھے ہوئے عمامے وہ کعبے کے مسافر
چہروں سے غریب الوطنی ہوتی تھی ظاہر
آقا کے جلو میں بسر و چشم تھے حاضر
تسبیح زباں ذکر خدا صابر و شاکر
وہ چاند سے رخ پیش نظر آج تلک ہیں
انداز سراپا سے عیاں تھا کہ ملک ہیں

۵۴
تھی کاندھوں پہ شالوں کی عماموں کی عجب شان
وہ چاند سے سینے وہ مہ نو سے گریبان
گیسوئے سر حور کو جن پر کریں قربان
وہ نور تن پاک عباؤں سے نمایاں
عالم تھا عجب حسن کا ان بے وطنوں پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ بدنوں پر

۵۵
سونلائے ہوئے رنگ صعوبات سفر سے
پر دے نہیں سکتے کبھی تشبیہ قمر سے
دیکھا جو انھیں گر گیا خورشید نظر سے
ہونٹوں پہ زیادہ تھی نزاکت گل تر سے
چہرے عرق آلودہ تھے گرمی جو بڑی تھی
ہنگام سحر اوس سی پھولوں پہ پڑی تھی

۵۶
کی کوئی کوئی عربی کوئی حجازی
رہوار تھے راں عربی ترکی و تازی
شیران جہاں صف شکن و صفدر و غازی
سجدے تہ شمشیر کریں ایسے نمازی
جاں بازی و تسلیم و رضا ختم تھی ان پر
آقا پہ تصدق تھے وفا ختم تھی ان پر

۵۷
بے مثل تھا اس فوج میں ایک ایک خوش اطوار
دو شخص تھے پر سارے جوانوں میں نمودار
سب میں انھیں دونوں پہ نظر پڑتی تھی ہر بار
تھا ایک علمدار تو ایک فوج کا سردار
رخسار تھے یا نور خدا پیش نظر تھا
ذروں میں یہ خورشید وہ تاروں میں قمر تھا

۵۸
ان دونوں میں تھا ایک جواں گیسوؤں والا
گرد قمر اس شان سے دیکھا نہیں ہالا
قد سرو سا اور حسن میں یوسفؑ سے دوبالا
ہر فلک نور اندھیرے کا اجالا
سب خلق میں وہ حسن میں ممتاز ہوا تھا
سبزہ بھی ابھی خوب نہ آغاز ہوا تھا

۵۹
کیا حسن تھا کیا شان تھی کیا عزت و توقیر
آنکھوں میں بھلی لگتی تھی کیا سرمہ کی تحریر
رخساروں پہ بل کھائے ہوئی زلف گرہ گیر
تھا فرق سے تا ناخن پا نور کی تصویر
اخلاق میں شوکت میں شجاعت میں نبی تھا
سایہ جو نہ ہوتا تو رسول عربی تھا

۶۰
کس منہ سے کہیں شان علمدار شہنشاہ
سب کہتے تھے نکلا ہے یہ طوبیٰ کے تلے ماہ
تھی شوکت جعفرؑ تو شکوہ اسد اللہؑ
حاضر تھے جلو میں حشم و دبدبہ و جاہ
خورشید بنا جلوہ نما خانۂ زیں پر
گھوڑا دو رکابہ تھا پہ تھے پاؤں زمیں پر

۶۱
برپا جو ہوا خیمہ زنگاری سردار
محمل سے حرم خیمے میں داخل ہوئے اک بار
اترے وہ جواں گھوڑے سے صحرا ہوا گلزار
واللہ عجب مصحف دیں تھے وہ خوش اطوار
کچھ فکر نہ تھی اور فقط یاد خدا تھی
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

۶۲
یاں ایک غلام حبشی اتنے میں آیا
اور بعد سلام آکے یہ پیغام سنایا
تم لوگوں کو آقا نے ہمارے ہے بلایا
حاضر ہوئے ہم اور سر تسلیم جھکایا
خدام پکارے کہ رہے دھیان ادب کا
دربار ہے فرزند شہنشاہ عرب کا

۶۳
استادہ رہے سامنے ہم جوڑے ہوئے ہاتھ
تھرا گئے دل خوف سے کی جاتی نہ تھی بات
اللہ رے اخلاق شہنشاہ خوش اوقات
کی ہم سے غریبوں پہ عجب لطف و عنایات
آداب سے سر قدموں پہ نہوڑا دیا ہم نے
پہلو میں جگہ دی ہمیں اس بحر کرم نے

۶۴
فرمایا کہ تکلیف ہوئی تم کو سنا پست
دیں داروں سے لازم ہے غریبوں سے محبت
ملتی نہیں مہلت کوئی دم رنج والم سے
بیکس ہے یہ ہم سب کی ملاقات غنیمت
اطفال ہیں ساتھ اور یہ ہے عالم غربت
ہم دور وطن سے ہیں وطن دور ہے ہم سے

۶۵
اس دشت میں تھوڑی سی زمیں دو تو بسائیں
ایذائے سفر سہ چکے راحت بھی اٹھائیں
جاگیر کی خواہش ہے نہ املاک کی خواہش
ہے جی میں کہ اب یاں سے کہیں اور نہ جائیں
قبضہ ہوا اس بن میں تو سب کام بن آئیں
لے آئی ہے یاں تک ہمیں اس خاک کی خواہش

۶۶
قیمت کے نہ لینے پہ کیا ہم نے جو انکار
گھر تک ابھی پھر کے نہ پہونچے تھے کہ اک بار
تاریخ ششم کو تو زمانہ ہی پھرا تھا
قیمیں ہمیں دے دے کے دیئے درہم و دینار
فوجیں ہوئیں کچھ شام کے حاکم کی نمودار
دو لاکھ سواروں میں وہ مظلوم گھرا تھا

۶۷
بند اس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی
وہ گرمی کے دن اور وہ غضب تشنہ دہانی
پانی کے نہ پینے سے جو گھبراتے تھے بچے
سمجھایا پہ اعدا نے کوئی بات نہ مانی
مرنے لگے اس سیّد مظلوم کے جانی
کوزے لیے خیمے سے نکل آتے تھے بچے

۶۸
عاشور کو مرنے پہ مسافر ہوئے تیار
ڈھالوں کا لب نہر اٹھا ابر دھواں دھار
سر تا بہ قدم خون میں تر ہوتے تھے غازی
تلواریں میانوں سے نکلنے لگیں اک بار
ہر سو تھی چمک نیزوں کی اور تیروں کی بوچھار
تلواروں میں آقا کی سپر ہوتے تھے غازی

۶۹
حملے جو کئے ظلم شعاروں کو بھگایا
میداں سے پیادوں کو سواروں کو بھگایا
کس منہ سے کہیں حال جوانانِ عرب کا
دریا سے لعینوں کی قطاروں کو بھگایا
اک اک بہادر نے ہزاروں کو بھگایا
پیاسے تھے ہوا ظہر تلک خاتمہ سب کا

۷۰
بے سر جو ہوئی فوج تو تنہا ہوئے سردار
جس وقت گرا گھوڑے سے وہ بیکس و بے یار
بکھرائے ہوئے بال وہ آوارہ وطن تھی
ہر سمت سے پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
اک بی بی نکل آئی تھی خیمے سے کئی بار
عورات نے رو کر کہا ہے ہے وہ بہن تھی

۷۱
اک بولی کہ آگے کہو کیا گزری پھر اس پر
تن گھوڑوں سے کچلا گیا تاراج ہوا گھر
کونین میں اس ظلم کا اک شور پڑا ہے
وہ بولے کہ زخمی کے چلا حلق پہ خنجر
اور چھین لی بیدردوں نے اس بی بی کی چادر
اس روز سے وہ بے کفن و گور پڑا ہے

۷۲
شب کو جو زراعت کی حفاظت کو گئے ہم
کچھ مرد تھے کچھ بی بیاں کچھ حوریں تھیں باہم
بے جرم و گنہ تیغ ستم جس پہ چلی ہے
اس بن میں نظر آیا عجب طرح کا عالم
غل ہائے حسینا کا تھا اور کرتی تھیں ماتم
معلوم ہوا وہ کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے

۷۳
آواز یہ آتی تھی کہ اے حوریو آؤ
کہتے تھے محمدؐ مجھے لاشہ تو دکھاؤ
غش آیا ہے خاتونِ قیامت کو اٹھاؤ
شبیرؑ کہاں ہیں مری چھاتی سے لگاؤ
ٹکڑے دلِ فرزند کے دکھلاتے تھے حیدرؑ
لاشے کو لیے گود میں چلاتے تھے حیدرؑ

۷۴
یہ سنتے ہی عورات نے اک شور مچایا
شبیرؑ تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا
گھبرا کے کہا ہائے یہ کیا تم نے سنایا
اس شمع امامت کو لعینوں نے بجھایا
مظلوم کا سر تن سے اتارا گیا ہے ہے
لوگو پسرِ فاطمہؑ مارا گیا ہے ہے

۷۵
دسویں کو ہوئی شہ کے سر و تن میں جدائی
ان کا تو نہ باقی کوئی بیٹا ہے نہ بھائی
اور آج تلک لاش نہ سید کی اٹھائی
تم نے بھی نبیؐ زادے کی تربت نہ بنائی
فرزندِ علیؑ دشت میں بے دفن ہے کب سے
معلوم ہوا ڈر گئے حاکم کے غضب سے

۷۶
تم اوڑھو ردائیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار
ناخوش ہیں نبیؐ تم سے علیؑ تم سے ہیں بیزار
بس آج سے تلوار نہ تم باندھیو زنہار
بے پردہ ہے زینبؑ ہمیں پردہ نہیں درکار
فوجیں بھی جو بھیجے تو نہ حاکم سے ڈریں گے
اب فاطمہؑ کے لال کو ہم دفن کریں گے

۷۷
یہ کہتے ہی عورات نے عریاں کیے سر
آغوش سے بچوں کو بھی بٹھلا دیا رو کر
جلدی سے اتارا انھیں جو پہنے تھیں زیور
اور پھینک دیا سب نے رداؤں کو زمیں پر
گر سینہ زنی تھی کبھی فریاد و بکا تھی
اس غول میں زہراؑ کے بھی رونے کی صدا تھی

۷۸
مردوں نے جو دیکھا کہ چلی عورتیں باہر
تم روؤ گھروں میں صفِ ماتم کو بچھا کر
گھبرا گئے اور بولے یہ گر گر کے قدم پر
ہم گاڑتے ہیں لاشۂ فرزندِ پیمبرؐ
دیویں گے کفن شاہِ غریب الغربا کو
منھ ہم کو بھی دکھلانا ہے محبوبِ خدا کو

۷۹
یہ کہہ کے چلے بیلچے لے لے کے وہ اک بار
سر لے گئے تھے کاٹ کے سب کے جو ستمگار
اور کیں لحدیں فاطمہؑ کے پیاروں کی تیار
معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہے کون سا سردار
جس خاک پہ ٹکڑے تنِ سرور کے پڑے تھے
یہ لوگ وہاں ششدر و حیران کھڑے تھے

۸۰
کہتا تھا کوئی کس سے کہیں کون بتائے
سب خوابِ عدم میں ہے کوئی کس کو جگائے
ہم پوچھیں جو لاشوں کا شناسا کوئی آئے
احمدؐ کا نواسا کفن و گور تو پائے
معلوم نہیں کون سی جا دہ شہِ دیں ہیں
لاشے سے صدا آئی کہ مظلوم یہیں ہیں

۸۱
صد شکر کہ آخر ہوئے چہلم کے بھی ایام
مشرق میں جو ہو موتِ امامِ ذوی الاکرام
کر دے گا خدا دفن و کفن کا بھی سرانجام
مغرب سے امام آتا ہے واں دفن کے ہنگام
رہنے دو زمیں پر نہ اٹھاؤ ابھی ہم کو
ٹھہرو کہ امامِ زمن آیا کوئی دم کو

۸۲
ناگاہ ہوئی سامنے سے گرد نمودار
آواز فرشتوں کی یہ آنے لگی اک بار
مقتل کی زمیں ہوگئی سب مطلعِ انوار
آپہونچے سرِ شاہ لیے عابدؑ بیمار
ہر گام پہ گر پڑتے ہیں یہ زور گھٹا ہے
عمامہ نہیں سر پہ گریباں پھٹا ہے

۸۳
مقتل میں کھڑے ہو کے پڑھی پہلی زیارت
چلّائے کہ اے دلبرِ خاتونِ قیامت
بس گر پڑے لاشے پہ نہ تھامی گئی رقت
بے چین تھا میں آپ سے جب سے ہوئی فرقت
پاس آپ کے سب خاک پہ سویا کیے بابا
ہم اتنے دنوں قید میں رویا کیے بابا

۸۴
کیا ظلم سہے آپ نے اے شاہِ خوش اوقات
آگے مرے پہونچوں سے ہوے تھے نہ قلم ہاتھ
افتادہ رہے دھوپ میں اور اوس میں دن رات
یہ ظلم ہوے بعد فنا آپ پہ ہیہات
کس ظالم و بے رحم و بد افعال نے کاٹے
لاشے سے صدا آئی کہ جمال نے کاٹے

۸۵
سن کر یہ سخن روئے بہت عابدِؑ بے پر
جس وقت اٹھانے لگے شہ کا تنِ اطہر
پھر دفن شہیدوں کو کیا بادلِ مضطر
اعجازِ امامت سے آگئے سبطِ پیمبرؐ
عابدؑ جو گرے پڑتے تھے افراطِ الم سے
شبیرؑ گئے تا بہ لحد اپنے قدم سے

۸۶
رکھنے جو لگا لاشے کو مرقد میں وہ بیمار
ناگہ ہوئے تربت سے کئی ہاتھ نمودار
اک چادرِ نور آ کے کھنچی قبر پہ اک بار
سر کھولے یہ چلاتی تھی زہراؑ جگر افگار
بے کس کو نبیؐ زادے کو معصوم کو لاؤ
میں صدقے ہوں لاؤ مرے مظلوم کو لاؤ

۸۷
حیدرؑ کی صدا آتی تھی ہے ہے مرا پیارا
کہتے تھے نبیؐ امتِ بے دین نے مارا
آہستہ اٹھاؤ کہ بدن چور ہے سارا
ان باغیوں نے لوٹ لیا باغ ہمارا
بلوا کے مدینے سے مسافر پہ جفا کی
اچھی ہوئی دعوت پسرِ شیرِ خدا کی

۸۸
مٹی جو لگے قبر میں سجادؑ گرانے
منہ پیٹ لیا ہاتھوں سے محبوبِ خدا نے
اس وقت لگی قومِ اسد خاک اڑانے
زہراؑ کبھی پائینتی اور گاہ سرہانے
گھبرائے ہوئے گردِ لحد پھرتے تھے حیدرؑ
اٹھتے تھے کبھی اور کبھی گرتے تھے حیدرؑ

۸۹
اب وقت خموشی ہے انیسؔ جگر افگار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرار
بیتاب ہیں رقت سے شہِ دیں کے عزادار
ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلب گار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا
ناقدروں کے احساں سے بچا لیجیو مولا

رباعی

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے دردِ عزا
ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے
جب دیکھیے یہ زخمِ کہن تازہ ہے

مرثیہ ۱

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
سو شغل ہوں پردیس میں دل لگا رہتا ہے گھر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

۲

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد
جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد
ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

۳

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
جب ہو سفر خوف و پریشانیِ خاطر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لیے رنج و تعب ہے
رہ جائے پس قافلہ چھٹ کر تو غضب ہے

۴

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
منزل پہ پہونچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
درماندوں کو لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

۵

ہر دم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پُرنم
ہوتا ہے عجب صاحبِ اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

۶

ہوں ساتھ جو بابا کے تو یاد آتی ہے مادر
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر
مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پر
اور دن کے تو اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انھیں دشمن سے اماں ہو
جن بچوں کے سر پر نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

۷

بچے بھی وہ بچے جو نہ نکلے کبھی گھر سے
نا راہ سے آگاہ نہ ایذائے سفر سے
ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی بر سے
وہ چھٹ گئے کوفے میں پہونچتے ہی پدر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلمؑ
بیٹوں کی تباہی کے لیے روتے تھے مسلمؑ

۸

جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر
منہ سے یہی نکلا تہِ خنجر دمِ آخر
روئے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
فرزندِ محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
روتے تھے علیؑ فاطمہؑ سر ننگے کھڑی تھی
تھا نیزے پہ سر لاش تہِ بام پڑی تھی

۹

جب قتل ہوا ایلچیِ سیدِ والا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
بچوں پہ عجب حادثۂ تقدیر نے ڈالا
تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گرد یتیمی سے اٹے تھے

۱۰
پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا
نے بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

۱۱
پاس اس کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے
پانی تو بھلا منہ میں دم مرگ چوآتے
ہم بنتے نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
کاندھوں پہ پسر باپ کے لاشے کو اٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

۱۲
مظلوم کی تربت کا پتہ اب بھی جو پائیں
تعویذ مزار پدر آنکھوں سے لگائیں
رخصت کے لیے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سلا کر
قرآں بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

۱۳
تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دے کے دہائی
اور قتل کی بابا کی خبر ان کو سنائی
بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں گے

۱۴
ہم سا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی مجبور
وارد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور
پیچا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
ماں دور پدر دور چچا دور وطن دور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں
بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

۱۵
ایک ایک لعیں کوفے میں دشمن ہے ہمارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی سہارا
اک دوست تھا ہانی سو وہ دنیا سے سدھارا
غربت میں ہمیں باپ کے مر جانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پسر ہیں

۱۶
یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر پدر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گزر میں
تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
بیٹوں کو نہ مسلمؑ کے چھپائے کوئی گھر میں
بتلادے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہ گار کے فرزند ہیں دونوں

۱۷
معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
دانا وہ ہے جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اس کا لٹے گا
مر جائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

۱۸
تھراتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرم و مسرور
تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
جو دوست تھے حیدرؑ کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھیں گھروں میں
منہ ڈھانپے ہوئے بی بیاں روتی تھیں گھروں میں

۱۹
کہتی تھی کوئی کیا کریں کیوں کر انھیں پائیں
جلادوں سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
جاسوسوں کا خطرہ ہے کہاں ڈھونڈھنے جائیں
ہم دل کی طرح ان کو کلیجوں میں چھپائیں
آقا ہیں وہ اُس کے جو غلام شہ دیں ہے
ہم لونڈیاں حاضر ہیں جو ماں سر پہ نہیں ہے

۲۰
کیا روز سیہ چرخ نے بچوں کو دکھایا
سات آٹھ برس کا تو سن اور دیس پرایا
ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ماں باپ کا سایا
جانیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
بس کچھ نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے
بچو کھتیں پردیس میں اللہ بچائے

۲۱
شیعوں کے گھروں میں تو تھی یہ گریہ وزاری
ناکے پہ لعیں کہہ گئے آکر کئی باری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفے میں ناری
ہوشیار خبردار اگر جان ہے پیاری
احکام میں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

۲۲
وہ طفل حسین بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
گر بچو گرفتار جو آ نکلیں ادھر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں لپیٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں بہ سر دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

۲۳
ہے مہر درخشاں سے فزوں حسن کا پرتو
کوفے سے نکل جانے کی ہے ان کو تک و دو
مہتاب سے روشن ہیں یہ رخساروں میں ہے ضو
پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانند مہ نو
گورے ہیں گلے جلوہ نما کرتوں میں تن ہیں
لب پنکھڑیاں گل کی ہیں غنچے سے دہن ہیں

۲۴
پیشانیاں دونوں کی جو ہیں ماہ منور
تعویذوں کی دو ہیکلیں ہیں سینوں کے اوپر
سجدوں کے چمکتے ہیں نشاں صورت اختر
ملتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
بھاگے ہیں برا وقت جو دونوں پہ پڑا ہے
اک عمر میں چھوٹا ہے کچھ اور ایک بڑا ہے

۲۵
ہرناکے پہ تھا حکم یہ ان دونوں کی خاطر
اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینے کے مسافر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
کوئی نہ مددگار تھا نہ حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

۲۶
ناکے تلک آپہونچے نہ تھے وہ جگر افگار
چلایا کہ بس رہو آگے قدم رکھیو نہ زنہار
جو دیکھ لیا ان کو کسی شخص نے اک بار
جاتے ہو کہاں بھاگ گئے ہم آپہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں
سرتا بہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں

۲۷
بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی
اعدا ہمیں لینے نہیں آئے اجل آئی
مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر
منت بھی کریں گے تو نہ مانیں گے ستمگر

۲۸ یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو
بچوں پہ اٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بدخو
اور باندھ لیے رسی سے اِن دونوں کے بازو
کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دامِ بلا میں تو پھنسے ہیں
بازو کہو پھر کس لیے رسی سے بندھے ہیں

۲۹ جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے
جلادوں میں معصوموں کے تھے جاں کے لالے
بازار میں بےتاب تھے سب دیکھنے والے
کہتے تھے ہر اک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
رسی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

۳۰ پہونچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سرِ دربار
تھا تختِ مرصع پہ مکیں حاکمِ غدار
خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تنِ زار
بیٹھے ہوئے سب کرسیوں پر چھوٹے بڑے تھے
رسی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

۳۱ معصوموں سے کہنے لگا یوں حاکمِ ملعون
صدمے سے یتیموں کا ہوا حال دگرگوں
اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
تھرا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزوں
ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
بابا تھے گنہگار گنہگار ہیں ہم بھی

۳۲ بولا کوئی معصوم ہیں یہ بےکس و دلگیر
یہ پھول سے اندام نہیں لائقِ تعزیر
دہشت کے سبب کانپتے ہیں رنگ ہے تغیر
نادان ہیں کم سن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر
طاقت ہے کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہیں بہت ڈھونڈتے ہوویں گے پدر کو

۳۳ چپ رہ گیا وہ دشمنِ دیں سر کو جھکا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
سنیو نہ جو منت بھی کریں اشک بہا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پاوے
قفلِ درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

۳۴ دیکھو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا
یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
بازو نہ کھلیں رسی سے جب تک ہیں توانا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
کروٹ بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

۳۵ اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ ماہ لقا بند
دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پا بند
جس حجرے کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
سر کو در و دیوار سے ٹپکا کریں دونوں
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں

۳۶ بس لے کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہباں
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ ناداں
اک حجرے میں قیدی ہوے دونوں مہِ تاباں
در کھول دو اللہ نہیں تن سے چلی جاں
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پہنا دو

۳۷
دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
مادر کو بھی چلائے پدر کو بھی کیا یاد
بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد
کب کھولتے ہیں طائرِ پر بند کو صیاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

۳۸
تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات
معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات
سہمے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
تھی پیشِ نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

۳۹
دیواریں نہ چھید نہ دروازوں میں روزن
تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں روشن
وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
جب بیٹھے تھے پہروں وہ جھکائے ہوئے گردن
بوندیں بھی پسینے کی ٹپکتی تھیں زمیں پر
بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زمیں پر

۴۰
ہر صبح یہ معمول تھا منہ اشکوں سے دھونا
اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا
دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
ہر رات کو خاک اوڑھنا اور خاک بچھونا
جز شکر خدا منہ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
سر خاک پہ نہوڑائے ہوئے رہتے تھے دونوں

نا رکھ کر سر [illegible] دونوں

۴۱
فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام
جو مالکِ زنداں تھا وہ آتا تھا سرِ شام
جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام
دیتا انھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالم اظلم کے غضب سے
اٹھ اٹھ کے سلام اسکو وہ کرتے تھے ادب سے

۴۲
کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

۴۳
سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
جا گہ نہیں شکوے کی کرو صبر برادر
دیکھو تو نہ سر پر ہے پدر اور نہ مادر
تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمیں ہوتا ہے میسر
نعمت سے زیادہ ہمیں یہ نانِ جویں ہے
منہ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے

۴۴
ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا
پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار توانا
کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
موت آئی تو اس قید میں مرجائیں گے بھائی
جیتے ہیں تو یہ دن بھی گذر جائیں گے بھائی

۴۵
رزاقیِ معبودِ حقیقی پہ کرو غور
اس قید میں تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور
دینداری سے جو دور ہیں ان لوگوں کا ہے دور
ہم اور، مکاں اور، زمیں اور ہوا اور
ہیں قید میں جس کی وہی دے جاتا ہے کھانا
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہے کھانا

۴۶
زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سُلایا
خاصانِ خدا نے بھی سدا رنج اُٹھایا
دن بھر جو میسّر نہ ہوا رات کو کھایا
دُکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث میں آیا
عسرت رہی دنیا میں شہِ عقدہ کشا کو
فاقے تو گذر جاتے تھے محبوبِ خدا کو

۴۷
یہ قید کے دن شکرِ الٰہی میں گذارو
صابر رہو، شاکر رہو، ہمّت کو نہ ہارو
جو مرضئ معبود ہے دم اس میں نہ مارو
روٹی جو پھٹے پانی کے گھونٹوں سے اُتارو
رزّاقِ دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذّت ہے تو نعمت اسے سمجھو

۴۸
ظاہر میں رگیں تن گئیں بدن زرد ہے سارا
کیوں روتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
کھا لو کہ عبادت کا رہے جسم میں یارا
یہ بھی نہ میسّر ہو تو کیا زور ہمارا
دادا نے سدا نانِ جویں کھائی ہے بھائی
تب فقر کی دولت انھیں ہاتھ آئی ہے بھائی

۴۹
گھبراتے ہو کیوں، روتے ہو کس واسطے ہر بار
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار
خالق ہے اسیروں کا یتیموں کا مددگار
ماہی کے شکم میں رہے کب یونسؑ بیدار
تاریکئ زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
یوسف نہ چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے

۵۰
محبوس ہماری ہی طرح تھے مہِ کنعاں
زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
کاہش تھی یہی اور یہی سختئ زنداں
خالق نے رہائی کا مگر کر دیا ساماں
چھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کون رہا ہے
اُن کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہے

۵۱
جب چاہ سے نکلے تو اُٹھائی وہ تباہی
کیا دور ہے ہو جائے اگر فضلِ الٰہی
اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
بندوں پہ ہے اس کا کرم لا متناہی
دنیا کی امارت ہو تو خواہش ہمیں کب ہے
ہم کو تو فقط اس سے رہائی کی طلب ہے

۵۲
چھوٹے نے کہا سب ہے بجا آپ کا ارشاد
ہم سا تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی ناشاد
بھائی بشریت سے یہ ہے نالہ و فریاد
چھوٹے بھی تو ہوں گے نہ کبھی رنج سے آزاد
یعقوبؑ نے چھاتی سے لگایا تھا پسر کو
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پاویں گے پدر کو

۵۳
گذرا جو اسی طرح انھیں قید میں یک سال
تن خشک ہوئے زور گھٹے سر کے بڑھے بال
تھا دونوں کا افراط نقاہت سے عجب حال
خم ہو گئے کاہش سے مہِ عید کے تمثال
تن ضعف سے فرسودہ و لاغر ہوئے دونوں
رخ زرد مثالِ ورقِ زر ہوئے دونوں

۵۴
بچوں کو لڑکپن میں ضعیفی نے کیا پیر
تھی تن کو نہ پہروں حرکت صورتِ تصویر
سر جھکا تو یوں یہ جھک گئے حالت ہوئی تغیّر
یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
رونق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی
منظر سے نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

۵۵
ہم چشمیِ نرگس سے جو آنکھوں کو رہا ننگ
رخساروں کا اُن نازوں کے پالوں کے تھا ڈھنگ
جوں مردمِ بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
جس طرح عرق کھنچے ہوئے پھولوں کا ہو رنگ
جو گورے گلے مثلِ قمر نور فشاں تھے
وہ تار سے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے

۵۶
ناخن تھے مہِ نو سے جو بالائے انامل
اعضا میں عوض خوں کے حرارت ہوئی شامل
سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہوئے وہ مہِ کامل
تھے ضعف کی تصویر وہ دکھ درد کے حامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا ان کو
اٹھنے کے تصور میں غش آ جاتا تھا اُن کو

۵۷
کاہیدہ تھے مثلِ تنِ مدقوق تنِ زار
رہتا تھا جو دم زیست سے دق تھے وہ گرفتار
ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہِ گرانبار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
اک بال ہو جس طرح سے آئینے کے اندر

۵۸
تقلیلِ غذا، قید کا دُکھ، باپ کا ماتم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
گھل گھل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
فریادرسی کون کرے کس سے کہیں ہم
افسوس یوں ہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
نے قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی

۵۹
پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گور کنارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے
بستی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
مر جائیں تو مرقد میں ہمیں کون اُتارے
ہم سا بھی کوئی بیکس و مغموم نہ ہوگا
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہوگا

۶۰
کیا ہو گئی نہ ہو گی خبرِ والدِ ذی جاہ
کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ
دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
اب اوروں کی الفت ہے ہماری نہیں کچھ چاہ
کاہے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں ہوئے ہم
دو بیٹے تو ہیں پاس ہوئے یا نہ ہوئے ہم

۶۱
اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
جیتے ہیں کہ مر گئے ہیں خبر یہ نہ منگائی
گذرا ہے برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
یا یہ کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
ملتے جو تھیں صدقے کبھی ہوتی تھیں اماں
ہم گھر سے جو نکلے تو بہت روتی تھیں اماں

۶۲
ہنگام سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
رستے میں خط آیا تو یہ لکھا تھا بہ تکرار
بے اُن کے مجھے چین نہیں پڑنے کا زنہار
صاحب مرے بچوں سے خبردار! خبردار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں
بھجوا دو مرے پاس جو روتے ہیں سفر میں

۶۳
کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹ کے جائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر اُن کے جھکائیں
کیا دوڑ کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دور ہے بھائی
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی

۶۴
بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے
بھرے ہوئے عباس علیؑ شیر سے آتے
ہم شکل نبیؐ بھائیوں کو آ کے چھڑاتے
کوفے کو اُلٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
اللہ رکھے ان کو یہ دم ہم میں نہیں ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہیں

۶۵
کس طرح کہیں بھول گئی ہو دیں گی مادر
کیا جانے کس آفت میں ہیں فرزند پیمبرؐ
سب بیٹوں سے اپنے انھیں الفت ہے برابر
وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
سنتے تو مدد آن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچوں کی رہائی کی نہ کرتے

۶۶
یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زنداں
چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا باتنِ لرزاں
اور دینے لگا آب و غذا ان کو نگہباں
ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مردِ مسلماں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال جو سنیے تو کہا چاہتے ہیں ہم

۶۷
جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
شکوے کا مگر حرف زباں پر نہیں آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا

۶۸
گذرا ہے برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
چلّا کے ترے ڈر سے نہیں رات کو روتے
پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوتے
قیدی چھٹے اکثر یہ رہا ہم نہیں ہوتے
ہم سے ترا سردار عبث برسرِ کیں ہے
کچھ جرم نہیں ہے کوئی تقصیر نہیں ہے

۶۹
تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
وارث کوئی سر پر نہیں پابند بلا ہیں
احساں کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ وفا ہیں
اب قید کی تکلیف اُٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہیں جاتی

۷۰
رکھتا ہے بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا
رہ جاتا ہے عالم میں کریموں کا فسانا
بھوکوں کو طلب کر کے سخی دیتے ہیں کھانا
نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا
محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیویں گے تجھ کو
کام آ جو ہمارے تو دعا دیویں گے تجھ کو

۷۱
دونوں نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے
ہاتھ اس کی دعا کے لئے دونوں نے اُٹھائے
زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے
کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو
اے شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہے تو

۷۲
وہ کہنے لگا ان سے میں کیوں کر نہیں آگاہ
لڑکوں نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی ہے راہ
مختارِ جہاں ختمِ رسل سیدِ ذی جاہ
بولا مری تسبیح ہے نامِ اسد اللہ
نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبیؐ کا
حیدرؑ تو چچازاد برادر ہے نبیؐ کا

۷۳
وہ حق کا ولی ہے وہ امام دو جہاں ہے
کعبے کی طرح اس کا شرف سب پہ عیاں ہے
وہ قبلۂ دیں ہے وہ شہِ کون و مکاں ہے
اللہ کا ہاتھ اور محمدؐ کی زباں ہے
جو اس سے جدا ہے وہ محمدؐ سے جدا ہے
دنیا میں علیؑ ایک ہے اور ایک خدا ہے

۷۴
کون ایسا ہے حیدرؑ سے جو آگاہ نہیں ہے
آفاق میں حیدرؑ سا شہنشاہ نہیں ہے
گمراہ ہے وہ ان سے جسے راہ نہیں ہے
جو کہیے وہ سب کچھ ہے پہ اللہ نہیں ہے
حق سے نہ جدا وہ ہے نہ حق اس سے جدا ہے
آقا تو ہمارا ہے نصیری کا خدا ہے

۷۵
یہ سنتے ہی جاں آ گئی ان دونوں کے تن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں
گم ہو گیا دہشت سے جو لرزا تھا بدن میں
گویا کہ بہار آ گئی ہستی کے چمن میں
حجرے سے خوشی ہو کے وہ مہرو نکل آئے
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

۷۶
بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
جھوٹے نہیں دریائے صداقت کے گہر ہیں
واللہ ہمیں مسلمؑ بیکس کے پسر ہیں
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبرؐ ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

۷۷
یہ سنتے ہی تھرّا گیا وہ مرد خوش اطوار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
بخشو مجھے میں نے تمھیں گھڑکا تھا کئی بار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

۷۸
میں تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو
بندہ میں تمھارا ہوں مجھے قدموں پہ وارو
کرتے میں نئے لاؤں یہ ملبوس اُتارو
لو زاد سفر مجھ سے جدھر جا ہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبرؐ سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدرؑ سے نہ کیجو

۷۹
قدموں سے اُٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے
تو خالقِ اکبر سے جزا حشر میں پائے
حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں
بھائی ترے بچے ترے سایے میں جدا ہوں

۸۰
دینے لگا رو کر وہ انھیں درہم و دینار
احساں یہ ترا تھوڑا ہے اے مرد خوش اطوار
شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
توشہ ہے توکل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
تبلا دے پتا ہم کو جگر بند نبیؐ کا
لشکر ہے کہاں سبط رسولِ عربیؐ کا

۸۱
کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے
ساتھ اُن کے تھے سب حیدرؑ کرار کے پیارے
یا آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
بچے ہیں ابھی ہیں کہ کہیں دور سدھارے
کے راتیں ہمیں کاٹنی ہو دیں گی وطن تک
کے روز میں پہونچیں گے شہنشاہ زمن تک

۸۲
حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دو
جس سمت چچا ہوں اسی رستے پہ لگا دو
جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دو
کیا دور ہے خالق ہمیں بچھڑوں سے ملا دے
مطلوب زیارت ہے ہمیں شاہ زمن کی
کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی

۸۳
چاہا بہت اس نے کہ یہ بچوں سے چھپائے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے
مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
کیوں خیر تو ہے آنکھوں سے کیوں اشک بہائے
وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شبیرؑ
ہم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شبیرؑ

۸۴
جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو نہ بن آیا
دنیا میں کہاں ہے اسد اللہ کا جایا
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ بچوں کو سنایا
گھر فاطمہؑ کا خاک میں اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جواں کوئی نہیں ہے
عابدؑ کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہے

۸۵
عاشور کے دن ذبح ہوئے سبطِ پیمبر
رانڈوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور
خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر
دیکھا حرمِ شاہ نے دربار شقی کا
کوفے میں سر آیا تھا حسینؑ ابن علی کا

۸۶
دنیا میں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ نہ شبیرؑ
یاں تک کہ ہوئے قتل علیؑ اصغرِ بے شیر
سب چھوٹے بڑے ہو گئے زیرِ دمِ شمشیر
مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
کیونکر اسد اللہ کے پیاروں سے ملو گے
اب جا کے ملو گے تو مزاروں سے ملو گے

۸۷
یہ سنتے ہی معصوموں پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریۂ و زاری
تڑپے یہ زمیں پر کہ غش آیا کئی باری
دشمن کوئی سن لیوے نہ آواز تمہاری
ظالم ہے وہ حاکم یہ نہیں زور کسی کا
یاں ڈھونڈھ کے خوں کرتے ہیں فرزند علیؑ کا

۸۸
وہ کہتے تھے کس طرح کلیجوں کو سنبھالیں
گھر خاک ہوا سر پہ بھی ہم خاک نہ ڈالیں
اب چھاتیوں کو توڑتے ہیں آہوں کی بھالیں
دم رکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہے ہے
ہم قید میں جیتے ہیں چچا مر گئے ہے ہے

۸۹
گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر
جلدی سے اٹھے واں سے وہ بہ حالت تغیر
بہتر ہے اسی شب میں نکل جانے کی تدبیر
باندھیں کمریں اور وہ نیچے ہوئے رہ گیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جس طرح گریزاں ہو قمر چھٹ کے گہن سے

۹۰
جب مسلمؑ بے کس کے پسر قید سے چھوٹے
دکھ سہہ کے عزادار پدر قید سے چھوٹے
آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گرد یتیمی سے اٹے تھے

٩١
وہ شہر پُر آشوب وہ غربت وہ شبِ تار
ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار
ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
دل اُن کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تنِ زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونوں
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علیؑ پڑھتے تھے دونوں

٩٢
پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی
رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
اب تو ہمیں نیند آتی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

٩٣
دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے
سہمے ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

٩٤
لب پر نفسِ سرد بھرے آنکھوں میں آنسو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو
غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گرد و
دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آ کے جفاجو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چار طرف تکتے تھے دونوں

٩٥
اک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
یوں کہنے لگا اس سے بصد عجز وہ ذی جاہ
داماد کے آنے کی کھڑی دیکھتی تھی راہ
اک دو پہر اس گھر میں اماں دے ہمیں للہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں
مظلوم ہیں سیّد ہیں گنہگار نہیں ہیں

٩٦
اس بستی میں دیندار نظر آئی ہمیں تو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گلرُو
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہیں قرابت تو رسولِ عربیؐ سے
مسلمؑ کے پسر ہیں نہیں کہیو نہ کسی سے

٩٧
وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمنِ سادات
پر صاحبِ خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
گر دیکھ لیا اس نے تو بننے کی نہیں بات
لونڈی ہوں میں زہراؑ کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اسی ظالمِ بدذات کا ڈر ہے

٩٨
وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
درکار ہے نہ فرش، نہ تکیہ، نہ نہالی
واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ ہو جو خالی
بن باپ کے ہیں ہم یہ مصیبت یہ نئی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

٩٩
دونوں نے بہ منت جو کہا اس سے بہ رو رو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی کچھ ہو
تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اس کو
میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہماں ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

۱۰۰
کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
اور سوئے ہم مسلم مظلوم کے جانی
دروازے پہ آ پہونچا اُدھر ظلم کا بانی
چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر

۱۰۱
یہ سن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
دربار سے ہر روز تو آتا تھا سرِ شام
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام
چلّا کے وہ بولا میں کہیں تھا تجھے کیا کام
در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں گھر کو

۱۰۲
در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
تھی ریش تو اُلٹی ہوئی مونچھوں کے کھڑے بال
پھینکا کہیں خنجر، کہیں تلوار، کہیں ڈھال
اور دیدۂ بد بین تھے جوں ساغر خوں لال
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

۱۰۳
پاس آ کے ضعیفہ نے بہت باتوں میں گھولا
کھینچا کبھی خنجر، کبھی تلوار کو تولا
تیوری وہ چڑھائے رہا کچھ منھ سے نہ بولا
کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوٹا نہ پھپھولا
ہاتھوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں آکر
رہ جاتا تھا غصّے سے کبھی ہونٹ چبا کر

۱۰۴
اس طیش میں کھانا بھی نہ جلاد نے کھایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش اُسے آیا
پھر خواب اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنے کو جگایا
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

۱۰۵
تاریک مثالِ دلِ کافر تھا وہ سب گھر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
ہر سو صفت گرگ لگا ڈھونڈھنے اُٹھ کر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
واں مسلم مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک برج میں دو عرش کے تارے نظر آئے

۱۰۶
جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تن زار
سوتے تھے دھرے پیار سے رخسار پہ رخسار
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدۂ خونبار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
آئینہ نظر آتا تھا آئینے کے اندر

۱۰۷
بازو پہ جو چھوٹے کے پڑا دستِ جفاکار
جھنجلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار
تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اک بار
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل افگار
جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی تھی
کیا سوتے ہو اٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۱۰۸
گھبرایا ہوا خوف سے اُٹھا وہ دل آرام
وہ بولے اماں دے گا جو بتلائیں تجھے نام
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکس و ناکام
اس نے کہا ہاں دوں گا تو بولے وہ گل اندام
کھینچے ہوئے ہے ہاتھ میں تو تیغ جفا کو
ڈر لگتا ہے تجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو

۱۰۹
ستمگار لگا کہنے کہ سب ہے مجھے منظور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بے کس و مجبور
پیماں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور
اے شخص ہمیں ہیں پسر مسلم مغفور
تھا قتل کا ڈر اس لیے گھبرا کے چھپے ہیں
کر رحم کہ دامن میں ترے آ کے چھپے ہیں

۱۱۰
سنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا
رسّی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
یوں باز دوؤں کو زور سے پکڑا کہ نہ چھوڑا
بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچّے
پر حجرے سے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچّے

۱۱۱
دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد
دروازے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد
بچّوں پہ یہ دکھ، ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
کم زور تھے یہ اور زبردست وہ جلاّد
کرتے بھی پھٹے ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے
مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

۱۱۲
جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار
چلاّتی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افگار
دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفا کار
بن باپ کے بچے ہیں یہ ظالم نہ انھیں مار
کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

۱۱۳
بچوں سے لپٹتی تھی جو وہ کھولے ہوئے سر
وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر
تلوار کے ہولوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
ہے ہے مرے مہمان ہیں یہ بے کس و مضطر
آنکھوں سے قدم اُن کے لگانے نہیں پائی
کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی

۱۱۴
جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کئی باری
بیلی تو کہا لو میں تصدق ہوئی واری
تلوار اُسے جھنجلا کے ستمگار نے ماری
گرتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
دوڑے کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
بچوں کو چھڑا دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں

۱۱۵
روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہ رو
کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو
بہ بہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
ایک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو
خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ڈرے تھے
دہشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے

۱۱۶
بچوں کو لیے نہر پہ پہونچا جو وہ بے پیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر
اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بے کس و دلگیر
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے

۱۱۷
وہ بولے کہ مطلوب ہے گر درہم و دینار
وہ جنس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
راضی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر بازار
ہم سے کہیں ملتے ہیں غلامانِ وفادار
یوسفؑ کی طرح موتیوں میں جبکہ تلیں گے
ان لعلوں کے عقدے تجھے اس وقت کھلیں گے

۱۱۸
گریہ نہیں مطلب تو نہ کر بدعتِ بے جا
دربارِ ستمگار میں جیتا ہمیں لے جا
آلودہ لہو میں رخِ انور نہیں دیکھے
دل آب ہے دہشت سے لرزتا ہے کلیجا
وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہے قتل کو بھیجا
جیتا تمھیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

۱۱۹
لڑکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے
وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
کرلیویں نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہے
جانوں کو بچالیں یہ نمازیں تو بجا ہے
سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

۱۲۰
نامرد نے حملہ کیا تلوار اُٹھا کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر
تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر
جا بیٹھا تہِ تیغِ دو دم سر کو جھکا کر
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

۱۲۱
یہ کہتا تھا تلوار بڑے پر نہ علم کر
وہ کہتا تھا پہلے مرا سر تن سے قلم کر
اک وار میں سر دونوں کے تن پر سے اُتر جائیں
ڈر قہرِ خدا سے یہ جفا کر نہ ستم کر
مل لیویں گلے بھائی کے وقفہ کوئی دم کر
ہیں ساتھ ہی رسّی میں بندھے ساتھ ہی مر جائیں

۱۲۲
ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تنِ اطہر
دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دستِ عدو میں
بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر
چلّا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

۱۲۳
آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا
مادر کو پکارا، کبھی بابا کو پکارا
دھبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیرِ عدو میں
چلّانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
جلاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اُتارا
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

۱۲۴
جب تک کہ تڑپتا رہا اس کا تنِ لاغر
چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر
گہ ڈوبتے تھے گاہ اُبھر آتے تھے دونوں
ٹھہرا رہا پانی میں بڑے کا تنِ اطہر
جا لپٹا بصد شوق برادر سے برادر
خورشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونوں

۱۲۵
خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل پر الم و رنج
دنیا کی دو رنگی سے نہ کر دل میں کشش و پنج
مطلب ہے کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
یہ مرثیہ تو لیں گے جواہر میں سخن سنج
مومن جو ہیں ان کے لئے یاں رنج ہے واں گنج
لیویں گے صلا اس کا حسینؑ ابنِ علی سے

مرثیہ ۱

مسجد میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے
سبطِ رسولؐ جب کہ امامِ زمن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؑ ہوئے
ممنون فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خلقِ حسنؑ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

۲
حلّالِ مشکلات امیر و فقیر تھے
قائم مقامِ سرورِ گردوں امیر تھے
اور شاہ لافتیٰ کے معظم وزیر تھے
کیا گوہر نسب میں عدیم النظیر تھے
نانا رسولؐ بادشہِ مشرقین سا
بازو اگر دیا تو خدا نے حسینؑ سا

۳
لکھا ہے یوں بحار میں راویِ خوش کلام
خدام تھے سواری میں سرگرمِ اہتمام
اک دن سوار جاتے تھے شاہِ ذوالاحترام
جھکتے تھے صف بہ صف پئے تسلیم خاص و عام
تھی روشنی زیادہ تجلیٔ طور سے
رستے بھرے تھے نورِ الٰہی کے نور سے

۴
ناگاہ آیا سامنے اک مردِ خیرہ سر
منہ سے کلام سخت کہے اس نے بیشتر
اور جانبِ امام درشتی سے کی نظر
ترکِ ادب ہے لاؤں اسے کس زبان پر
سمجھا نہ رتبہ شہِ عالی مقام کو
دشنام دی امام علیہ السلام کو

۵
جب کر چکا وہ بے ادبانہ یہ سب کلام
اور مسکرا کے آپ نے کی سبقتِ کلام
حضرت نے اس کا دیکھ کے منہ روک لی لگام
فرمایا کیوں ہے غیظ میں اے مردِ نیک نام
شاید اسیرِ دامِ بلا و محن ہے تو
مجھ کو گماں یہ ہے کہ غریب الوطن ہے تو

۶
مجھ سے سوال کر کہ میں حاجت روا کروں
گر تو مریض ہے تو شفا کی دعا کروں
اور دردِ مفلسی ہو تو اس کی دوا کروں
مقروض گر تو ہووے تو اس کو ادا کروں
تنہا ہے گر تو آ کے مرا غمگسار ہو
پیدل ہے گر تو گھوڑے پہ میرے سوار ہو

۷
گر عازمِ سفر ہے تو لے مجھ سے زادِ راہ
بھوکا ہے گر تو سیر ہو اے بندۂ الٰہ
بھاگا ہے گر کہیں سے تو یاں آ کے لے پناہ
عریاں ہے گر تو لے یہ مرا جامہ و کلاہ
اہلِ کرم ہیں لال جنابِ امیرؑ کے
مہمان چند روز ہو گھر میں فقیر کے

۸
حاضر رہوں گا میں تری خدمت میں روز و شب
مہماں کو دوست رکھتے ہیں یاں خاصگانِ رب
ہرگز کسی طرح کا نہ ہوگا تجھے تعب
دے گا حسینؑ تجھ کو زر و مال بے طلب
ہم آلِ مصطفےٰ ہیں یہ سب گھر رحیم ہے
مجھ سے زیادہ میرا برادر کریم ہے

۹
سن کر کلام بادشہِ آسماں سریر
بے اختیار رو کے پکارا کہ اے قدیر
کانپا مثالِ بید سراپا وہ مردِ پیر
تیرا نہ کوئی عدیل نہ اس کا کوئی نظیر
شیرِ خدا وصیِ نبی لا کلام ہے
حقا کہ تو امام ہے ابنِ امام ہے

۱۰
حیدر سے بغض تھا مجھے اور آپ سے عناد
دل سے تمام محو ہوئے باطنی فساد
مانند روح و جسم ہوا آج اتحاد
اب بخشیے خطا کو یہی ہے مری مراد
تعزیر دیجے تیغ دو پیکر نکالیے
تقصیر دار ہوں میں زباں کاٹ ڈالیے

۱۱
چھاتی لگا کے کہنے لگا وہ خدا کا نور
ایمان لایا تو مرے دل کو ہوا سرور
بتیاب کس لیے ہے ترا کچھ نہیں قصور
نزدیک تو بہشت سے ہے اور سقر سے دور
آل نبیؐ کی تجھ سے محبت زیاد ہو
تجھ سے حسنؑ خوشی ہے خدا تجھ سے شاد ہو

۱۲
کیا پرورش تھی بندے پر اس حکم کے نثار
مولا کا حلم و فیض ہے عالم پہ آشکار
ایسا گنا ہگار ہوا دم میں رستگار
ہے رحم بے حساب تو بخشش ہے بے شمار
پیدا ہوئے تھے یہ عوض خاک نور سے
رحمت سے دل بھرا تھا تن پاک نور سے

۱۳
ہمت کو نام پاک کی نسبت سے تھا شرف
پھرتے تھے کوچہ ہائے مدینہ میں جس طرف
لعل و گہر سے بھر دیے تھے سائلوں کے کف
ہو جاتے تھے فقیر غنی دم میں صف بہ صف
انبار نان دوش پہ اپنے اٹھاتے تھے
بھوکوں کو جا کے راتوں کو کھانا کھلاتے تھے

۱۴
اخبار صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بدگماں
اسما تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
کہتے تھے لوگ اس کا بتا دیجیے نشاں
فرماتے تھے گریز نہیں ہے ممات سے
قطع حیات ہے شدنی اس کی بات سے

۱۵
آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہ نامدار
درد شکم سے رہتے تھے نالاں و بیقرار
شہد و رطب میں زہر دیا اس نے تین بار
نو نو طرح کے رنج تھے اور ایک جان زار
کیا بیکسی تھی راحت جان بتولؑ پر
جا جا کے لوٹتے تھے مزار رسولؐ پر

۱۶
مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام
یثرب میں اک مکاں تھا بنا کر دہ امام
گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
منظور ہو گیا شب رحلت وہیں مقام
رشک بہشت غیرت باغ جناں ہوا
اس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

۱۷
وہ سبط مصطفےٰ کی شہادت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کے رحلت کی رات تھی
آفت کی رات تھی وہ مصیبت کی رات تھی
زہرا و مرتضیٰ پہ قیامت کی رات تھی
گذری قلق میں فاطمہؑ کے نور عین کو
ہجر حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو

۱۸
بستر پہ جلوہ گر جو ہوا وہ فلک جناب
زیر زمیں تھا خاک بسر قرص آفتاب
تا نصف شب نہ چشم ہوئی آشنائے خواب
داغ جگر دکھاتا تھا جھک جھک کے آفتاب
تارے زمیں پہ ٹوٹ کے پیہم گرا کیے
چشم فلک سے قطرۂ شبنم گرا کیے

پڑھ کر نماز شب کو جو سوئے شہِ اُمم	١٩	آسماں نے پھر بلا دیا پانی میں آ کے سم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بہ صد اَلم		بھینا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم
رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر روئے پاک تھا		محبوب کبریا کا گریبان چاک تھا
نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار	٢٠	ہے بیکس و غریب حسنؑ میں ترے نثار
پھرتے تھے میرے گرد علیؑ کو نہ تھا قرار		اماں بلائیں لے لے کے کرتی تھیں مجھ کو پیار
پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے		رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے
فرما کے یہ حسنؑ نے اُٹھایا زمیں سے جام	٢١	پایا درست اس کو جو تھا زہر کا مقام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام		دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام
یہ کہتے کہتے زرد رُخ پاک ہو گیا		چلّاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا
دوڑیں جناب زینبؑ بے کس برہنہ پا	٢٢	دیکھا کہ لوٹتے ہیں بھچو نے یہ مجتبٰؑ
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا		ہے ہے بہن نثار ہو بھیا یہ کیا ہوا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا		کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا
بولے امام آہ نہیں طاقتِ سخن	٢٣	جس کی کوئی دوا نہیں وہ درد ہے بہن
لپٹی گلے سے بھائی کے رو کر وہ خستہ تن		یہ بیقرار تھے کہ سنبھلتے نہ تھے حسنؑ
در آیا تھا جو زہر جگر میں امام کے		جھکتے تھے بار بار کلیجے کو تھام کے
تکیے لگا دیئے تھے حرم نے اِدھر اُدھر	٢۴	بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
فرمایا طشت لاؤ ہوا زہر کارگر		رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے منہ میں ٹکڑے کلیجے کے آتے ہیں		نانا بلا گئے تھے سو دنیا سے جاتے ہیں
زینبؑ نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن	٢۵	ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سرورِ زمن
آئی جو قے تو کان جواہر بنا دہن		الماس کھا کے لعل اُگلنے لگے حسنؑ
رنگِ زمرّدی کا سبب سب عیاں ہوا		معراج کی حدیث کا مطلب بیاں ہوا
فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو	٢٦	تھا دم بہ دم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حال زار سناؤ حسینؑ کو		ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو
کہدو کہ جلد آیئے رحلت کا وقت ہے		سُن جایئے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے
فضہ نے جا کے دی شہِ ذی جاہ کو خبر	٢٧	دارِ فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر
دوڑے حسینؑ چاک گریباں برہنہ سر		دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہِ بحر و بر
گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا		پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

دکھلا کے طشت بنت علیؑ نے کیا مقال
اُمید اب نہیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
اک آن درد سے نہیں بھائی سنبھلتے ہیں

۲۸
قربان جاؤں دیکھو یہ ہے مجتبیٰ کا حال
فریاد ہے تباہ ہوئی مصطفیٰ کی آل
رہ رہ کے اب کلیجے کے ٹکڑے نکلتے ہیں

بھائی کا حال دیکھ کے اُٹھا جگر میں درد
تر تھا بدن پسینے میں اور ہاتھ پاؤں سرد
رعشہ تھا تن میں آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے

۲۹
لوٹے زمیں پہ گر کے بھری گیسوؤں میں گرد
ان کا تو رنگ سبز تھا اور ان کا رنگ زرد
جھک جھک کے منھ کو بھائی کے قدموں سے ملتے تھے

ہر دم لپٹ کے بھائی سے باچشم اشکبار
شبیرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار
مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے

۳۰
چلّاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار
ہیں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار
ہم قبر میں تمھاری مصیبت کو روئیں گے

بھیّا تمھاری گود میں نکلے گا میرا دم
ہوگا تمھارے پاس نہ کوئی بجز الم
شبیرؑ تو بعد مرگ کے راحت سے سوئے گا

۳۱
تم دو گے ہم کو غسل و کفن جب مریں گے ہم
قاتل سرہانے ہوئے گا یا خنجر ستم
لاشہ تمھارا گھوڑوں سے پامال ہوئے گا

مرتا ہوں یاں وطن میں پہ تم ہو گے بے وطن
پالو گے تم یتیموں کو میرے بصد محن
جاویں گے اہلِ بیتِ نبیؐ شہرِ شام میں

۳۲
مرنے کے بعد بھی نہ ملے گا تمھیں کفن
بچّے تمھارے ہوئیں گے وابستۂ رسن
سر ننگے ہوں گی بیبیاں بلوائے عام میں

کوزہ اُٹھا کے بولے حسینِؑ فلک جناب
بھائی کو لپٹی دوڑ کے زینبؑ جگر کباب
جلدی سے پی نہ لے یہ قلق تھا امام پر

۳۳
دیکھوں تو پی کے میں کہ یہ کس طرح کا ہے آب
تھاما حسنؑ نے دستِ برادر بصد شتاب
اک ہاتھ تھا کلیجے پہ اک ہاتھ جام پر

کوزے کو لے کے بھائی سے پھینکا بروئے خاک
رو کر کہا کہ دو گے اگر آپ کو ہلاک
تم آبِ تیغ پی کے زمانے سے جاؤ گے

۳۴
اتنی زمیں ہوگئی گرتے ہی چاک چاک
کیوں کر پٹیں گے میرے یتیمانِ دردناک
دو دن کی پیاس خنجرِ کیں سے بجھاؤ گے

عباسؑ کو بلا کے کہا اے وفا شعار
اور تم بھی ان کے نام پہ تو جاں سے ہو نثار
تم شاہِ بیکساں کی رفاقت نہ چھوڑیو

۳۵
بچپن سے تم کو کرتا ہے شبیرؑ دل سے پیار
حاجت تو کچھ نہیں ہے سفارش کی زینہار
بھائی کا اپنے دامنِ دولت نہ چھوڑیو

وقتِ جہاد معرکہ آرائی کیجیو
لے کر علم کو فوج کی زیبائی کیجیو
اب ہم تو سوئے خلدِ بریں جانے والے ہیں

۳۶
بیماری نہ جان بھائی سے اے بھائی کیجیو
پیاسے ہوں اہلِ بیت تو سقائی کیجیو
تم ان کے ساتھ ہو یہ تمھارے حوالے ہیں

۳۷ بندوں کی طرح قدموں پہ آقا کا سر رہے
زینبؑ کی پردہ داری کی ہر دم خبر رہے
بھائی پہ تیر آئیں تو سینہ سپر رہے
شفقت کی اس بھتیجے پہ ہر دم نظر رہے
بیوہ کا لخت دل ہے نہ یہ دھیان کیجیو
قاسم کو پہلے بھائی پہ قرباں کیجیو

۳۸ قاسم کو پیار کر کے کیا اس طرح کلام
ہیں بر سر سفر شہ مظلوم صبح و شام
اس گھر کے تم چراغ ہو روشن ہے تم سے نام
کیجیو وہ کام جس میں رضا مند ہو امام
پیارے شہید تیغ جفا ہو کے آئیو
فردوس میں چچا پہ فدا ہو کے آئیو

۳۹ مجمل یہ تھا جو تم نے سنا آج میری جان
لکھ کر کچھ اپنے ہاتھ سے باچشم خوں فشاں
پہونچو گے کربلا میں تو ہو جائے گا عیاں
بازو پہ اس کے باندھ کے پھر یہ کیا بیاں
اس کو سوائے وقت مصیبت نہ کھولیو
یہ حرز جاں ہے غیر ضرورت نہ کھولیو

۴۰ تھا ایک شاہزادوں میں فرزند خورد سال
ہاتھوں کو اس کے چوم کے کرتے تھے یوں مقال
حاضر حضور شاہ میں تھا وہ بھی نونہال
اے آخری شہید خوشا تجھ پسر کا حال
نازک کلائیاں یہ تری دل سے بھائی ہیں
حوریں ابھی سے گود میں لینے کو آئی ہیں

۴۱ یہ کہتے کہتے غش ہوئے شاہ فلک جناب
حاضر تھی روح احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
غمگین تو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب
وا تھے برنگ دیدۂ نرگس جناں کے باب
تشریف خلد کو شہ ذی جاہ لے گئے
جدؐ و پدرؑ جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

۴۲ ماتم کی اہل بیت رسالتؐ میں تھی صدا
سادات کے محلے میں اک حشر تھا بپا
برپا تھا شور وا حسناہ و احمدا
بام فلک سے آتی تھی ہاتف کی یہ ندا
آل نبیؐ سے سبط محمدؐ جدا ہوئے
زہراؑ کے آج لعل و زمرد جدا ہوئے

۴۳ برپا تھا اہل بیت محمد میں شور و شین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ
بہنیں پچھاڑیں کھاکے یہ کہتی تھیں کرکے بین
اب اٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین
بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

۴۴ لاشے کے پاس مادر قاسمؑ کا تھا یہ حال
چلاتی تھی یتیم ہوئے ہائے میرے لال
رخ زرد اور پھٹا تھا گریباں کھلے تھے بال
لونڈی نثار اے پسر شاہ ذوالجلال
مدت کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

۴۵ غسل و کفن امام کو جب دے چکے امام
جس دم اٹھا جنازۂ شہزادۂ انام
اور جمع ہو چکے در دولت پہ خاص و عام
کرتے تھے انبیائے سلف واں پہ اہتمام
تھے شیثؑ و نوحؑ چاک گریباں کئے ہوئے
الیاسؑ و خضرؑ جاتے تھے کاندھا دیئے ہوئے

۴۶
عباسؑ و عونؑ زیدؑ و محمدؑ تھے نوحہ گر
قاسمؑ کو تھامے جاتے تھے سلطانِ بحر و بر
اور تھیں پسِ جنازۂ آقائے خوش سیر
ازواج و خادماتِ محل سب برہنہ سر
عریاں سروں پہ مریمؑ و حواؑ کے ہاتھ تھے
جبریلؑ پا برہنہ جنازے کے ساتھ تھے

۴۷
جس دم جنازۂ پسرِ شاہ لا فتا
پہونچا قریبِ مرقدِ پیغمبرِ خدا
یہ دشمنوں پہ مطلبِ شبیرؑ کھل گیا
یعنی قریبِ مرقدِ سلطانِ انبیاؐ
زینت کنارِ شاہِ رسل کے مزار ہو
منظور ہے کہ حق کو یہ مرکز قرار ہو

۴۸
ازبس کہ نسلِ فاطمہؑ سے تھا انھیں عناد
بس مستعد وہ ہو گئے سب برسرِ فساد
محبوبِ حق کے روضے پہ آئے وہ بدنہاد
بولے کہ پوری ہونے نہ دیویں گے یہ مراد
یہ گھر ہماری ملک کا ہے اور مال کا
حصہ نہیں ہے اس میں محمدؐ کی آل کا

۴۹
برہم ہوئے یہ سن کے امامِ فلک جناب
تھرّایا جسم غیظ سے آنکھیں ہوئیں پر آب
فرمایا دو گے حشر میں کیا حق کو تم جواب
جو کچھ بھی پاس احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
اوروں کی قبر ہائے نبیؐ کے قریب ہو
پہلو رسولؐ کا نہ حسنؑ کو نصیب ہو

۵۰
عباسؑ نامدار کو بھی آگیا جلال
اور بھائی بند ہو گئے آمادۂ جدال
قبضوں پہ ہاتھ رکھے تھے شیرِ خدا کے لال
کہتے تھے ہم سے لڑ سکیں کیا ان کی ہے مجال
اِن باغیوں کے زور کو دم بھر میں توڑیں گے
ہمسایۂ رسولِ خدا ہم نہ چھوڑیں گے

۵۱
اِک اِک کو روکتے تھے امامِ فلک سریر
آنے لگے جنازے پر جو اس طرف سے تیر
کانپی زمین ہل گیا صدمے سے چرخِ پیر
نکلی لحد سے فاطمہؑ جیبِ کفن کو چیر
تابوت پر نواسے کے بدعت جو ہوتی تھی
روحِ رسولؐ پاک جنازے کو روتی تھی

۵۲
تابوت پر جو آنے لگے تیر ناگہاں
آمادۂ نبرد ہوئے شاہِ انس و جاں
آئی ندائے غیب کہ اے شاہِ بیکساں
سر پیٹتی ہے فاطمہ زہراؑ بصد فغاں
جنبش میں اس الم سے محمدؐ کی قبر ہے
اے شیرِ حق کے لال یہ ہنگام صبر ہے

۵۳
واں دی کسی نے زینبؑ بےکس کو یہ خبر
چلتے ہیں تیرِ ظلم حسنؑ کے جنازے پر
تیغیں کھنچی ہیں غصے میں ہیں شاہِ بحر و بر
اُٹھ کر لگی وہ پیٹنے ہاتھوں سے اپنا سر
چلائی گھر سے مضطرب الحال جاتی ہوں
قبرِ نبیؐ پہ کھولے ہوئے بال جاتی ہوں

۵۴
زہراؑ کے گھر میں شور قیامت بپا ہوا
ڈیوڑھی پہ آئی دخترِ حیدرؑ برہنہ پا
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان تھا پھٹا
ایک ایک سے یہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
غصہ ہے آج فاطمہؑ کے نور عین کو
للہ کوئی جا کے سنبھالو حسینؑ کو

۵۵
زخمی کہیں نہ ہو پسرِ ضیغمِ الٰہ
اک بھائی کو تو قتل کیا دشمنوں نے آہ
ہم بیکسوں کا اب وہی وارث وہی ہے شاہ
کچھ ان پہ بن گئی تو یہ گھر ہو گیا تباہ
اب تو حسنؑ سے تا بہ قیامت جدائی ہے
ہے ہے یہی جہاں میں مرا ایک بھائی ہے

۵۶
جا کر کہے جو کوئی کہ اے شاہِ نامدار
بابا کا صبر یاد کرو تم پہ میں نثار
صدقہ نبیؐ کی روح کا کیجو نہ کارزار
ہے ہے نہ مجتبیٰؑ کا بناؤ وہاں مزار
آرام دو حبیبِ خدا کے حبیب کو
لیجا کے ماں کے پہلو میں گاڑو غریب کو

۵۷
رو کر بیاں یہ کرتی تھی یاں زینبؑ حزیں
پھر سپرِ دیں ہوا پنہاں تہِ زمیں
واں لے گئے بقیعہ میں تابوتِ شاہِ دیں
رویا لپٹ کے قبر سے زہراؑ کا نازنیں
محشر بپا تھا نالہ و فریاد و آہ سے
ہفتاد تیر نکلے تھے تابوتِ شاہ سے

۵۸
بھائی کو دفن کر کے وہ شاہِ فلک سریر
اُن کے بھی قتل کرنے کو در پے ہوئے شریر
روضے پہ مصطفیٰؐ کے ہوئے جا کے گوشہ گیر
آمادۂ سفر ہوا کونین کا امیر
راحت کا اس شریعت کی نقشہ بگڑ گیا
آباد کربلا ہوئی یثرب اُجڑ گیا

۵۹
پہونچے جو دشتِ ماریہ میں چھوڑ کر وطن
بے آب و دانہ تھے حرمِ سرورِ زمن
تھوڑے دنوں میں جا کے اُٹھائے بہت محن
مضطر شبِ دہم کو رہی شاہ کی بہن
بچپن سے انس تھا جو امامِ اُمم کے ساتھ
جاتی تھی جان آمدِ فوجِ ستم کے ساتھ

۶۰
حسرت سے دیکھتی تھی کبھی شاہ کا جمال
چادر گری تھی فرق سے بکھرے تھے سر کے بال
بانو کو رانڈ ہونے کا تھا دم بدم خیال
دل پر گرا تھا شاہ کے کوہِ غم و ملال
یادِ خدا میں سبطِ رسولؐ ہمام کو
تھا انتظار صبح شہِ تشنہ کام کو

۶۱
عاشورہ کی سحر کو قیامت ہوئی بپا
پیاسے رفیق ہو گئے جب شاہ پر فدا
جنگی دُہل بجانے لگے رن میں اشقیا
مرنے پہ مستعد ہوئے حضرت کے اقربا
مسلمؑ کے دو یتیم جہاں سے گذر گئے
زینبؑ کے لعل برچھیاں کھا کھا کے مر گئے

۶۲
پایا حسنؑ کے لال نے مرنے کا جب محل
نیزے کے زخم نے جو دکھایا رخِ اجل
جو کہہ دیا تھا باپ نے اس پر کیا عمل
ٹاپوں سے راہواروں کی لاشہ گیا کچل
بیجاں تڑپ تڑپ کے وہ گل پیرہن ہوا
تازہ دلِ حسینؑ پہ داغِ حسنؑ ہوا

۶۳
جی چاہتا ہے حال زیادہ ہو کچھ رقم
کس کو نہیں انیسؔ جہاں میں یہ درد و غم
رکتا ہے خوفِ طول سے اب توسنِ قلم
ہر اک کے دل پہ لگتے ہیں نشترِ الم
دو دو ملیں گے ساغرِ نہرِ لبن تجھے
ہے بے ریا دلائے حسینؑ و حسنؑ تجھے

رُباعی

پروا تیغ زبان کو سجنے کی نہیں
حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دربار ہے ابر طبع لیکن ہوں خموش
عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

رُباعی

ہموار ہے گر تو تجھے کچھ باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل وادراک نہیں
پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

رُباعی

بے جا نہیں مدحِ شہ میں غرّا میرا
بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا
مُرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سُن کے روز مرّا میرا

رُباعی

راہی طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
دُنیا سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

رُباعی

پُرسان کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے
ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

رُباعی

انجام بخیر ابتدا بگڑی ہے
گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے
کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں
اُلٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

تقریظ

الحمد للہ الواحد الغفار والصلوٰۃ علیٰ رسولہ المختار والتحیات علیٰ اخیہ حیدر الکرار وعلی الباقی الائمۃ الاطہار اما بعد ذاکرین مصائب جناب سید الشہداء و شائقین مجالس آل عبا کو واضح ہو کہ مدت دراز سے اکثر صاحبوں کو اشتیاق جمع کرنے مرثیہ ہائے جناب تقدس انتساب مرزا سلامت علی صاحب المتخلص بہ دبیر غفر لہ القدیر و جناب فیض مآب میر ببر علی صاحب المتخلص بہ انیس اعلی اللہ مقامہ بحبوحۃ الفرادیس کا تھا اور باوجود تردد تلاش ہر شخص کو خصوصاً باشندگان دیار و امصار کو عمدہ مرثیوں کا ملنا غیر ممکن تھا اور الحق کہ یہ دونوں مرحوم و مغفور ہفت اقلیم میں علی الخصوص ہندوستان میں مثل ماہتاب و آفتاب کے تھے اور انکی ذات بابرکات سے بہت کچھ عروج عزاداری کا ہوا چنانچہ بہیں نظر کارپردازان مطبع فیض منبع اودھ اخبار نے سابق اس سے بکمال عرق ریزی مرثیہ ہائے مرزا صاحب مرحوم کو جمع کرا کر دو جلدوں میں طبع کرایا اور شائقین کے دامن مراد کو گلہائے تمنا سے بھرا اس کے بعد یہ خیال ہوا کہ جس طرح سے ہو مرثیہ ہائے میر صاحب مغفور بھی بہم ہو کر طبع ہوں اور اس فیض سے بھی لوگ علی العموم محروم نہ رہیں اور یہ کلام باقیات الصالحات جناب مغفور کا تا روز قیامت رہے ہر چند فراہم ہونا کلیات کا اور تصور کرنا ان محالات کا من قبیل باد بدست گرفتن و مہتاب بگز پیمودن کے تھا اور فی الواقع کلام بلاغت نظام ان کا ایک بحر زخار اور قلزم ناپیداکنار ہے کہ شناور وہم و خیال بھی عاجز از عبور رہے فصاحت سخن وہ کہ سحبان عرب اور حسان عجم معترف بہ عجز و قصور ہے اللہ ری طلاقت کہ زباں آوری کا سکہ بٹھایا ہے معاذ اللہ شاعری کو رتبہ پیغمبری پر پہونچایا ہے غرضکہ محاورہ روزمرہ اور زباں دانی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا اس فن خاص کو انھیں سے بنیاد ہے فصاحت و بلاغت موروثی خانہ زاد ہے اللہم اغفر لہ وارحمہ واحشرہ مع من تولاہ من الائمۃ المعصومین واعلی اللہ درجاتہ فی اعلی علیین تاہم بہزار محنت و شقت کارپردازان مطبع موصوف نے جناب مغفور کے مرثیوں کو سندی جگہوں سے عمدہ عمدہ اور صحیح جمع کیا اور بفضلہ تعالیٰ چاروں جلد مرثیوں کی معرض طبع میں آئیں اور جہاں تک ہو سکا ان مرثیوں کی صحت میں سعی بلیغ کی گئی اور یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ ہندسہ صفحت پر تمام ہوں اور ہندسہ طاق سے شروع ہوں تاکہ ذاکر جب چاہے ہر مرثیہ کو علیحدہ علیحدہ کر لے اور مجلس میں تمام جلد لے جانے کی ضرورت نہ رہے اور جلد اول مطبوعہ اولیٰ میں جو مرثیہ سلسلہ احوال سے بے ترتیب تھے انکو بھی درست کر دیا۔ شائقین بعد ملاحظہ نہایت خوش ہوں گے

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ والمنۃ کہ مرثیہ میر انیس جلد اول مصنفہ سخنور سحر بیان فارس مضمار سخن دانی موجد طرز شیوہ بیانی سرخیل ذاکران سر آمد مرثیہ گویان فخر المتقدمین شرف المتاخرین ناظم بے بدل استاد ضرب المثل طباع نفیس افصح الفصحا جناب میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی تغمدہ اللہ بغفرانہ و اغرقہ اللہ فی بحار فضالہ جو جملہ اصناف سخن پر قادر تھے فنون شاعری سے ہمہ تن ماہر تھے علی الخصوص مرثیہ گوئی میں تو ایسی ایسی جدتیں فرما گئے کہ گویا اس فن کو حد تک پہونچا گئے ان کی تصنیف لطیف مقبول و مطبوع خواص و عوام ہے اور شش جہت میں اس کی دھوم دھام ہے قیامت تک صفحۂ ہستی پر ان کا نام نامی روشن رہے گا اور حق تو یہ ہے کہ مرثیہ ان سے بہتر کوئی کیا کہے گا ان کی تعریف جس قدر لکھئے مختصر ہے ان کی تصانیف کی حسن و خوبی دیکھنے پر موقوف و منحصر ہے المختصر یہ کہ جلد اول مطبع منشی تیج کمار واقع لکھنؤ میں عالی جناب معلی القاب منشی تیج کمار صاحب بھارگو

مالک مطبع بحسن و خوبی و بہزاران خوش اسلوبی

بماہ اکتوبر ۱۹۵۸ء بار ہشتم چھپکر

شائع ہوئی

تاریخ طبع سابق از مولانا محمد عابد علی خاں حامد شاہ آبادی مرحوم

اندریں مرثیہ ہا میر انیس مرحوم	ذکر قتل شہ مظلوم عجب کرد رقم
حامد خستہ دم طبع ز روے افسوس	کرد تاریخ رقم ہای چہام کنز غم ۱۳۳۳ھ

قطعہ تاریخ طبع حال از نتیجہ فکر شاعر خوش بیا عمدۃ الماہرین مولوی عماد الدین صاحب المتخلص بعماد

لکھا انیس نے مظلوم شہ کا حال رقم	رہے گا حشر تلک جس کا خلق میں ماتم
یہ سال طبع سنہ عیسوی میں لکھدو عماد	چھپا ہے دیدۂ نمناک یہ خزینۂ غم ۱۹۳۷ء

DATE LABEL